ناول

شام نرائن اور پاربتی




المعروف

چھوٹا خاوند اور بڑی بیوی۔ بڑا خاوند اور چھوٹی بیوی

رازداری

شام کا موقع ہے۔ دونو وقت مل رہے ہیں۔ مسجد سے اذان کی اور مندر سے ناقوس کی آوازیں آرہی ہیں۔ آرتھی کے گھنٹے بج رہے ہیں۔ عورتیں چراغوں میں بتیاں بٹ بٹ کر ڈال رہی ہیں۔ چمگادڑیں ہوا میں چکر لگا رہی ہیں۔ کوئی کھار رہا ہے کوئی پکار رہا ہے۔ غرض دنیا رات کی آمد کی تیاری کر رہی ہے۔ ایک نوجوان حسین زن کی لاہور کی **چونے منڈی** کے ایک مکان میں دو منزلی چھت پر اکیلی بیٹھی ہوئی ہے۔ کچھ کنکریاں آگے پڑی ہیں۔ اُن سے لکیریں کاڑتی ہے۔ اور اپنے خیال میں محو ایسی ہے کہ دنیا و ما فیہا کی اُسے کچھ خبر نہیں ہے۔ دفعتاً ایک آہٹ سے چونکتی ہے اور کہتی ہے:۔

"آ ہے نی کرپے اس ویلے میرا ساہ نکل گیا۔ تو کتنی ہولی ہولی آئی ایں۔ میں تاں ڈر گئی۔ (اے ہے نی کرپی اس وقت تو میرا دم نکل گیا۔ تو کیسی چپکے چپکے آئی ہے۔ میں تو بالکل ڈر گئی)"

کرپی :۔"پاربتئے میں تینوں سارے ڈھونڈ آئی ہاں تو ایتھے بیٹھی ہیں" (پاربتی میں تجھ کو سارے ڈھونڈھتی پھری ہوں تو یہاں بیٹھی ہے) +

پاربتی :۔"اے نی ایہ شام دا تماشہ مینوں چنگا لگدا اے۔ دسیں تاں مینوں کاہنوں ڈھونڈ نی ہیں" (ہاں ری یہ شام کا تماشہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کہئے نا مجھے کیوں ڈھونڈے ہے) +

کرپی :۔"تینوں کجھ خوشی تے غم دیاں گلاں سُناواں" (تجھے کچھ خوشی اور غم کی باتیں سناتی ہوں) +

پاربتی :۔"ہاں نی ہاں۔ میری سوہنئے کرپئے چھیتی سُنا" (ہاں ہاں میری پیاری کرپی جلدی سنا خیر تو ہے) +

کرپی :۔"چل پھیر ایتھوں ہیٹھلے گھر وچ بہہ کے گلاں کریئے" (چل پھر نیچے کے مکان میں چلیں وہاں بیٹھ کر باتیں کرینگی) +

پاربتی :۔"ایتھے ہی بہہ جا۔ ایہہ موقعہ چنگا اے۔ ایتھے کوئی نہیں سُندا" (آ یہیں ہی آکر بیٹھ جا۔ باتیں کرنے کا یہ موقع بہت اچھا ہے۔ یہاں کوئی سننے کا بھی نہیں) +

یہ دو نوجوان اور حسین لڑکیاں کوٹھے کی چھت پر بیٹھ گئیں اور ایکدوسری سے برابر اور ہمجولیوں جیسے مذاق سے یوں باتیں کرنے لگیں :۔

پاربتی :۔"اڑئیے ہاسا ہو چکا چھیتی سُنا کی خبر اے" (اری کرپی بس ہنسی ہو چکی۔ جلدی سنا کیا خبر ہے) +

کرپی :۔"نی ٹھہر بی نا۔ ویکھ کیہی ٹھنڈی وا وگدی اے" (اری ٹھہر بھی جا دیکھ کیسی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے) +

پاربتی :۔"نانیں۔ پہلاں گل سُنا دے۔ پچھوں ہوا پھکیں" (نہیں :۔ پہلی بات سُنا دے۔ ہوا پیچھے پھانکیو) +

کرپی :۔"اڑئیے گل ایہ وے۔ اج میرا چاچا آگیا" (اری بات یہ ہے کہ آج میرا چچا آگیا) +

پاربتی :۔"ہلا پھیر کی خبر لیایا" شرم کے لہجہ سے (اچھا پھر کیا خبر لایا) +

کرپی :- "خبر اِیہ وے کہ جتھے تیرے پیو نے اُنھوں بھیجیا سی او تھے منڈا ضرور ہے گھر بھی دولت والا ہے۔ اُنھاں نوں آدمی دی بھی لوڑ اے۔ ناطہ کرن تے راضی ہین۔"
(خبر یہ ہے کہ جہاں تیرے باپ نے اُسے بھیجا تھا وہاں لڑکا ضرور ہے۔ گھر بھی بڑا دولت والا ہے۔ اور اُن کو آدمی کی چاہت بھی ہے۔ اور ناطہ کرنے پر بھی وہ راضی ہیں) +

پاربتی :- "اڑیئے سُنا گبرو کیا ہے"۔ شرما جاتی ہے (ارے یہ تو سُنا کہ خاوند کیسا ہے) +

•

کرپی :- "میرا چاچا میری چاچی نوں کہندا سی کہ منڈا نو سُندر ہے۔ ڈاڈھا بدوان ہے۔ مدرسے وچہ پڑھدا ہے۔ پر عُمراں چھ ورھے ہے"۔ میرا چچا میری چچی سے کہتا تھا۔ کہ لڑکا تو بڑا سُندر ہے۔ بڑا ہوشمند ہے۔ مگر عمر میں کوئی چھ برس کا ہے) +

آخری فقرہ کرپی نے پورا نہ کیا تھا کہ پاربتی نے ایک آہ کھینچی اور بیدم ہو کر لیٹ گئی۔ کرپی نے اُسے گلے لگایا اور کہا :-

کرپی :- "اے نی۔ اے نی۔ پاربتی ہوش کر۔ ایُنی نہ گھبرا جا۔ گھر ڈاڈھا چنگا ہے منڈے دا ماں پیو ڈاڈھا بھلا مانس ہے"۔ کیوں کیوں پاربتی ہوش کر ایسی نہ گھبرا۔ گھر بڑا اچھا ہے۔ لڑکے کے ماں باپ بہت بھلے مانس ہیں) +

پاربتی :- "اگ لگے اُس گھر نوں۔ مرن ماں پیو۔ چُلھے وچہ پوے اوہ منڈا۔ مینوں فاقہ چنگا۔ موت بھلی۔ اجہے نادان نال عمر برباد کرنی چنگی نہیں۔ ہائے میں ہنے کی پئی سوچ دی ساں"۔ (آگ لگے اُس گھر کو۔ مریں وہ ماں باپ۔ چولھے میں پڑے وہ لڑکا مجھے فاقہ اچھا۔ موت اچھی۔ ایسے نادان کے ساتھ زندگی برباد کرنی اچھی نہیں۔ ہائے میں ابھی کیا سوچ رہی تھی) +

کرپی :- "انی نہ گھابر جا گھبرے تیرا پیو او تھے راجی ہووے نہ ہووے"۔ (پاربتی اس قدر نہ گھبرا۔ شائد تیرا باپ اُس جگہ راضی نہ ہو) +

پاربتی :- "اڑیئے ایہ ساریاں گلاں ہی نے۔ میرا پیو اُس گھر تے اجیہا عاشق ہو یا ہے کہ جے منڈا ماں دے پیٹوں پل بھر دا جمیاں ہووے تاں بھی اوہ مینوں او تھے دھکّن

تھیں انکار نہ کرسی"۔ (بہن - یہ سب پھسلاوے کی باتیں ہیں - میرا باپ اس گھر پر ایسا عاشق ہوا ہے کہ اگر لڑکا اپنی ماں کے پیٹ سے پل بھر کا پیدا ہوا ہوتا تو وہ مجھ کو وہاں دھکیلنے سے ہرگز انکار نہ کرتا) +

کرپی:"ہاں نی سچ ہے - میرا چاچا آہندا اسی کہ ہر بھگوان پہلاں توسی جو سی ہُن اوتھے دی گلاں سُنکر ایہ جیہا پاگل ہویا ہے اور کہندا اسی کہ مشر جی جلدی کڑمائی دی رسم کر چھڈو - ایہہ نہ ہووے کہ کدھرے منڈا رک جائے"۔ (ہاں بہن کہتی تو سچ ہے میرا چچا ذکر کر رہا تھا کہ ہر بھگوان اُس گھر پر پہلے تو عاشق تھا ہی - مگر اب وہاں کی باتیں سُنکر ایسا فریفتہ ہوا ہے کہ کہتا تھا مصر جی جلدی ناطہ کی رسم ادا کرا دو ایسا نہ ہو کہ ناطہ رک جائے) +

پاربتی:"کجھ لین دین دا بھی توں سُنیاں ہے؟" (کچھ لین دین کا ذکر بھی تو نے سُنا ہے) +

کرپی:"آکھو کہندا اسی جو منڈے دا پیو پندرہ سَو روپیہ دین نوں تیار ہے"۔ (ہاں ذکر تو تھا کہ لڑکے کا باپ پندرہ سو روپیہ دینے کو تیار ہے) +

پاربتی:"سپ لڑے ایہ جیہے روپئے نوں - ہے ہے پندرہ سو روپے دے پچھے ایہ میری زندگی برباد کرن گے - ہے میرا ربا - مَیں جمدی ہی کیوں نہ مر گئی"۔ (سانپ ڈسیں اس روپیہ کو - ہے ہے پندرہ سو روپیہ کے لالچ سے میری زندگی برباد کرتے ہیں - ہے میرے رام - میں پیدا ہوتی ہی کیوں نہ مر گئی) +

ان پیاری لڑکیوں میں یہ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں کہ نیچے سے کسی نے کہا"پاربتی نیچے آ" اس آواز کو سُنکر لڑکھڑاتے لہجہ سے پاربتی نے کہا۔"اے آتی ہوں" اور آپس میں کہنے لگیں اچھا اب صبح کو دریائے اوی پر نہانے چلینگی تب باتیں کرینگی - کرپی ذرا سویرے آئیو +

طلبہ

سنیچر کا دن ہے طلبہ مدرسوں اور کالجوں سے پڑھ کر نکلے ہیں - اتوار کی تعطیل کی

خوشیاں منا رہے ہیں ہر روز مدرسہ بند ہونے کے بعد کام کی کثرت سے شام تک اور رات کو آدھی رات تک کتابیں دیکھتے رہتے تھے - آج سب کتابوں کو برسرِ طاق رکھ دیا ہے - بیٹھے گپ شپ مار رہے ہیں -

شاہ عالمی دروازے کے ایک عالیشان مکان میں چند ہندوستانی طلبہ رہتے ہیں اُن میں کئی کائستھ ہیں - کئی کشمیری پنڈت اور کئی کھتری ہیں - یہ سب آپس میں نہایت محبت اور اخلاص سے بسر کرتے ہیں - اور گو اُن قوموں میں فرق ہے - مگر آپس کی محبت اُن میں اس قدر ہے - کہ وہ سب سگے بھائی معلوم ہوتے ہیں - وہ ایک دوسرے کے شریکِ رنج و راحت ہیں - اُن میں بعض قانون پڑھتے ہیں - بعض آرٹس اور بعض ڈاکٹری - یہ سب اپنے مکان میں بیٹھے گپیں مار رہے ہیں - مگر ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ کسی کا انتظار ہے - کیونکہ سب کی آنکھیں دروازہ کی طرف لگی ہیں :-

ایک :- "یار شام نرائن اب تک نہیں آیا کہاں رہ گیا"

دوسرا :- "خدا خیر کرے وہ تو دیر کرنے والا نہیں"

تیسرا :- "سب خیر ہے - بھائی وہ فورتھ ایر کے امتحان میں اوّل رہا ہے - اُس نے سوچا ہوگا کہ آج گپ شپ کا دن ہے - گھر جاؤں گا - تو وقت گپ شپ میں گذر یگا - ضرور کسی باغ میں بیٹھا سبق یاد کرتا ہوگا"

چوتھا :- "ہاں بھئی محنتی آدمی ہے - امید ہے کہ فائنل امتحان میں بھی اوّل رہیگا"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں زینہ میں دھپ دھپ کی آواز آئی اور ایک نوجوان حسین آدمی تقریباً ۱۹ برس کی عمر کا یاروں کے سامنے آ موجود ہوا +

ایک :- "آ یار شام نرائن بھئی تیری بڑی عمر ہے - اس وقت تیرا ہی

دوسرا :- "کیوں یار خیر تو ہے - کچھ چہرہ اُداس ہے"

تیسرا :- "یار ہفتہ کی شب کو تو کتابوں کو چھوڑا کر - تو تو کتاب کا کیڑا بنگیا ہے"

چوتھا :- "بھائی شام نرائن محنت تو اچھی چیز ہے مگر حد سے زیادہ اچھی نہیں - آج کے دن تو گپ شپ مارا کرو"

اب دوست شام نرائن کو چھیڑ رہے ہیں۔ مگر وہ کچھ چُپ چاپ معلوم ہوتا تھا اور یاروں کی ہنسی کا جواب نہایت سنجیدگی سے دیتا تھا۔

دوست جو ایسے معاملات میں کم و بیش ملہم ہوتے ہیں سمجھ گئے کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

سب نے نہایت سنجیدگی اور ہمدردی سے پوچھا کہ بھائی شام نرائن خیر تو ہے۔

شام نرائن: "ہاں سب خیر ہے"

یار: "کالج میں تو آج خیریت رہی"

شام نرائن: "ہاں سب کچھ اچھا تھا"

یار: "گھر سے کوئی خط آیا"

شام نرائن: "ہاں آیا"

یار: "تمہارا خاندان راضی خوشی ہے"

شام نرائن: "ہاں سب اچھے ہیں"

یار: "کوئی بات تمہارے مزاج کے خلاف اس میں درج ہے"

شام نرائن: (دبی آواز سے) "نہیں ایسی تو نہیں"

یار: "ہاں ہاں کچھ تو ہے"

شام نرائن: "نہیں نہیں کچھ نہیں"

یار: "دوست رنج و غم کے شریک ہوتے ہیں۔ اگر بیان کرو ممکن ہے کہ دوسرے سے رہائی کی کوئی تجویز نکل آئے"

شام نرائن: "یار تم کوئی تجویز نہیں بتا سکو گے"

یار: "کہو تو سہی"

شام نرائن نے جیب سے دو خط نکالے اور پڑھنے شروع کئے۔ پہلا اُس کے باپ کی طرف سے تھا۔ اور دوسرا اُس کے چچازاد بھائی کی طرف سے۔

(پہلا خط)

میرٹھ شہر
۴- جولائی سنہ ۱۸۹۰ء

فرزند اقبالمند سلّمہٗ

بعد دعائے درازیٔ عمر کے واضح ہو کہ مبلغ پچاس روپیہ بذریعہ منی آرڈر تمہارے خرچ کے واسطے روانہ کئے جاتے ہیں +

اور تمہاری شادی کے واسطے جہاں ہم نے بندوبست کیا تھا وہ سب بات ٹھیک ہو گئی ہے۔ سگائی کی رسمیں ادا کر دی گئیں۔ امید ہے کہ اگلے سال شادی کی رسم ادا ہو جاوےگی۔ اس عرصہ میں تم اپنی تحصیل علوم سے بھی فارغ ہو جاؤ گے اس بارہ میں یقیناً دہلی سے کوئی تمہارا دوست تم کو مفصل لکھیگا۔ فقط

راقم
تمہارا محبت کرنے والا باپ
رام نرائن۔ تحصیلدار میرٹھ

یاروں نے جونہی یہ خط سُنا چاروں طرف سے مبارک باد دینی شروع کی اب اب تو مٹھائی کھلوانا۔ جورو ملنے میں ایک سال کی کسر رہ گئی ہے۔ ہے بڑا اُستاد اس واسطے سنجیدہ بنا ہوا ہے۔ کہ یاروں کو جلسہ نہ دینا پڑے! اب تو چُپڑی اور دو دو ہیں۔ امتحان پاس کرنے کے بعد جگہ بھی ملجائیگی۔ اور شادی بھی ہو جائیگی۔ بس بھئی اب تو ہنس دو +

شام نرائن: "یارو اُچھلنا کودنا پیچھے۔ پہلے دوسرا خط تو سن لو"

یارو: "بس بس دوسرا خط نہیں سُنتے۔ یہی خط کافی ہے۔ دوسرا خط کیا تمہاری اما نے بھیجا ہے"

شام نرائن: "سُن تو لو"

یارو: "اچھا سُناؤ"

(دوسرا خط)

دہلی - تیلی کا کٹڑہ

۴ - جولائی ۱۸۹۰ء

مائی ڈیر برادر

آج آپ کو ایک خوشی کی بات سناتا ہوں - میری مٹھائی بھیجدو -

یہ دو فقرہ نہ پڑھنے پایا تھا کہ یاروں نے قہقہہ لگایا اور کہا بچہ جی دہلی مٹھائی پارسل کے ذریعہ بھیجو اور یاروں کو یونہی ٹالو - بس جی بس آپ کا خط سن لیا - بہت مسمسی صورت نہ بناؤ *

شام نرائن :- "یار پورا خط بھلا سن تو لو - لو بھئی میں نہیں پڑھتا"

یار :- "راجیداس - بھئی تم مقنن بنے پھرتے ہو - ان کا خط پڑھو - اور بھئی ہماری طرف سے تم وکیل - ان سے مٹھائی دلواؤ"

شام نرائن :- "ہاں راجیداس - تو تم خط پڑھو - اور بھئی میری طرف سے بھی تم ہی وکیل"

راجیداس نے از سر نو یوں خط پڑھنا شروع کیا -

دہلی نیل کا کٹڑہ

۴ - جولائی ۱۸۹۰ء

مائی ڈیر برادر

آج آپ کو ایک خوشی کی بات سناتا ہوں - میری مٹھائی بھیجدو - بھائی صاحب آپ کا ناطہ ضلع مراد آباد میں ہو گیا ہے - آپ کا خسر وہاں کا ڈپٹی کلکٹر ہے - بڑا خاندانی آدمی ہے - کئی پشتوں سے چار پانچ گاؤں کے مالک ہیں - بہت سے مکانات اور باغ ملکیت میں رکھتے ہیں - اور اُن کے ہاں صرف ایک ہی لڑکی ہے - گویا اب تم ہی سب چیز کے مالک ہو * ہاں تمہارے والد اُس جگہ شادی کرنے میں بہت خوش ہیں - گو تمہاری ماں نے کچھ حیل حجت بھی کی تھی - مگر وہ کہتے ہیں کہ زمین ٹلے - آسمان ٹلے - میں اپنے ارادہ سے نہ ٹلونگا - شائد تم پوچھو گے کہ تمہاری والدہ کیوں راضی نہیں - خیر حکم تو نہیں ہے - مگر بھائی ہونے کے سبب نہیں یار ہونے کے سبب بتا دیتا ہوں - کہ آپ کی نبٹری کی عمر کل چار برس کی ہے - اور

شکل صورت کی بھی حسین نہیں آدمی کا بچہ ہے +

یوں تو اُس کے جوان ہونے میں نو دس برس چاہئیں۔ مگر امید ہے کہ تم چونکہ ڈاکٹری پڑھتے ہو کچھ دوائیاں کھلا کر جلدی اپنے مطلب کی بنا لوگے +

بھائی صاحب۔ تمہارے والد کے تم پر بے شمار احسان ہیں۔ اُمید ہے کہ تم انکار نہ کروگے۔ مگر یار برا نہ ماننا ہم تو تم کو آج سے جورو کا نانا کہا کرینگے۔ فقط

آپ کا پیارا چچازاد بھائی

جے نرائن

رامچند اس نے خط تمام کیا۔ اور آخری فقرہ سُنکر یاروں نے قہقہہ لیا۔ مگر شام نرائن کا اکھڑا اکھڑ پڑا۔ اور بے دم ہو کر لیٹ گیا۔ یار گھبرائے ہنسنا موقوف کیا جلدی سے گلاب منگوا کر اُس کے منہ پر چھڑکا۔ ایک گلاس میں کچھ کیوڑا اور بید مشک ملایا۔ اور برف سے ٹھنڈا کر کے پلایا۔ اور آپس میں مشورہ کر لیا کہ اب سوائے تسلی کے ہنسی نہ کرنا۔ کیونکہ ہنسی سے اُسے اور صدمہ پہنچیگا۔ شام نرائن کو ہوش آیا۔ یاروں نے کہا:۔

یار: "بس یہی ڈاکٹری پڑھتے ہو۔ ذرا سی بات میں بے ہوش ہو گئے۔ تم مردے کیا چیرتے پھاڑتے ہوگے +

شام نرائن: "یارو اس وقت مجھ سے نہ بولو۔ ذرا سونے دو"

شام نرائن یاروں کو ٹال بستر پر چلا گیا طرح طرح کے خیالات میں غرق تھا۔ یاروں نے اُسے ہر چند کھانے کے واسطے بلایا۔ مگر وہ نہ گیا۔ آخر خیالات میں غلطان پیچاں ہو کر اسے نیند آگئی۔ شب کو اُسے نہایت ڈراونے اور پریشان خواب دکھائی دیتے رہے۔ آخر قریب ۲ بجے رات کے اُس کی آنکھ کھل گئی دل میں کہنے لگا۔ "چار برس"۔ بہت چھوٹی ہے دس برس پالنا پڑیگا۔ ہائے میری جوانی کے دن یونہی برباد ہونگے +

ماں بیچاری نے تو بہتیرا کہا ہوگا۔ مگر لالہ جی تو روپیہ کی نیت میں کیوں ماننے لگے تھے ہائے خدا۔ مجھے کیوں پیدا کیا تھا۔ خدا کرے کم بخت "سمال پاکس"[۱] سے مر جائے +

افسوس! میں سوچتا تھا کہ اب کی دفعہ امتحان پاس کرنے کے بعد کوئی جگہ پاؤں گا اُدھر شادی ہو جاوے گی۔ بیوی کو ساتھ رکھونگا۔ وہ رنج و راحت میں میری شریک ہوگی برس دو برس میں اللہ بال بچہ دیگا۔ اُسے کچھ پڑھا لکھا کر ڈاکٹری پڑھنے کے لئے انگلینڈ

۱؎ چیچک +

بھیجوں گا - ہائے میری سب اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا *

ہر چند اُس نے کوشش کی کہ اُسے نیند آجاوے - مگر ان خیالات نے کچھ ایسا گھبرایا کہ نیند اُس سے سو سو کوس پرے بھاگ گئی - قریب ۲ ½ بجے کے وہ اٹھا - اپنے کپڑے پہنے اور لکڑی ہاتھ میں لے چپکے گھر سے نکل گیا - اور دریائے راوی کی طرف چلا "

خوب گذرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو

شام نرائن لکڑی ہاتھ میں لئے کچھ ادھ مؤا سا دریائے راوی کی طرف جا رہا تھا - کہ ہیرا منڈی میں دو لڑکیاں اُس کو دکھائی دیں - جو اس قدر سرگرمی سے باہم گفتگو کر رہی تھیں کہ اُن کو کسی سُننے والے کا مطلق خیال ہی نہ تھا شام نرائن اُن کے پیچھے پیچھے ہو گیا - اور اُن کی باتیں سننے لگا *

ایک :- " کیوں نی کرپئے توں میرے ویاہ تھیں خوش ایں " - (کیوں کرپی میری شادی سے تو خوش ہے) *

کرپی :- " ویاہ بھی ایہ جیہی چیز ہے جو اس نال خوشی نہ ہووے " (پاربتی شادی بھی ایسی چیز ہے کہ اُس سے خوشی نہ ہو) *

پاربتی :- " ہاں نی توں کیوں خوش ہوویں - ہتا وچہ تاں میں ہنیا اے - توں تاں پہلوں ہی اک مسٹنڈا مار بیٹھی ہیں " - (ہاں تو کیوں خوش ہو گی مصیبت میں تو میں پڑونگی - تو تو پہلے ہی سے ایک مسٹنڈا مار بیٹھی ہے) *

کرپی :- " بس بھین بس ! ایہ جیہیاں گلاں نہ کر - تیرا گبرو تھوڑے دناں وچ مسٹنڈا ہو جاسی " (بس بہن بس ایسی باتیں نہ کر - تیرا خاوند بھی تھوڑے دنوں میں مسٹنڈا ہو جاویگا) *

پاربتی :- " وچ چھ ورہے چھ ورہے - اُہدے جوان ہون وچ لجے دس بارہ ورہے باقی نے - اینے چر وچ رام جانے میں مراں یا جیواں " - (اُس کے جوان ہونے میں ابھی دس بارہ برس کی دیر ہے - اس عرصہ میں رام جانے میں مر جاؤں یا جیتی رہوں) *

کرپی :- " ناں نی ناں - چھ ست ورہیاں وچ کھاصہ جوان ہو جاسی پا بھنئے نوں

گھابر نہیں"۔ (نہیں بہن نہیں۔ چھ سات برس میں خاصہ جوان ہو جائے گا۔ پاربتی تو گھبرا نہیں) ÷

پاربتی:- ہائے میں گل شام نوں سوچ دی ساں۔ میرا ویاہ ہوویگا۔ گبھرو جوان سوہنا ہوویگا۔ میں اوہنوں گل لاواں گی۔ اوہ مینوں پیار کریگا۔ اور کھٹ لیاویگا مینوں دیگا۔ میں گھر دا بندوبست کرانگی۔ بال بچے ہون گے۔ اوہناں نوں پہلاں آپ پڑھاواں گی۔ فیر مدرسے بھیجاں گی"۔ (ہائے میں کل شام کو سوچ رہی تھی میری شادی ہوگی۔ خاوند جوان اور خوبصورت ہوگا۔ میں اُسے گلے لگاؤنگی۔ وہ مجھے پیار کرے گا۔ وہ کما کر لائیگا۔ مجھ کو دیگا۔ میں گھر کا بندوبست کرونگی۔ بال بچے ہونگے اُن کو پہلے خود پڑھاؤنگی۔ پھر مدرسہ بھیجونگی) ÷

کرنی:- بس پاربتیے بس۔ فکر نہ کر۔ پنج چھ ورہے نوں تینوں سب کم ہو جاسی۔ ویکھاں تیرے سوہرے کیڈے پیسے والے ہین"۔ (بس بس پاربتی چپ رہو۔ غم نہ کر۔ پانچ چھ برس بعد سب کچھ ہو جاویگا۔ دیکھ تو تیرے سُسرال کیسے دولت والے ہیں) ÷

پاربتی:- چُلھے وچ پئے ایہی دولت۔ مینوں غریب کھسم چنگا سی بھاویں اوہ نکھٹو ہوندا۔ میں چرخہ کتن دی۔ جالی اُن دی۔ جیہاں اُن دی اپنا تے اوہدا ڈھڈ پالدی۔ پر نکے ککے نوں کچھڑ نہ کھڈاوندی"۔ (بھاڑ میں جائے یہ دولت۔ مجھ کو غریب خاوند اچھا تھا۔ چاہے وہ کمانے والا نہ ہی ہوتا۔ میں چرخہ کاتتی۔ جالی نکالتی۔ تو رے بنتی اپنا اور اُس کا پیٹ پالتی۔ مگر ننھے بھائی کو گود میں نہ کھلاتی) ÷

آخری فقرہ سُنکر شام نرائن کو ہنسی آگئی۔ اور اسے اپنا خیال دل میں پھر گیا۔ کہنے لگا ہائے یہ بھی کوئی میری طرح مصیبت میں مبتلا ہے۔ بے اختیار اُس کے منہ سے شعر نکل پڑا ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو

یہ سُنکر دونو لڑکیاں جو غافل چل رہی تھیں چونک پڑیں:-

کرنی:- بھائی تُوں ساڈے نال آون والا کون ہیں۔ تیری بھی ہاں بھین ہین کہ نہیں۔ جو میرا پیو ویکھے تاں مار مار کے دُنبہ بنا دیوے"۔ (بھائی تو ہمارے ساتھ آنے والا کون ہے۔ تیری بھی ہاں بہن ہے کہ نہیں۔ ابھی جو میرا باپ دیکھے تو مار مار کر دُنبہ بنا دیوے"

پاربتی ایک عقلمند اور ذی شعور لڑکی تھی۔ وہ مشن کے زنانہ مدرسہ میں پانچویں جماعت تک پڑھ چکی تھی۔ اور اُس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ہمیشہ اردو اور ہندی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ شعر سے سمجھ گئی کہ یہ بھی کوئی ضرور میرے جیسا ستم رسیدہ ہے ✣

پلٹ کر دیکھا تو ایک جوان رعنا سامنے کھڑا ہے۔ سینہ فراخ کمر پتلی۔ بازو چوڑے قد موزوں۔ چہرہ گول۔ داڑھی ابھی نہیں آئی۔ مگر مونچھیں نوک دار۔ ستواں ناک آنکھیں بڑی بڑی۔ چہرہ پر شرافت اور نرمی ✣

کرپی کو منع کیا۔ بس بس گالیاں نہ دے۔ ضرور یہ بیچارہ میرے ہی جیسا ستم رسیدہ ہے ✣

پاربتی ایسی لڑکی نہ تھی کہ انسان سرسری طور سے اُس کی طرف نظر ڈالے۔ وہ تو حُسن کی پُتلی۔ اور خوبصورتی کی دیوی تھی۔ اُس کا قد موزوں تھا۔ ہاتھ پاؤں پتلے اور نازک تھے۔ سینہ اُبھرا ہُوا اور کمر پتلی تھی۔ چہرہ گول گول تھا۔ آنکھیں بڑی رسیلی اور موتی چور تھیں۔ ناک ستواں اور دہن چھوٹا سا تھا۔ لب پر قدرتی سرخی تھی۔ بھویں جٹی تھیں۔ گردن صراحی دار۔ اور رنگ سفیدہ و شباب تھا۔ پیشانی چمکتی تھی اور چہرہ پر شرافت برس رہی تھی۔ اُس کی شکل موہنی اور سندر تھی ✣

شام نرائن نے پاربتی کو اور پاربتی نے شام نرائن کو بڑی گہری نظر سے دیکھا اور آنکھوں نے کہ ترجمان دل ہوتی ہیں۔ بتادیا کہ اُن کے دل ایک دوسرے نے چھین لئے ہیں ✣

شام نرائن بھی کرپی کی بُری باتیں سن رہا تھا۔ مگر بڑے شوق سے پاربتی کو دیکھ رہا تھا ✣

پاربتی بھی کرپی کی باتوں پر مسکراتی تھی۔ اور پیار اور محبت کی نظر سے چُپکی چُپکی کنکھیوں سے شام نرائن کو دیکھ کر آنکھیں نیچے کر لیتی تھی۔ تقریباً ۸ منٹ تک یہ سماں رہا۔ اِس عرصہ میں کرپی اپنا کام بہت محنت سے کر رہی تھی۔ یعنی شام نرائن کو گالیاں دیئے جا رہی تھی۔ آخر پاربتی بولی:-

پاربتی: مے لالہ جی تسیں بُرا نہ منّنا۔ ایہ اک لالچی برہمن دی اہیات کُڑی اے“۔ (لالہ جی آپ نے بُرا نہ ماننا یہ ایک لالچی برہمن کی واہیات لڑکی ہے) ✣

شام نرائن :- "نہیں جناب - آپ کے سبب ہم پر گالیاں پڑیں - یہ دن کہاں نصیب"۔

پاربتی نے کرپی کو روکا - اور شام نے پاربتی کا اشارہ سمجھ جیب سے پانچ روپے نکال کرپی کے ہاتھ پر رکھے - کہ اور کچھ نہیں - اس ماہرو سے صرف دو باتیں کر لینے دے +

روپیہ وہ جادو ہے کہ جس کا علاج نہیں +

کرپی :- "میں روپیہ کیا کرونگی - مَیں روپیہ کیا کرونگی - کہکر چپ ہوگئی +

شام نرائن پاربتی کی شکل دیکھ کر محو تو ہوئی گیا تھا - باتیں سُنکر اور بھی لٹو ہو گیا آخر بولا :-

شام نرائن :- "(پاربتی کی طرف اشارہ کرکے) کیونکہ جناب آپ نے جو فرمایا کہ ننھے بھائی کو گود میں نہ کھلاؤں گی - یہ کیوں - چھوٹے بچہ کو تو ہر ایک پیار کرتا ہے - اور اپنا بھائی بہن کہاں نصیب ہوتا ہے"۔

پاربتی یہ سنکر شرما گئی - مگر کرپی سے کہنے لگی "نی توں لالہ جی نوں دسدے - (یعنی تو لالہ جی کو بتا دے) +

کرپی :- "لالہ جی ایہدا اپنا بھرا نہیں - جس دے نال ایہدا ناطہ ہون لگا ہے - او وہ چھ وریہاں دا ہے - اُس نوں کہندی اے" (لالہ جی اس کا اپنا بھائی نہیں ہے بلکہ جس کے ساتھ اس کا ناطہ ہونے لگا ہے وہ چھ برس کا ہے - اُسے کہتی ہے) +

شام نرائن :- "ہائے ہائے - یہ اُہر وبھی میری ہی طرح مصیبت میں گرفتار ہے"۔

پاربتی نے کرپی کو ٹھکا دیا کہ پوچھ آپ پر کیا مصیبت ہے :-

کرپی :- "لالہ جی تُسیں کیہڑی مصیبت وچ پھسے ہو" (لالہ جی تم ایسی کس مصیبت میں گرفتار ہو) +

شام نرائن :- "یہی مصیبت جو تمہارے ساتھ والی ماہرو پر ہے - میرے باپ نے ایک جگہ میرا ناطہ کیا ہے - گو وہ لوگ بڑے مالدار اور عزت والے ہیں - مگر ابھی چار سال کی ہے"۔

یہ سُنکر دونو لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور کرپی نے کہا کہ پھر تو تم کو ننھی سی لڑکی

کھلاتی پڑیگی اور شام نرائن شرمندہ سا ہو گیا +

پاربتی کے اشارہ سے کرپی نے پوچھا :-

کرپی :- "لالہ جی تساندا ناں کی ہے" - (لالہ جی تمہارا نام کیا ہے) +

شام نرائن :- "شام نرائن"

کرپی :- "تہاڈا گھر کتھے وے" ؟ (تمہارا گھر کہاں ہے) +

شام نرائن :- "دہلی ریل کے کنارے"

کرپی :- "ایتھے کی کم کردے ہو" ؟ (یہاں کیا کام کرتے ہو) +

شام نرائن :- "ڈاکٹری پڑھتا ہوں"

کرپی :- "کدوں ڈاکٹر بنو گے" ؟ (کب ڈاکٹر بنو گے) +

شام نرائن :- "اگر رام کی کرپا رہی تو تمہاری دعا سے آٹھ نو ماہ کے بعد۔"

کرپی :- "تساڈا پیو کی کم کردا ہے" (آپکا باپ کیا کام کرتا ہے) +

شام نرائن :- "تحصیلدار ہے"

کرپی :- "تسیں کون ہوندے ہو" ؟ (آپ کون ہوتے ہو) +

شام نرائن :- "ہندو کھتری"

کرپی :- "گوت کی ہے" ؟ (گوت کیا ہے) +

شام نرائن :- "سُرین"

شام نرائن جب کرپی کے سوالوں کا جواب دے چکا۔ تو اُس نے پاربتی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور جو سوال اس بندے سے کرنا ہے کر لیجئے۔ مگر براہ کرم اپنی زبان مبارک سے میرے بھی چند سوالوں کا جواب دیجئے :-

پاربتی نہایت شیریں اور مدھم آواز سے بولی :- "فرمائیے"

شام :- "آپ کی ذات کیا ہے"

کرپی :- "کھتری ہے"

شام :- "ہے ہے میں تمہاری نہیں پوچھا۔ ان ماہرو سے پوچھتا ہوں" ؟

پاربتی :- "ہاں جناب یہی ہے جو یہ کہتی ہے"

شام :- "بھگوان کے لئے مذاق تو نہ کرو"

پاربتی :- "نہیں جناب واقعی یہی ہے"

شام :- "گوت کیا ہے ؟"

پاربتی :- "ستھل"

شام :- "آپ کا مکان کہاں ہے ؟"

پاربتی :- "چونے منڈی"

شام :- "آپکے لال (یعنی باپ) کیا کرتا ہے"

کرپی :- "مہاجن ہے۔ لکھ پتی آدمی ہے"

شام :- "بھگوان زیادہ کرے تم پھر ہنسی کرتی ہو"

پاربتی :- "نہیں جناب سچ کہتی ہے"

جب یہ باتیں ختم ہوئیں تو یہ دو نو خیالات میں غرق ہو گئے۔ پاربتی کہتی تھی۔ کہ اگر میرا خاوند شام ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اور شام کہتا تھا کہ اگر پاربتی سے میرا ناطہ ہوتا تو بہشت دنیا میں مجھ کو ملجاتی۔ شام نے پاربتی کے مکان کا پتہ بخوبی دریافت کرلیا اور پاربتی کے اشارہ سے کرپی نے شام کا ٹھکانا دریافت کرلیا۔ اُس نے اپنے نوکر کا نام بتایا کہ جب بلائیں وہ حاضر ہو سکتا ہے۔ سادھو رام سُنار سے جو شاہ عالمی دروازہ پرائے گنیا لال کے مکان کے نزدیک بیٹھتا ہے میرا پتہ مل جائیگا +

ساڑھے پانچ بجنے کے قریب ہیں۔ دنیا میں اُجالا پھیل گیا ہے سینکڑوں ہندو دھوتیاں باندھے لٹیاں ہاتھ میں لئے دریائے راوی کو چلے جاتے ہیں۔ شام و پاربتی حضوری باغ میں کھڑے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ آخر کرپی نے کہا :-

کرپی :- "لالہ جی پرکاش ہو گیا ہے جے کوئی دیکھ لے گا تے پاربتی بدنام ہو جاویگی"

(لالہ جی اب اُجالا ہو گیا ہے۔ اگر کوئی دیکھ لے گا۔ تو پاربتی بدنام ہو جاویگی) +

شام :- "بھگوان نہ کرے۔ یہ کیوں بدنام ہونگی۔ لو میں جاتا ہوں"

پاربتی شام کی طرف خوب توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ چلتے وقت شام نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ یہ اِس بات کا اشارہ تھا کہ پاربتی کیلئے وہ جان دینے کو موجود ہے پاربتی اُسکے اشارہ کو بخوبی سمجھی۔ مگر شرم سے آنکھیں نیچے کرلیں۔ آخر شام نے کہا :-

شام :- "اچھا یہ فرماؤ اب کب ملوگی ؟"

پاربتی: "کل"
شام: "کس جگہ؟"
پاربتی: "اسی جگہ" اور اشارہ کیا کہ اِن درختوں کے پیچھے ٭
شام یہ دل کو خوش کرنے والا جواب سُن کر رنجیت سنگھ کی سمادھی کی طرف چلا اور پاربتی اور کرپی راوی کی طرف روانہ ہوئیں ٭

صلاح

پاربتی جب شام سے علیحدہ ہوئی تو بہت دیر تک چُپکی چلی گئی۔ اُس کا قدم سُست پڑتا تھا۔ اور وہ ایسی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے بیماری سے اُٹھی ہے۔ یا جادو منتر سے چوٹ کھائی ہوئی ہے۔ واقعی عشق کا جادو سب جادوؤں سے زیادہ ہے۔ عاشق معشوق کی نظروں میں غضب کا مسمریزم ہوتا ہے عشق سے زیادہ بیماری کیا ہو سکتی ہے ٭

کرپی بڑی ہوشیار تھی۔ اُس کی عمر پاربتی سے پانچ برس زیادہ تھی۔ اُس کی شادی ہو چکی تھی۔ اور دنیا کے مزوں سے خوب واقف تھی۔ فوراً سمجھ گئی کہ پاربتی کا دل شکار ہو گیا ہے۔ اور اُس کا دل ٹٹولنے کیلئے کہنے لگی:۔

کرپی: "شام کیا ڈاڈھا سوہنا جوان اے"۔ (شام ہے تو بڑا خوبصورت جوان) ٭
پاربتی: "پھر تینوں کی۔ دل آگیا ہوسی" (پھر تجھے کیا دل آگیا ہوگا) ٭
کرپی: "نہ بھین سب کجھ تینوں۔ تیرا دل آیا ہے۔ میرا کیوں آوے۔ میرے تے اوہ بھائی ورگا ہے" (نہ بہن سب کچھ تجھی کو۔ تیرا ہی دل آیا ہے۔ میرا کیوں آنے لگا تھا۔ میرا تو وہ بھائی برابر ہے) ٭
پاربتی: "ہلا بس نخرے نہ کر" (اچھا بہت نخرے نہ کر) ٭
کرپی:۔ "سچ دس تینوں اپنے لالے دی سونھ۔ شام نوں کیا جاندی ہیں" (پاربتی سچ کہہ تجھے اپنے باپ کی قسم شام کو تو کیا سمجھتی ہے) ٭
پاربتی: "چل چل پراں ہٹ آدمی جانی ہاں۔ کوئی بھُت تے نہیں" (چل چل دور ہٹ

آدمی سمجھتی ہوں۔ کوئی بھوت تو نہیں سمجھتی)٭

پاربتی تو غضب کی ہوشیار لڑکی تھی۔ وہ کرپی کو اپنا بھید دینے والی نہ تھی۔ مگر اُس نے سوچا کہ کرپی کے چھپانے سے بھید جلد معلوم ہو جائیگا۔ بہتر ہے کرپی کو ہی بیچ کی شاطہ بناؤ۔ اور اُسی کے ذریعے سے نباہو٭

پاربتی:۔ "کرپیئے تو شام نوں گالاں کاہنوں کڈھ دی سیں"۔ (تو نے شام کو گالیاں کس واسطے دی تھیں)٭

کرپی:۔ "کیوں تینوں کیوں بُرا معلوم ہویا"۔ (کیوں تجھے کیوں بُرا لگا)٭

پاربتی:۔ "ہے ہے نی کرپیئے تیرا دل سخت پتھر ورگا ہیگا۔ اڑیئے تیرے من وچ اینی محبت نہیں جتنی مانھ تے چٹیائی"۔ (اے ہے کرپی تیرا دل بہت سخت ہے جیسے پتھر۔ اری تیرے من میں تو اتنی محبت نہیں۔ جیسے اُرد پر سفیدی ہوتی ہے)٭

کرپی:۔ "مینوں کی کھبر سی کہ تیرا دل اُس تے آگیا ہے تاں میں کجھ نہ کہندی"۔ (مجھے کیا خبر تھی کہ تیرا دل اس پر آگیا ہے۔ ورنہ میں کچھ نہ کہتی)٭

پاربتی:۔ "نہ کہندی نہ کہندی پنج روپے کتھوں لیندی"۔ (نہ کہتی نہ کہتی تو پانچ روپیہ کہاں سے لیتی)٭

کرپی:۔ "نہ بھیناں مینوں روپے نہیں لوڑیدے۔ لے اپنے عاشق دے روپیہ توں ہی سانبھ"۔ (نہیں بہن مجھے روپیہ نہیں چاہئیں۔ لے اپنے عاشق کے روپیہ تو ہی لے لے)٭

پاربتی:۔ "بس بس کرپیئے منہ سنبھال کے بول عاشق ہوئے تیرا"۔ (بس بس کرپی منہ سنبھال کر بول عاشق ہوگا تیرا)

کرپی:۔ "میرا عاشق۔ ہلا ویکھ کل اپنے پیو نوں آکھ کے موئے نوں کنیاں جُتیاں لوانی آں"۔ (میرا۔ میرا عاشق۔ اچھا دیکھ اپنے باپ کو کہکر کل موئے کو کس قدر جوتیاں لگواتی ہوں)٭

پاربتی یہ سُن کر کانپ اُٹھی کہ واقعی کرپی ایک بیوقوف سی لڑکی ہے۔ اگر اُس نے جے ام مصر سے کہدیا تو بڑی خرابی ہوگی۔ میری بدنامی ہوگی اور شام آزردہ ہوگا میرا پول تو بیشک شام کا ہے٭

اُس نے کرپی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اور کہا:-

پاربتی :- "پیاری کرپئے توں مینوں خفا ہو گئی ایں۔ میں تاں ہس دی ہاں۔ روپے
ہیں کی کرنے نے۔ ایہ میری سونے دی آرسی بھی تنوں پا۔ نی تینوں شام تے ترس نہیں
آوندا۔ ہے ہے نی تینوں اس دی سوہنی صورت چنگی نہیں معلوم ہوندی؟"
(پیاری کرپی تو مجھ سے خفا ہو گئی۔ میں تو ہنستی تھی۔ روپیہ مجھے کیا کرنے ہیں۔ لے
میری سونے کی آرسی تو پہن۔ اری تجھ کو شام پر ترس نہیں آتا۔ ہائے اری تجھ کو اُس
کی بھولی صورت خوبصورت نہیں معلوم ہوتی) +

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ روپیہ کا جادو ایسا زبردست ہے کہ اُس سے بچنا بہت مشکل
ہے۔ کرپی کے ہاتھ میں دو تولہ سونا پہنچ گیا۔ اُس وقت تو وہ ہر ایک کام کرنے پر تیار تھی۔
ایسی نرم ہو گئی جیسے موم +

کرپی :- "نہ بھیناں۔ تیری آرسی تینوں مبارک۔ میں نہیں لیندی۔ سچ تو ایہ وے کہ
شام دی صورت آدمیاں وانگ نہیں۔ اوہ تے کوئی پریزاد ہے۔ مینوں تاں بیشک
اُس تے پیار آوندا ہے۔ پر توں سچ کہندی ہیں کہ اوہ تیرا عاشق نہیں۔" (نہ بہن
تیری آرسی تجھے مبارک ہو۔ میں نہ لوں گی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ شام کی صورت
آدمیوں جیسی نہیں۔ وہ تو کوئی پریزاد ہے۔ مجھے تو بیشک اُس پر پیار آتا ہے۔ مگر تو
سچ کہتی ہے کہ وہ تیرا عاشق نہیں) +

پاربتی :- "بس نی بس۔ میں تیرے مُنہ تھیں اکھوانا چاہوندی ساں ہاں نی ہاں اوہ
پریزاد ہے۔ ناں ناں اوہ میرا عاشق نہیں میں اُس تے عاشق ہاں۔" (بس بس کرپی
میں تیرے مُنہ سے یہی کہلوانا چاہتی تھی۔ ہاں ری ہاں وہ پریزاد ہے نہیں وہ میرا عاشق
نہیں بلکہ میں اُس پر عاشق ہوں) +

کرپی :- "اے نی اوہدا ناؤں بھی ڈاڈھا پیارا ہے۔" (اری اُس کا نام بھی بڑا
پیارا ہے) +

پاربتی :- "کی ناؤں اے" (کیا نام ہے) ؟

کرپی :- "شام نرائن"

پاربتی :- "شام او نی شام" (شام آہا شام) -

کرپی :۔ "تحصیلدار دا پتر"۔ (تحصیلدار کا بیٹا) +

پاربتی :۔ "تحصیلدار۔ تحصیلدار تو بڑی عزت والا عہدہ وے۔ اوہ آپ بھی ڈاکدار ہون والا ہے"۔ (تحصیلدار۔ تحصیلدار تو بڑی عزت والا عہدہ ہے۔ اور وہ خود بھی ڈاکٹر بننے والا ہے۔ +

کرپی :۔ "ذات دا بھی کھتری اے"۔ (ذات کا بھی کھتری ہے) +

پاربتی :۔ "ہاں نی کھتری۔ تے کھتری بھی اول درجے دا"۔ (ہاں ری کھتری۔ اور کھتری بھی اول درجہ کا سرین) +

کرپی :۔ "پاربتئے۔ بیشک شام نرائن تیرے لائق داوے۔ جے میرا وس چلے نے میں تیرے لالے نوں آکھاں کہ تیرا ویاہ شام دے نال کروے"۔ (پاربتی بے شک شام نرائن تیرے لائق ہے۔ اگر میرا بس چلے تو میں تیرے باپ سے کہدوں کہ اس کی شادی شام سے کردو) +

پاربتی :۔ نی کرپئے میری سوہنی کرپئے۔ رب دے واسطے توں بھی کجھ اہیو جہا بندوبست کر میں شام بناں کیویں جیواں گی"۔ (اچھی کرپی میری پیاری کرپی۔ بھگوان کیلئے اب بھی کچھ ایسا ہی بندوبست کر۔ میں تو شام کے بغیر ہرگز نہ جیوں گی) +

کرپی :۔ "پاربتئے توں کی گلاں کرنی ایں۔ تیرا پیو کیویں من لوے گا۔ تے نالے شام دے پیو نوں کون راجی کریگا۔ جے انہاں گلاں وچہ تیرے عشق دا کجھ حال معلوم ہوگیا تاں میری نک وڈھی جاوے گی۔ میں تیری صورت ویکھن نوں بھی ترس دی رہواں گی"۔ (پاربتی۔ تو کیسی باتیں کرتی ہے۔ تیرا باپ کیوں ماننے لگا ہے۔ اور ساتھ ہی شام کے باپ کو کون راضی کرے گا۔ اگر ان باتوں میں تمہارے عشق کا کچھ حال معلوم ہوگیا۔ تو میری ناک چوٹی کٹی جاوے گی۔ پھر تیری شکل بھی دیکھ سکوں گی) +

پاربتی :۔ "ویکھئے کل نوں شام پھر ملسی یا نہ۔ ایہ نا ہووے کہ اوہ لاپرواہ جہیا بندہ ہے، وے"۔ (دیکھیں کل کو شام پھر ملے گا یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ بے پرواہ سا آدمی ہے) +

کرپی :۔ نہ پاربتی شام ملنسار بندہ معلوم ہوندا ہے۔ اوہ کل ویکھ لئیں تیرے کہے نوں

گھنٹہ بھر پہلوں آسی۔ تے ضرور ہی آسی" (نہیں پاربتی شام بڑا محبت والا آدمی معلوم ہوتا ہے دیکھ لینا وہ کل تجھ سے گھنٹہ بھر پہلے ہی آئے گا۔ اور ضرور ہی آئیگا)۔

پاربتی:- "جے کل میں شیام دِسیا تاں میں اپنی جان گوا دیوانگی۔ اے نی کرپیئے جے اوہ نہ آیا۔ تاں توں اُس دا پتہ لگا سکیں گی" (اگر کل شام مجھے نہ دکھائی دیا۔ تو میں اپنی جان کھو دونگی۔ کیوں کرپی۔ اگر وہ نہ آیا تو تو اُس کا پتہ لگا دے گی)۔

کرپی:- "نی نینوں کی ہو گیا وے۔ شام آسی جرور آسی۔ جے نہ آیا۔ تدیں تاں توں پتہ لگاواں گی" (پاربتی تجھے کیا ہو گیا ہے۔ شام آئیگا اور ضرور آئے گا اگر نہ آیا تو میں پتال سے پتہ لگاؤں گی)۔

پاربتی نے کرپی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اُسے بہت پیار کیا اور کہا کہ بس میرا بھید تیرے سوا اور کسی کو معلوم نہ ہو۔ بس اب میں تو شام کی ہوں شام کی! اگر وہ نہ قبولے گا۔ تو جان پر کھیل جاؤنگی۔ مگر چھوٹے[1] ننھے کو گود میں نہ کھلاؤنگی۔

کرپی نے پاربتی کو بہت کچھ تسلی دی کہ واقعی شام ایسا ہی ہے۔ وہ بھی ننھی کو گود میں کھلانا پسند نہ کریگا۔ اور تو اُس کی اور وہ تیرا۔

پاربتی:- "کرپیئے۔ تینوں شام دا پتہ یاد ہے" (کرپی تجھے شام کا پتہ یاد ہے)؟

کرپی:- "کیوں نہ! ایہو اوہی دسیا سا سونہ۔ کہ ساد صورام سُنیارا جو رلے گنہیا لعل دے گھر دے کول ہندا وے۔ اُس تھیں پتہ لگ جائیگا" (کیوں نہیں یہی بتایا تھا نہ کہ ساد صورام سُنار سے جو رلے گنہیا لعل کے مکان کے پاس بیٹھتا ہے پتہ لگ جائیگا)۔

پاربتی:- "ہاں نی ہاں۔ ایہو ئی" (ہاں ہاں یہی)۔

کرپی:- "ایس سُنیارے نوں تاں میں چنگی طرح جانی آں" (اس سُنار کو تو میں خوب جانتی ہوں)۔

پاربتی:- "شام نے اپنے نوکر دا کی ناؤں دسیا سی" (شام نے اپنے نوکر کا کیا

---

[1] چھوٹے ننھے سے مراد اُس کے خاوند کی ہے جس سے پاربتی کے والدین منگنی کرنا چاہتے تھے۔

نام بتایا تھا؟)
کرپی :۔ "کچھ ایہو جیہا ہی سی۔ ایں ویں آکھیا سی" (کچھ ایسا ہی ساتھا۔ اسے یہ کیا تھا)۔
پاربتی :۔ "بس بھُل گیوں ناں۔ نی کسی مہینے تے ہے" (بس بھول گئی نہ اری کسی مہینہ پر ہے)۔
کرپی :۔ "ہاں نی ہاں۔ ہُن یاد آگیا۔ چیت رام" (ہاں ہاں اب یاد آیا چیت رام)۔
پاربتی اس نام کے یاد آنے پر بہت خوش ہوئی۔ یہ حسین لڑکیاں باتیں کرتی ہوئیں دریائے راوی پر پہنچیں وہاں سے جب فارغ ہوئیں۔ تو اس محلہ کی چند اور لڑکیاں اُن کے ساتھ ہو گئیں اس واسطے واپسی کے وقت وہ کچھ باتیں نہ کرسکیں۔ آخر جب گھر پر پہنچیں۔ تو پاربتی نے کرپی سے کہا۔ کل ذرا سویرے آئیو۔ اور ہاتھ جوڑ کے پرمیشر کے لئے کسی سے ذکر نہ کیجیو۔ خواہ کوئی تیرا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو۔

ایک اور ملاقات

شام نرائن ان لڑکیوں کو اللہ حافظ کہہ کے سہ دری کی طرف چلا گیا۔ اور کچھ دیر سہ دری میں بیٹھا رہا۔
وہ دل میں بار بار خیال کرتا تھا۔ کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں چنانچہ اُس نے کئی دفعہ اِدھر اُدھر ہاتھ مارے۔ کہ میرا پلنگ کدھر ہے۔
کئی مرتبہ وہ دوستوں کے نام لے کر چلایا۔ اپنے نوکر کو کئی آوازیں دیں۔ آخر جب کہیں سے جواب نہ آیا تو اُس کو یقین ہوا۔ کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے خواب نہیں ہے۔ بلکہ واقعی ہے۔
جب اُس کو یہ یقین ہو گیا تب اُس نے پاہر وہ پاربتی کے ساتھ راوی تک جانا چاہا۔ مگر دل میں سوچا کہ عشق و مشک چھپا نہیں رہتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق

کے دل میں قرار نہیں ہوتا۔ وہ بالکل بے صبر ہو جاتا ہے! اور اپنے تئیں اور اپنے محبوب دونوں کو خلائق میں بدنام کرتا ہے۔ نہیں میں اپنے دل پر صبر کروں گا۔ اور پیاری پاربتی پر ذرا بات نہ آنے دونگا۔ بس اُس نے اپنا دل مستحکم کر کے گھر کا راستہ لیا۔ یار لوگ انوار منا رہے تھے۔ یعنی اب تک پڑے سوتے تھے۔ اور جو جاگے تھے وہ پھر سو گئے تھے۔

شام نرائن کو یہ موقع اچھا ہاتھ لگا۔ وہ چپ کے اپنے پلنگ پر لیٹ رہا۔ تھوڑی دیر میں رامجی داس اُٹھا اُس نے کہا:-

رامجی داس:۔ "آہا۔ ہم نے آج ایک چور پکڑا ہے۔"

یار لوگ جو پلنگوں پر پڑے بادِ صبا کے جھونکے لے رہے تھے۔ چونک پڑے اور بولے:-

"اُبے کدھر ہے؟"

رامجی داس (شام نرائن کی طرف اشارہ کر کے) "یہ ہے سُو رہا۔"

یار:۔ "یہ تو شام نرائن ہے۔ یار آج تو ٹھنڈی ہَوا کے مزے لینے دے۔ کیوں اسی بہانہ سے اُٹھاتا ہے۔"

رامجی داس:۔ "یارو میں ہنستا نہیں۔ شام تو بڑا چور ہے بڑا۔"

شام (آنکھیں بند کر کے):۔ "اوں ہوں۔ سونے دو۔"

یار:۔ "کیوں۔ کیوں۔ شام بڑا چور کیوں ہے؟"

رامجی داس:۔ "رات کو میری آنکھ کھلی۔ گھڑی دیکھی۔ چار بجے تھے۔ میں اُٹھا۔ دیکھا شام پلنگ پر نہیں ہے۔ لیٹ رہا۔ اور خیال کیا کہ کہیں حاجت ضروری کے واسطے گیا ہوگا۔ ایک گھنٹہ گذر گیا حضرت دکھائی نہیں دئے تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا اُٹھ کر سب طرف دیکھا کہیں پتہ نہ لگا۔ زینہ کا دروازہ دیکھا کھلا پڑا تھا۔ پوچھو تو حضرت آدھی رات اُٹھ کر کہاں گئے تھے؟"

ایک:۔ "آہا۔ یاروں کے سامنے ہنو بلائی بنتے ہیں۔ راتوں کو اُٹھ کر دیواریں پھاندتے ہیں۔"

دوسرا:۔ "ہاں جی ہاں! اب ان کی حقیقت معلوم ہے۔ رات کو اسی سوچ

میں پڑے تھے "

تیسرا :- اخاگل جو کالج سے شام کو آپ آئے شائد کہیں یہی ٹپس لڑا رہے تھے "

شام نرائن یاروں کی باتیں بڑی سنجیدگی سے سُن رہا تھا۔ اُس کا دل جب خطوں کا مضمون یاد کرتا تو مرجھا جاتا۔ مگر پاربتی کی ملاقات سے جو شگفتگی اُسے حاصل ہوئی تھی۔ چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ ایسی بے پایاں خوشی تھی کہ جس کی انتہا ہی نہ تھی +

ناظرین! اگر تمہارے دل پتھر کی چٹانوں کی مانند سخت ہیں۔ اگر تمہاری طبیعت بیابانی ریتلے میدانوں کی طرح صاف ہے۔ تو تم اُس خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے اگر اللہ نے تم کو ایک ذرہ بھر بھی محبت دی ہے۔ الفت کا بیج تمہاری طبیعتوں میں بویا ہے۔ تو تم ہمارے ہیرو شام کی خوشی کا بخوبی اندازہ کر لو گے۔ تم خود جانتے ہو کہ عاشق مزاج آدمیوں کو طرح دار، موافق مزاج معشوق کے ملنے پر کس قدر خوشی ہوتی ہے +

ہم بتا چکے ہیں کہ شام بڑے ظرف کا آدمی تھا۔ اُس نے اپنی خوشی اور دلی ولولے کو چھپایا اور یاروں سے کہا کہ :-

"رات کو نیند بالکل نہیں آئی۔ سر میں درد بھی ہونے لگا۔ مگر غم چھاتی پر سوار رہا۔ آخر صبح چار بجے ہوا خوری کو گیا چیف کورٹ تک پھر آیا۔ اس وقت ذرا طبیعت بحال ہے۔ یارو بھگوان کے لئے ذرا سونے دو "

شام نے ایسی سنجیدہ شکل بنائی کہ دوستوں کو یقین ہو گیا۔ سب چپ چاپ ہو رہے۔ تمام دن شام جہاں تک ممکن تھا۔ دوستوں سے الگ رہا تاکہ اُس کا بھید نہ کھلے +

رات کو بھی وہ سب سے روٹھا روٹھا رہا۔ اور سویرے سے کھانا کھا کر سو گیا۔ ہر چند دوستوں نے اُسے کہا کہ کل کالج کے واسطے کچھ کام کر لو مگر اُس نے جواب نہ دیا +

درحقیقت شام سے نیند کوسوں پرے تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے پاربتی

کل بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اور اگر نہ ملی تو کیا کرے گا۔ اس کا پتہ کس طرح لگائیگا۔
اُس کا دل گواہی دیتا تھا کہ پاربتی ضرور ملے گی۔ پھر سوچتا تھا کہ کیا تدبیر ہو سکتی
ہے کہ پاربتی اُس کی پیاری زوجہ ہو۔
کوئی عمدہ صورت ممکن نہ تھی۔ کیونکہ دونوں کے والدین جو کرنا چاہتے تھے۔
سوچ سمجھ کر کر چکے تھے آخر اُس نے ایک تدبیر سوچی مگر اُس کے پورا کرنے کے لئے
یہ ضرور تھا۔ کہ وہ اپنا آخری امتحان پاس کر لے۔ اور اُسے کوئی سرکاری جگہ
ملجائے۔

جب یہ تجویز اُس نے پختہ کر لی تو اُسے اطمینان سا ہو گیا۔ اور دفعتاً اُس کی آنکھ
لگ گئی۔ وہ چار پانچ گھنٹے خوب نیند بھر کر سویا۔ آخر اُسے خواب میں دکھائی
دیا کہ حضوری باغ میں درختوں کے پیچھے پاربتی اُس کا انتظار کر رہی ہے۔
اور گھڑی گھڑی یہ کہتی ہے کہ ع

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی

آخر صبح ہو گئی ہے اور وہ ایک انار کے درخت سے یہ کہتی ہے:-
اے انار کے درخت ایک بات میں تو مجھ سے ملتا ہے۔ میرا رفیق ہے میرا
ہمجنس ہے رفاقت کا فرض اتنا تو ادا کر یو۔ کہ جب میرا پیارا شام ادھر آئے۔ تو اُسے کہہ دیجیو
کہ تیری چہری پاربتی تیرا راستہ دیکھتی دیکھتی رو دی چلی گئی۔ اے بے مروت کل تو ملیو۔
اس خواب نے شام کے دل پر عجیب اثر پیدا کیا۔ وہ جھٹ پٹ اُٹھ بیٹھا۔ جلدی
سے لمپ روشن کیا۔ گھڑی کو دیکھا تین بجے تھے۔ اُس نے کپڑے پہنے۔
لکڑی ہاتھ میں اور دروازہ کھول گھر سے باہر نکل گیا۔ اور پاؤ گھنٹے میں حضوری باغ
پہنچا۔ درختوں کے پیچھے جا کر دیکھا وہاں گیا تھا۔ دل میں کہا نازک اندام پاربتی
تم ایسے سویرے کیوں اُٹھنے لگی ہو۔ کبھی بیٹھتا تھا کبھی اُٹھتا۔ کبھی ٹہلتا تھا
ایک ایک ثانیہ اُس کے لئے ایک ایک پہر ہو رہا تھا۔ اور یہ شعر اُس کی زبان
پر جاری تھا

یا درد دل کا دور رہو۔ یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے۔ الٰہی شتاب ہو

کبھی پتہ کھڑکنے سے اُس کے کان کھڑے ہو جاتے کہ پاربتی کی آہٹ ہے دور سے ایک جگہ ایسا معلوم ہوا کہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ وہ خوشی خوشی ان کے پاس گیا دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا کیسی ہنسی کی ہے۔ ہم کو یہاں کہا اور آپ وہاں جا کر کھڑی ہوئی ہیں۔ پاس جا کر دیکھا تو دو چھوٹے چھوٹے درخت ہیں +

تقریباً آدھا گھنٹہ ہمارا دوست شام اس پریشانی میں مبتلا رہا۔ آخر اُسے کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی۔ اور دو آدمی اپنی طرف آتے دیکھے۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا۔ مگر وہ ایسا دنگ ہو گیا تھا کہ اب بھی سمجھ رہا تھا۔ کہ وہ درخت ہیں اور یہ جو چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صرف دل کا وہم ہے +

تھوڑی دیر میں ایک عورت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اور بولی:-

”لالہ جی تسیں ایتھے موجود ہو“۔ (آہا لالہ جی تم یہاں موجود ہو)

شام:- ”کون ہے؟“

عورت:- ”میں ہوں کرپی“

کرپی:- ”نی پاربتی تیرا شام کھلوتا ہویا اے“۔ (اری پاربتی تیرا شام کھڑا ہوا ہے)۔

پاربتی کو امید نہ تھی کہ شام صبح کو آئیگا۔ اس واسطے کرپی کو درختوں کے پیچھے دیکھنے کو بھیجا اور آپ رستہ پر کھڑی رہی +

پاربتی کرپی کی آواز سُن کر آئی۔ اور شام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ کرپی ایسی باتوں میں خود بھی بہت ہوشیار تھی۔ دوسرے ان دونوں کا مشورہ بھی ہو گیا تھا۔ کرپی کچھ بہانہ کر کے اس موقع سے ٹل گئی۔ اور اب شام اور پاربتی اکیلے رہ گئے:-

شام:- ”کیوں حضور آپکے مزاج خوش ہیں“

پاربتی:- ”چپ“ (خاموش)

شام:- ”فرمائیے نا کیا قصور ہوا۔ جو آپ منہ سے نہیں بولتیں؟“

پاربتی:- ”بالکل خاموش“

شام:- ”بھگوان کے واسطے اگر کوئی قصور ہوا ہے۔ تو معاف کرو۔ میں تمہارا تابعدار غلام ہوں“

پاربتی:- ”جواب ندارد“

شام :۔ "ہے رام آج خیر تو ہے۔ پیاری پاربتی آج کیوں خفا ہیں۔ میری جان کچھ منہ سے تو بولو؟"

پاربتی نیچے گردن کرکے چپکی کھڑی رہی جب شام خوشامد کرتے کرتے تھک گیا تو اُس نے پاربتی کا بازو پکڑا اور اُس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر گردن اونچی کی۔ درحقیقت پاربتی کا منشا بھی یہی تھا۔ وہ فوراً شام کی چھاتی سے چمٹ گئی اور خوب ہنسی۔

شام :۔ "رام جانے تم نے مجھے ڈرا دیا"

پاربتی :۔ "آہا تسیں ڈر گئے۔ مَیں بھی تو ہانوں آزمانا چاہوندی سیاں" (آہا تم ڈر گئے میں بھی تم کو آزمانا چاہتی تھی)

شام :۔ "بھگوان کے لئے ایسی آزمائش نہ کیا کرو۔ پیاری اس آزمائش میں پورا نہیں ہوں"

پاربتی :۔ "کیوں"

شام :۔ "میرے دل میں اس وقت خبر نہیں کیا کیا باتیں آ رہی تھیں"

پاربتی :۔ "مینوں بھی تے دسو" (مجھے بھی تو سُناؤ)۔

شام :۔ "بس پیاری اب کیا سناؤں۔ وہ وقت گیا"

پاربتی :۔ "نہ نہ۔ شامی جی دسو؟" (نہیں نہیں اچھے شامی جی بتاؤ بھی)

شام :۔ "میں کبھی خیال کرتا۔ شائد پیاری پاربتی کچھ بیمار ہیں کبھی کہتا تھا کہیں کوئی اور نہ ہو"

کبھی کہتا کسی نے اُن کے گھر خبر کر دی اس واسطے چُپ ہیں کبھی سمجھتا شائد پاربتی مجھ سے محبت نہیں کرتیں"

پاربتی :۔ "محبت محبت کہنی محبت پیارے شامی۔ پاربتی تو ہاڈی چیری ہے" (محبت محبت کیسی محبت۔ پیارے شامی۔ پاربتی تمہاری چیری ہے)

شام :۔ "تم میری جان ہو۔ میرا ایمان ہو۔ آؤ گلے سے تو لگ جاؤ"

اس وقت عاشق و معشوق نہایت پاک محبت سے گلے ملے۔ اس وقت شام نے کہا :۔

شام :۔ "جانی پاربتی - تم میرے جیسے ناکارہ آدمی کو خدمت میں قبول کرو"۔
پاربتی :۔ "شامی جی - میں اک بیوقوف جیہی کڑی توہاڈی خدمت دے لائق نہیں ہاں"
(شامی جی - میں ایک بے وقوف سی لڑکی تمہاری خدمت کے قابل نہیں ہوں)۔
شام :۔ "پیاری تم بڑی ہوشیار نہایت عقلمند ہو مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کرو
اور اپنے غنچہ دہن سے کہدو - کہ میری پیاری بنوگی؟ کیوں پیاری بنوگی - کیا -
نہیں؟"
پاربتی :۔ "میں اجیہی لائق کتھوں کہ توہاڈی بیوی بننے دا فخر حاصل کراں - پر جے تسیں
قبول کردے تاں لونڈی - مہری - ٹہلن بنن نوں حاضر ہاں"۔ (میں اس لائق تو نہیں - کہ
آپ کی بیوی بننے کا فخر حاصل کروں - مگر ہاں اگر تم خدمت میں قبول کرو - تو لونڈی
مہری - ٹہلن بننے کو حاضر ہوں)
شام :۔ "میری جان تم میرا سرہو - سر کے تاج ہو"۔
یہ کہا اور پاربتی کا منہ چوم لیا - اور ساتھ ہی پاربتی نے اُس کا بوسہ لیا - گویا یہ
بوسے اُن کی منگنی کی مٹھائی تھی - جو دولہا دلہن نے خود ہی کھائی۔
پاربتی :۔ "پیارے شامی - مینوں اُمید نہیں سی جو تسیں باغ وچہ ملوگے"۔ (پیارے شامی
مجھے اُمید نہ تھی - کہ تم باغ میں ملوگے)
شام :۔ "کیوں؟ کیا تمہیں کل میری محبت کا یقین نہ ہوا تھا - ہائے تمہارا دل بہت
سخت ہے"۔
پاربتی :۔ "نا - نا صاحب - یقین کیوں نہیں - اے خیال سی کہ تسیں بڑے آدمی ہو جاگ
کھلے یا نہ کھلے"۔ (نہیں صاحب نہیں یقین کیوں نہیں تھا - لیکن یہ خیال تھا - کہ تم
بڑے آدمی ہو شائد آنکھ کھلے یا نہ کھلے)
شام :۔ "پاربتی پیاری - کیوں غریبوں پر ہنستی ہو! اچھا حضور اگر آپ بڑے ہیں تو ہم بھی
بڑے ہی سہی - بڑے آدمیوں کے اندر بھی بڑے ہوتے ہیں! اور آنکھ کھلنے کا تو ایک
عجیب معاملہ ہوا ہے"۔
پاربتی :۔ "اوہ کی - کچھ سناؤ تو پیارے"؟ (وہ کیا - کچھ سناؤ نا - پیارے شامی)
شام :۔ "کل سارا دن اور ساری رات تمہارے خیال میں غرق - قریب آدھی رات

کے میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ باغ میں تم کھڑی میرا انتظار دیکھتی ہو۔ آخر صبح ہو گئی۔ تو تم نے انار کے درخت سے کہا ہے:۔

اُے انار کے درخت۔ تو میرا ہم جنس ہے۔ ہم شکل ہے۔ اتنا میرا کام کرنا کہ جب شام یہاں آوے تو اُسے کہہ سجیو کہ پاربتی بہت دیر تیری باٹ دیکھ کر چلی گئی۔ بے مرّوت کل تو ملیو۔"

فوراً میری آنکھ کھُلی۔ گھڑی دیکھی تین بجے تھے۔ اُسی وقت سیدھا اِدھر آگیا +

پاربتی:۔ "شامی جی تسیں یقین نہ کرو گے۔ بالکل اِہو جیہا سپنا مَیں بھی ڈِٹھا سی۔"

(شامی جی تم یقین نہ کرو گے۔ بالکل ایسا ہی خواب مجھے بھی آیا تھا)

شام:۔ "کیوں نہیں۔ پیاری کہو نا۔ تم نے کیا دیکھا؟"

پاربتی:۔ "کل سارا دن تساڈا کھیال رہیا۔ پر زنانی ذات واسطے مُشکل ہے۔ سارا دن ٹالدی رہی۔ اور سنبھناں کولوں الگ رہی۔ پر رات نوں کس دا خوف سی۔ تسیں میرے چت وچ رہے۔ تسیں میریاں اکھیں وچ رہے۔ تہاڈے درشناں وچ ڈبی رہی۔ جو اکھ لگ گئی۔ کی ویکھدی ہاں کہ تسیں حضوری باگ دے کونے کونے وچ مینوں ٹولدے ہو۔ اور جد سویر ہو گئی تے پیارے سچ مچ اس سرو نوں تسیں کہہ رہے ہو کہ جدوں پاربتی آوے تے آکھ دئیں کہ شام تینوں اُڈیک اُڈیک کے ٹر گئے۔ البیلی کل تو ملنا۔" (کل سارے دن تمہارا خیال رہا۔ مگر عورت ذات کو مشکل ہے۔ تمام دن ٹالتی رہی۔ اور سب سے علیحدہ رہی مگر رات کو کس کا خوف تھا۔ تم ہی میرے من میں تھے۔ اور تم ہی میری آنکھوں میں تمہارے درشنوں میں غرق تھی۔ کہ میری آنکھ لگ گئی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ تم حضوری باغ کے کونے کونے میں مجھے تلاش کر رہے ہو۔ اور جب صبح ہو گئی ہے تو پیارے سچ مچ (اشارہ کر کے) اس سرو سے تم کہہ رہے ہو۔ کہ جب پاربتی آوے تو کہہ سجیو کہ شام تیرا راستہ دیکھتے دیکھتے چلے گئے ہیں۔ البیلی۔ کل تو ملنا) +

شام:۔ "ہائے البیلی صبح ہونے کو ہے۔ آؤ گلے سے ملکر ایک بوسہ اور دیدو"

پاربتی گلے سے چمٹ گئی اور دونوں نے بوسوں کی بوچھاڑ لگا دی۔ مگر یہ بوسہ بازی بدنیتی سے نہ تھی۔ اُن میں پاک محبت تھی۔ ہر ایک اپنے تئیں ہونے والا اور ضرور ہونے والا خاوند اور زوجہ سمجھتا تھا۔ فرق اس قدر تھی کہ عام طور پر اُن کی شادی کیونکر ہو۔

پاربتی کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی۔ مگر شام اس بات کو پاکر مطمئن تھا۔ صرف امتحان پاس کرنے کی دیر تھی ✦

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دونوں عاشق و معشوق نے دل کھول کر خوب باتیں کیں۔ آخر کرپی یہ سمجھ کر کہ صبح ہونے کو ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے۔ ایک درخت کے پیچھے سے نکل آئی۔ اور کہنے لگی :-

کرپی :- "ہُن بس بھی کر دنا۔ سویر ہو چلی اے" (اب بس بھی کرو دن نکل آیا ہے)

شام :- "کرپی۔ اچھی کرپی۔ آج تم ہم سے خفا ہو"

پاربتی :- "نہ شام! یہ میری سہیلی نہیں۔ بھین ہے مجال ہے تہانوں خفا ہوئے"۔ (نہیں شام یہ میری سہیلی نہیں بلکہ میری بہن ہے۔ وہ اور تم سے خفا ہو۔ ہو نہیں سکتا) ✦

کرپی :- "کیوں لالہ جی مَیں تہانوں کیوں خفا ہون لگی ساں"۔ (کیوں لالہ جی میں تم سے کیوں خفا ہونے لگی)

شام نے کرپی کو اپنے پاس بلا کر جیب سے پانچ روپیہ نکال اُس کے ہاتھ پر رکھے۔ مگر اُس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور پاربتی نے بھی اُسے منع کیا۔ مگر شام نے زبردستی یہ کہہ کر کہ تمہاری مٹھائی کھانے کیلئے ہیں۔ اُس کے پلے باندھ ہی دئے ✦

اللہ بیلی کر کے دونو لڑکیاں راوی کو روانہ ہوئیں اور شام سہ دری میں جا بیٹھا۔ اُس کا دل آج بہت ہی شگفتہ تھا۔ اور وہ آیندہ کے بندوبست سوچتا تھا۔ آخر سب کچھ اُس کے ذہن میں آگیا۔ اور وہ اپنے گھر کی طرف آیا۔ اور مطمئن ہو کر اپنی پڑھائی میں مشغول ہوا ✦

تم اب تک کہاں تھیں

شام سے جدا ہو کر پاربتی اور کرپی راوی کی طرف چلیں۔ پاربتی آج غضب کی شگفتہ معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے رخسارے سُرخ ہو رہے تھے۔ چہرہ پر مُسکراہٹ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی بیش بہا خزانہ اُس کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ راوی کی طرف جا رہی تھی۔ مگر گھڑی گھڑی پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھتی تھی۔ اور کہتی تھی۔ اے ہے شامی جی نہیں دکھائی دیتے ✦

ہم بتا چکے ہیں کہ شام بڑی ظرف کا آدمی تھا۔ بے شک عاشق کے دل میں صبر نہیں ہوتا اور شام کے دل میں بھی نہ تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا۔ کہ پاربتی کے پیچھے پیچھے راوی تک جاوے۔ اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ واپس آئے۔ مگر وہ کہتا تھا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ عشق چھپتا نہیں۔ ایسی ہی باتیں اُن سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لوگ کم ظرف خود ہوتے ہیں۔ چھپانا خود نہیں جانتے اور غریب عشق کو مفت بدنام کرتے ہیں۔ میں انشاء اللہ نہ خود بدنام ہونگا نہ پیاری پاربتی کو بدنام ہونے دونگا ؂

شام کی طرح پاربتی کا دل تھا۔ عورتوں کا دل بڑا ہی نرم ہوتا ہے! اور اُن کے دل پر جو بات جم جاتی ہے وہ پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ پاربتی اس کا نمونہ تھی۔ بیشک پاربتی راوی کی طرف جا رہی تھی۔ مگر اُس کا دل شام کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ رستہ میں چلتے چلتے ہزاروں ہی ٹھوکریں اُسے لگتی تھیں ؂

کرپی:۔ پاربتینے نی تینوں کی ہوگیا وے۔ رب دے واسطے توں ذرا ہوش کر۔" (پاربتی اری تجھے کیا ہوگیا ہے بھگوان کیلئے ذرا ہوش کر)

پاربتی:۔ "نی کیوں میں تے چنگی بھلی آں۔" (اری کیوں۔ میں تو اچھی بھلی ہوں)

کرپی:۔ "چنگی بھلی سواہ وے۔ گھڑی گھڑی پچھے مُڑ مُڑ کے پئی ویکھدی اے۔ تے ہزاروں ٹھیڈے پئی کھاندی اے۔" (اچھی بھلی خاک ہے۔ گھڑی گھڑی پیچھے پھر پھر کر دیکھتی ہے اور ہزاروں ٹھوکریں کھا رہی ہے)

پاربتی:۔ "ہاں نی کہندی تاں سچ ہیں۔ مینوں پیارے شام نظر نہیں آوندے۔" (ہاں ری کہتی تو سچ ہے۔ مجھے پیارے شام دکھائی نہیں دیتے) ؂

کرپی:۔ "نی پاربتئے۔ ہوش کر اتنا غم ہٹنے نہ کر۔" (اری پاربتی ہوش کر۔ اس قدر غم ابھی سے نہ کر) ؂

پاربتی:۔ "اج شامی جی دے وچھوڑے دا مینوں جتنا افسوس ہے۔ ساری عمر وچ کدی نہ ہویا سی۔ اُس دی صورت میرے چیت وچ بس گئی ہے۔ کیوں نی کرپئے شام کنہیا کو پیارا جوان ہے۔ کیہا دلسوز اور کیڈی محبت والا ہے۔ پیارے شام بس اوہو ہی تہاڈا پیارا ہے تسیں ساڈے نال نہ آئے۔" (آج شامی جی کی جدائی سے جس قدر رنج مجھ کو

ہوا ہے پیاری عمر کبھی نہیں ہوا۔ آہا اُس کی صورت میرے من میں بسی ہوئی ہے۔ کیوں اری کرپی۔ شام کیسا پیارا جوان ہے۔ آہا وہ کتنا دلسوز اور کس قدر محبت کرنے والا ہے پیارے شام بس یہی تمہاری الفت ہے۔ تم ہمارے ساتھ نہیں آتے)

کرپی :۔ "ہاں نی پاربتیے۔ شام ڈاہڈا ہی بانکا اور بڑے پیار والا بندہ وے۔ پر تیرے وانگر نداں نہیں۔ توں تے انہاں گلاں نال آپ بدنام ہووینگی نالے مینوں بدنام کریں گی۔ بھگوان دے واسطے اپنی ہوش سنبھال"۔ (ہاں پاربتی۔ شام بڑا ہی بانکا۔ اور بڑے اُنس والا آدمی ہے۔ مگر تیری طرح بے وقوف نہیں ہے۔ تو تو ایسی باتوں سے خود بھی بدنام ہوگی۔ اور مجھے بھی بدنام کرے گی۔ بھگوان کے لئے اپنی ہوش حواس درست کر)

پاربتی :۔ "نہ بھیناں ہُن مَیں کچھ نہ آکھاں گی۔ توں کھفے ہونی ایں"۔ (نہیں بہن اب میں کچھ نہ کرونگی تو خفا ہوتی ہے)

کرپی :۔ "نا۔ گلاں کرن دا تے کوئی ڈر نہیں۔ پر گھابری مڑ کے پچھے مڑ کے پئی پچھاں نوں نہ ویکھ۔ لوکاں شک پے جائیگا۔ ہاں نی ایہہ توں دس اج تیریاں شام نال کی کی گلاں ہوئیاں"۔ (نہیں۔ ذکر کرنے کا کچھ ڈر نہیں۔ مگر گھبرائی گھبرائی پیچھے مڑ مڑ نہ دیکھ لوگوں کو شبہ ہوگا۔ ہاں یہ تو بتا۔ آج تیری اور شام کی کیا کیا باتیں ہوئیں)

عورتیں اپنے ارادے میں بے شک بہت پختہ ہوتی ہیں۔ مگر اُن کے دل میں کوئی بات ہضم نہیں ہوتی۔ اور خاصکر ایسی ہمجنس کے ساتھ جو کسی قدر دوست اور ہمراز۔ پاربتی نے اپنا سارا کچا چٹھا سُنا دیا +

کرپی :۔ "بس توں تاں ہُن شام دی ہو چکیوں"۔ (بس تو تو اب شام کی ہو چکی)

پاربتی :۔ "ہاں نی مَیں اوسے دی ہاں۔ اوسے دی لئی جمی ساں"۔ (ہاں میں اُسی کی ہوں۔ مَیں اُسی کے لئے پیدا ہوئی تھی)

کرپی :۔ "جے تیرے لالے نوں خبر لگے تے فیر کی کریں گی"۔ (اگر تیرے باپ کو خبر ہوگئی تو کیا کرے گی)

پاربتی :۔ "کرپیے۔ ہائے نی میرا لالہ نہیں جاندا۔ جو جوان لڑکیاں دا دل چاہوندا اے۔ جے تائیں میری شام دے نال پاک محبت وے۔ تے ایہہ اینویں ای رہیگی۔ جد تک اساڈا

رسم وانگ ویاہ نہ ہوجائے۔ میرے لالے نوں اختیار رہے جو مرضی چاہے کرے۔ پر مَیں
شام نوں کدے نہ چھڈانگی۔ پر ٹبّر نوں لاج نہ لگن دیانگی" (ہائے افسوس میرا باپ
نہیں جانتا۔ کہ جوان لڑکیوں کا دل کیا چاہتا ہے۔ اب تک میری شام سے پاک محبت
ہے اور یہ محبت پاک رہیگی۔ جب تک کہ ہماری باقاعدہ شادی نہ ہوجائے۔ میرے باپ کو
اختیار رہے۔ جو چاہے سو کرے۔ مگر مَیں شام کو نہ چھوڑونگی۔ نہ چھوڑوں گی۔ ہاں
خاندان کو بھی لاج نہ آنے دونگی)

کرپی:۔" اس تھیں ودھ ہور ٹبّر دی کی بدنامی ہوسی جو توں اپنا وَر آپے ڈھونڈھیا"
(اس سے زیادہ خاندان کی اَور کیا بدنامی ہوگی کہ تو نے اپنا خاوند آپ ڈھونڈا)

پاربتی:۔ "نہیں ناں! یہ اساڈی اگلی پرانی رسم ہے۔ بڑے بڑے راجیاں مہاراجیاں دیاں دھیاں
اپنا وَر آپ چُن دیاں سن۔ کیا سوامبر دی رسم توں نہیں جاندی۔ تینوں خبر نہیں
راجے رام چندر جی نوں اُنہاندی پیاری ستیا نے آپے پسند کیتا سی" (نہیں جی
نہیں۔ یہ ہماری قدیم رسم ہے۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجاؤں کی بیٹیاں اپنا خاوند
اپنے حسب پسند آپ چُنا کرتی تھیں۔ کیا سوامبر کی رسم کو تو نہیں جانتی۔ تجھے خبر
نہیں کہ رامچندر جی کو ان کی پیاری اَور چاہتی بیوی ستیا نے خود پسند کیا تھا)

کرپی:۔" نا۔ مینوں یقین نہیں آوندا ایہ اساڈی اگلی رسم ہووے۔ بھلا اَج تک
کدے ہووے کہ کواری کڑیاں اپنا کھصم آپے تلاش کرن۔ ایہ تاں بڑی نک وڈھائی
دی گل اے" (نہیں مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ یہ ہماری قدیمی رسم ہو بھلا کہیں
آج تک کبھی ہوا ہے۔ کہ کنواری لڑکیاں اپنے خاوند خود تلاش کرتی ہیں۔
یہ تو بڑی نک کٹی کی بات ہے)

پاربتی:۔" بے شک اَج کل دے زمانے وچ ایہ نک ڈھائی دی گل ہے۔ کیوں
لوکاں نے اپنی اگلی رسم چھڈ دتی ہے۔ بہتیاں بُریاں گلاں نوں اپنا دھرم جان
لیا ہے۔ پر اصل وچ ایہ بالکل اساڈے پاک مذہب دے برابر ہے" (بے شک
آج کل کے زمانہ میں یہ نک کٹی کی بات ہے۔ کیونکہ لوگوں نے اپنے قدیمی دین کو بالکل
چھوڑ دیا ہے۔ بہت سی بُری باتوں کو اپنا مذہب سمجھ لیا ہے مگر اصل میں یہ بالکل
ہمارے پاک ویدوں کے موافق ہے)۔

کرشنی :- توں بھی تاں اَج کل دے زمانہ دی ہیں۔ تے ایس زمانے دی گلاں تے تینوں ٹرنا چاہیئے۔ (تو بھی تو آج کل کے ہی زمانہ کی ہے اور اس زمانہ کی باتوں پر تجھے چلنا چاہیئے)

پاربتی :- اوہو پر جتنا اصلی دھرم دے برابر ہو سکیگا چلاں گی۔ پر میں لوکاں نوں دساں گی کہ انہاں نوں کی کرنا چاہیئے۔ میں سوامبری رسم نوں دوئی واری جاواں گی۔ ہور دساں گی کہ ہندواں دیاں کنیاں اُتے کی کی ظلم ہوندے نیں۔ جوان جوان تے پیاری پیاری مورتاں نکے نکے بالاں نوں دتیاں جاندیاں نیں۔ تے بالک بالک تے موہنی موہنی مورتاں اسیاں اسیاں ورھے دے بڈھیاں نوں دتیاں جاندیاں نیں۔ ایہ ایسے کرکے ہی ہے کہ اگلے طریق تے چلنا چھڈ دتا ہے۔ (ہاں جس قدر اصلی مذہب کے موافق ہونگیں اُس پر چلونگی۔ مگر میں لوگوں کو بتلا دونگی۔ کہ اُن کو کیا کرنا چاہیئے۔ میں سوامبری کی رسم کو پھر زندہ کروں گی۔ اور دکھاؤنگی کہ ہندو لڑکیوں پر کس قدر ظلم ہوتے ہیں۔ جوان جوان اور پیاری پیاری صورتیں چھوٹے چھوٹے بچوں کے حوالہ کی جاتی ہیں۔ اور بالک بالک اور موہنی موہنی تصویریں اسّی اسّی برس کے بڈھوں کو دیجاتی ہیں۔ یہ وجہ اسی سبب سے ہے کہ پُرانے قاعدوں پر چلنا چھوڑ دیا ہے)

کرشنی :- توں کیہیاں گلاں کرنی ایں۔ انہاں باتاں دا دل وچہ وسواس نہ لیا دیں شام دے نال پیار کرنے نوں تینوں کوئی روکدا نہیں۔ پر دے نال روز سویر نوں اُنہوں مل لیا کر۔ (تو کیسی باتیں کرتی ہے ایسی باتوں کا دل میں خیال نہ لا۔ شام کے ساتھ محبت رکھنے سے تجھے کوئی نہیں روکتا چُپکے سے ہر روز صبح کو اُسے مل لیا کر)

پاربتی :- افسوس نی کرپیئے۔ جس ویلے توں ایہ گلاں کردی ہیں۔ تیرا دل نہیں کنبیدا۔ نی۔ بھگوان ہر تھاں موجود ہے۔ دنیا کولوں تے اسیں لکا سکنیاں واں۔ پر بھگوان کولوں کجھ لکیا نہیں رہندا۔ نا۔ نا۔ ایہ میں کدی نہ کراں گی۔ میری محبت پوتر ہے۔ تے ہمیشہ ایسے طرح رہسی۔ میرا ور اکو ہوسی۔ تے بیشک اوہ پیارا شام ہی ہوسی۔ (افسوس ہے کرپی۔ جس وقت تو یہ باتیں کرتی ہے تیرا دل نہیں کانپتا؟ ارے بھگوان ہر جگہ موجود ہے۔ دنیا کے آدمیوں سے تو ہم چھپا سکتی ہیں۔ مگر بھگوان سے کچھ پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہیں نہیں ہیں یہ ہرگز نہ کرونگی۔ میری محبت پاک ہے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ میرا خاوند ایک

ہی ہوگا۔ اور بیشک وہ پیارا شام ہی ہوگا)

درحقیقت کرپی کو اس بات کی بڑی پرواہ نہ تھی۔ کہ پاربتی شام سے دوستی رکھے یا باقاعدہ شادی کرے۔ مگر اُسے خیال تھا کہ اگر باقاعدہ شادی ہوگئی تو یہ جو دونو طرف سے تھوڑا ڈانٹی ہوں۔ پھر نہ ملا کرینگے۔ اسی واسطے وہ چاہتی تھی۔ کہ شام اور پاربتی کی دوستی رہے +

مگر پاربتی بہت نیک لڑکی تھی۔ اگر چار یا چھ برس کم بچے کے ساتھ اُس کی شادی نہ ٹھیرتی۔ تو وہ کبھی شام کی طرف خیال نہ کرتی۔ مگر اب اُس کی آنکھوں اور دل میں شام ہی شام تھا۔ وہ ضرور چاہتی تھی کہ شام کے ساتھ اُسکی شادی ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتی تھی۔ کہ کسی طرح اُس کے باپ کی بدنامی نہ ہو +

کرپی :۔ ہلا بھیناں۔ تینوں اختیار ہے۔ پر ساری برادری وچ تیرے پیو دی نموشی ہوسی" (اچھا بہن تجھے اختیار ہے۔ مگر تمام برادری میں تیرے باپ کی بدنامی ہوگی)۔

پاربتی :۔ ہاں نی۔ میں تاں ایہو چاہنی ہاں کہ مینوں پیارا شام ملے۔ پر میرے پیو دا نک نہ وڈھیا جاوے" (ہاں کرپی یہی تو چاہتی ہوں۔ کہ پیارا شام مجھے ملے اور میرے باپ کی ناک کٹی بھی نہ ہو)۔

یہ لڑکیاں اس قسم کی باتیں کرتی ہوئیں راوی پر پہنچیں۔ دن خوب نکل آیا تھا۔ بہت سے مرد عورت راوی سے نہا کر آ رہے تھے۔ مگر یہ باتوں میں ایسی محو تھیں کہ انہیں کسی کی مطلق خبر ہی نہ تھی۔ اتنے میں ایک آواز سے چونکیں :۔

ایک آواز :۔ "ہے نی کڑیو۔ ہن تائیں تسیں کتھے رہیاں۔ کرپئے توں تے گھر تھیں وڈے ویلے نکلی سائیں" (ہیں اری لڑکیو۔ تم اب تک کہاں تھیں۔ اری کرپی تو تو گھر سے بہت سویرے سے نکلی تھی)۔

کرپی :۔ "اے چاچا۔ پاربتی دے گھر چر لگ گیا۔ تے نالے راہ دے وچ چر لگا" (اے چچا پاربتی کے ہاں دیر ہوگئی تھی اور کچھ راہ میں دیر ہوگئی)

پاربتی (یہ خیال کر کہ کرپی راز نہ ظاہر کردے) جلدی سے بولی :۔

پاربتی :۔ راہ وچ اِک سپ بیٹھا ہویا سی۔ اسیں دونویں ڈردے ماریاں اودھرے کو لوں قمر گیاں۔ او جیہڑا اوڈا ایپل دا بوٹا ہے اُس دے ہیٹھاں بیٹھ گیاں ساں۔ جد دن کھوب

چڑھ آیا تے بندے آون جاون لگے۔ تد اید ھر آئیاں۔ جدتوں دور نکل گیوں تد اساں

تینوں ڈٹھاسی۔ تے تینوں آواز بھی ماری سی۔ پر توں نا سُنی"۔ (راستے میں ایک سانپ لا تھا۔

ہم دونو اس سے ڈر کر بھاگ گئیں۔ اور وہ جو بڑا سا پیپل کا درخت ہے اُس کے پیچھے بیٹھ

گئی تھیں۔ جب خوب دن نکل آیا اور لوگ اِدھر اُدھر آنے جانے لگے۔ تب ہم اِدھر

آگئیں۔ جب تو دور نکل آیا ہم نے تجھے دیکھا۔ آواز بھی دی تھی تو نے نہیں سُنی)

مصر: "ہاں میں نہ سُنیا ہوسی۔ کڑیو بہت سویرے نہ آیا کرو۔ کپڑے پتنگے دا ڈر ہوندا

ہے"۔ (ہاں میں نے نہ سُنا ہوگا۔ لڑکیو بہت سویرے نہ آیا کرو۔ کپڑے پتنگے کا خوف

ہوتا ہے)

پاربتی: "ایہ تے اجو ہی وکھالی دِتاسی۔ تے ایس ویلے کجھ لوگ اگے چلے گئے سی"

(یہ تو آج ہی وکھائی دیا تھا۔ اور اس وقت کچھ لوگ آگے چلے گئے تھے)۔

مصر: "ہلا جاؤ۔ نے اشنان کرکے گھر جاؤ۔ دن بہت چڑھ گیا ہے پھیر دُھپ بہتی ہو جاسی"

(اچھا جاؤ اور اشنان کرکے گھر چلی جاؤ۔ دن بہت چڑھ گیا ہے پھر دھوپ زیادہ ہو جاوے گی)

کرپی: "وے چاچا نہا آیا ایں۔ تے ہن گھر چلیاں ایں"۔ (ارے باپ تو نہا کر گھر چلا ہے)

مصر: "آہو"۔ (ہاں)

یہ مصر جے رام کرپی کا باپ تھا۔ یہ بڑا گھاگ تھا۔ خوب سمجھتا تھا کہ ان کا راستہ میں اس قدر

دیر لگانا خالی از علت نہیں ہے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ راوی پر نہانے کے بہانہ سے

سینکڑوں وعدے پورے ہوتے ہیں۔ بہت دفعہ اُس نے خود بھی لوگوں کے ایسے کام

کئے تھے +

اب جو اُس کی لڑکی اور اُس کے ججمان کی لڑکی (یعنی کرپی اور پاربتی) اس کام میں

شریک ہوئیں۔ تو اُسے اور بھی زیادہ فکر ہوا۔ اُس نے سوچا کہ کل صبح چھپ کر اُن کے

ساتھ آنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ کیا معاملہ ہے +

چنانچہ اسی واسطے اُس وقت اُس نے اُن لڑکیوں کو زیادہ بُرا نہ کہا۔ اور بڑی

بے پروائی ظاہر کی +

مصر چلا گیا۔ اور اُن لڑکیوں نے نہانا شروع کیا۔ وہ نہاتی تھی اور باتیں کرتی

جاتی تھیں +

پاربتی :- "کرپیئے! اے گل چنگی ہوئی۔ تیرے پیو نے سانوں باغ وچ نہیں دیکھیا۔" (کرپی۔
یہ بات اچھی ہوئی کہ تیرے باپ نے ہمیں باغ میں نہیں دیکھا)

کرپی :- "اِسنوں اِنہاں گلاں دی کی کھبر! اے بیچارہ بے خبر جیہا منکھ ہے۔" (اسے اِن
باتوں کی کیا خبر۔ یہ بیچارہ بے خبر سا آدمی ہے)

پاربتی :- "ہاں نی کجھ پتا تاں نہیں سو جھڑ گیا۔ دیکھیا اِی مَیں کیسا دم دتا وے۔ بالکل
یقین ہو گیا سو۔ پر نی ویکھ لیئیں تینوں کل سویر نہیں آنے دیسی۔" (ہاں ری کچھ بہت
تو نہیں دھمکایا۔ مَیں نے کیسا دم دیا ہے۔ بالکل اُسے یقین ہی ہو گیا ہے۔ مگر کرپی۔
دیکھ لینا! اب کل سے تجھ کو سویرے نہیں آنے دیگا)

کرپی :- "نا۔ پاربتی۔ میرا پیو وڈا بھولا منکھ ہے۔ اُسنوں آج دی گل کل تیک یاد نہیں
رہندی۔" (نہیں پاربتی۔ میرا باپ بڑا بھولا آدمی ہے۔ اُسے آج کی بات کل تک یاد
بھی نہیں رہتی)

پاربتی :- "ہلا پھیر کل نوں بھی سویر تھیں آ ویں۔" (اچھا پھر کل بھی سویرے ہی سے آئیو)

کرپی :- "کیوں کل فجرے بھی شام آسی۔" (کیوں کل بھی شام آئیگا)

پاربتی :- "ہاں نی آسی۔ کرپیئے توں سچ دسیں تو شام کولوں گُھسّے ہیں۔" (ہاں آئے گا۔
کیوں کرپی سچ کہیو۔ تو کیا شام سے ناراض ہے)

کرپی :- "نا۔ نا۔ اوس وچارے نے میرا کی وگاڑیا اے! اوتے بڑا پیارا بانکا جوان ہے۔
پر ہاں توں جو کہنی ایں کہ اُس نال ویاہ کرانگی! اے گل مینوں چنگی نہیں لگدی۔" (نہیں نہیں۔
اُس بیچارے نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ وہ تو بڑا بانکا جوان ہے۔ مگر ہاں یہ جو تو کہتی ہے
کہ اُس سے شادی کرونگی۔ یہ بات مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی)

پاربتی سمجھ گئی کہ لالچ بُری بلا ہے۔ اسے خیال ہے کہ اُدھر سے شام سے دوستی رہیگی
اِدھر سے میرے ہاتھ لگیگا۔ اور اُدھر سے چھ برس گذرنے کے ساتھ اِسکی شادی ہوگی
اُدھر سے باپ کے ہاتھ لگیگا۔ اُس نے سوچا کہ لالچی کو لالچ ہی میں کھوئے۔

پاربتی :- "نا۔ نی مَیں تاں ہسدی سہاں۔ بھلا ماں پیو دی مرضی بغیر کڑیاں ویاہ کر سکدیاں نے
سوہنی کرپیئے۔ بھلکے سویرے آویں تینوں کجھ دیاں گی۔" (نہیں ری مَیں تو ہنستی تھی
بھلا ماں باپ کے بغیر کہیں لڑکیاں شادی کر سکتی ہیں! اچھی کرپی۔ کل سویرے سے آئیو

میں تمہیں کچھ دونگی)

کرپی :- "نا۔ بھینا۔ مینوں تیرا کجھ نہیں لوڑیدا۔ میں تے ایہ شام دے روپے بھی نہیں لیندی ساں"۔ (نہ بہن مجھے تیرا کچھ نہیں چاہیئے۔ میں تو یہ شام کے روپے بھی نہیں لیتی تھی)

پاربتی :- "نا۔ بھینا! ایہو جیہی گلاں نہ کر۔ انہاں دے کپڑے بنا لئیں"۔ (نہ بہن ایسی باتیں نہ کر۔ اس کے کپڑے بنا لینا)

یہ لڑکیاں نہا کر باہر نکل آئیں اور بہمن سے پیشانی پر ٹیکا لگوا کر شہر کی طرف روانہ ہوئیں۔ شہر کی اور بہت سی لڑکیاں اُن کے ساتھ ہولیں۔ اس واسطے راستہ میں باتیں کرنے کا اتفاق نہیں ہؤا۔ جُدا ہوتے وقت پاربتی نے کرپی سے کہا:-

پاربتی :- "کرپیئے۔ میری گل یاد رکھیں"۔ (کرپی میری بات یاد رکھیو)

کرپی :- "کیہڑی گل؟" (کونسی بات)

پاربتی :- "اجے ہُنے بھُل گیوں"۔ (ابھی سے بھول گئی)

کرپی :- "توں مینوں کیہڑی گل آکھی سی؟" (تو نے مجھے کونسی بات کہی تھی)

پاربتی :- "مَیں ایہ نہیں آکھیا سی کہ بھلکے سویرے آویں"۔ (یہ نہیں کہا تھا کہ کل سویرے آئیو؟)

کرپی :- "اے بی! ایہ تے معمولی گل ہے"۔ (یہ تو ایک معمولی بات ہے)

پاربتی :- "اڑیئے۔ تیرا پیو پُچھے۔ تے کجھ نہ دسیں"۔ (اری تیرا باپ پوچھے تو کچھ نہ بتائیو)

کرپی :- "لے! ایہ بھی بھلا کوئی دسن والی گل ہے"۔ (پاربتی تو کیسی باتیں کرتی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے)

کرپی اپنے گھر روانہ ہوئی۔ اور پاربتی اپنے ہاں چلی گئی۔ آج پاربتی کی کچھ عجیب حالت تھی کبھی تو وہ بہت خوش معلوم ہوتی تھی کبھی اُس کے رخسارے چمکتے تھے۔ کبھی وہ خیالات میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور اُس کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اُس کی ماں کو یہ حالت دیکھ کر کئی طرح کے خیال پیدا ہوئے۔ اور اُس نے اپنے خاوند سے اس امر کا تذکرہ کیا۔ مگر اُس نے کچھ توجہ نہ کی +

رنگ میں بھنگ

جے رام مصر راوی سے نہا کر گھر کی طرف چلا۔ اور سوچنے لگا کہ کیا معاملہ ہے کرپی کی اُسے کچھ پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ اُس کا بیاہ ہو چکا تھا۔ اُسے خیال تھا کہ اگر پاربتی کا چلن خراب ہو گیا۔ تو اُس کا ناطہ نہ ہو گا۔ اور اس سے اُس کو نقصان ہو گا۔ کیونکہ چھوٹے لڑکے کے باپ نے اُسے پاربتی کا ناطہ کرانے کی شرط پر سو روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اِس اُلٹ پھیر میں وہ گھر آیا۔ کرپی کی ماں روٹی پکا رہی تھی۔ وہ مصرانی مصرانی کرتا اُس کے پاس گیا۔ مصرانی نے حیران ہو کر اُس سے پوچھا:۔

مصرانی:۔ "کی اے" (کیا ہے)۔

مصر:۔ "کرپی گھروں اج کس ویلے گئی سی؟" (کرپی گھر سے آج کس وقت گئی تھی؟)

مصرانی:۔ "اجے سویر ہی سی۔ انھیرا ہو ہیا سی" (ابھی سویر ہی تھی۔ خوب اندھیرا تھا)

مصر:۔ "اہو۔ اجے تن بجے ہونگے"؟ (ہاں۔ کوئی تین بجے تھے)

مصرانی:۔ "ہاں کوئی تن ہی بجے ہونگے۔ کیوں اُسنوں کی ہویا؟" (ہاں کوئی تین ہی بجے ہونگے۔ کیوں اُسے کیا ہوا)

مصر:۔ "کجھ نہیں۔ چنگی بھلی ہے۔ پر میں حیران ہاں کہ او وہ سویرے ست بجے راوی تے پہنچی سی۔ پھر نہیں راہ وچ کتھے رہی" (کچھ نہیں۔ اچھی بھلی ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ وہ صبح کے سات بجے راوی پر پہنچی تھی۔ خبر نہیں راستہ میں کہاں رہی)

مصرانی:۔ "اُس کولوں پچھنا سی" (اُس سے پوچھنا تھا)

مصر:۔ "پچھیا سی! وہ چُپ کر گئی۔ پر پاربتی نے آکھیا کہ راہ وچ اک سپ بیٹھا ہویا سی اُس تھیں ڈردی ماریاں اک پپل دے بوٹے دے ہیٹھ بیٹھ رہیاں ساں" پوچھا تھا وہ تو کچھ چپ سی ہو گئی۔ مگر پاربتی نے کہا کہ راستہ میں ایک سانپ تھا۔ اُس سے ڈر کر دیر تک ایک پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھ گئی تھیں۔)

مصرانی:۔ ہے ہے بھگوان نے چنگی کیتی۔ جے میری دھی نوں سپ نہیں لڑیا!" (ہے ہے۔ بھگوان نے اچھا کیا۔ کہ میری بچی کو سانپ نے کاٹا نہیں)

مصر:- کملئے۔ کیہا سپ۔ مینوں انہاں کڑیاں دا کھوف ہے۔" (کرپی کی ماں۔
کیسا سانپ۔ مجھے ان لڑکیوں کا خدشہ ہے)
مصرانی (ڈرکر):- کی کھوف ہے۔ ہاں وڈے ویلے جاندیاں نے۔ سپ اٹھوئیں دا
ڈر ہے۔" (خوف زدہ ہوکر۔ کیا خدشہ ہے۔ ہاں بہت سویرے جاتی ہیں سانپ
بچھو کا کھٹکا ہے)؟
مصر:- کیہا سپ بچھو۔ مینوں ڈر ہے کہ کسے دے نال انہاں دوستی نہ لائی ہووے
کیوں جے راہ وچ بڑے بدمعاش لُنڈے پھردے نے۔" (کیسا سانپ بچھو مجھے خوف
ہے کہ کہیں کسی سے انہوں نے دوستی نہ لگالی ہو۔ کیونکہ رستہ میں بہت سے ایسے
بدمعاش پھرتے ہیں)
مصرانی:- ہے۔ دوستی۔ میری کرپی اجیہی نہیں۔" (دوستی۔ نہیں میری کرپی ایسی
نہیں ہے)
مصر:- نہیں۔ کرپی تے ایہو جیہی نہیں۔ اُس دا تاں ایڈا کھیال بھی نہیں۔ پر جے کر پاربتی
دا چلن کھراب ہوگیا۔ تاں ساڈا بڑا نقصان ہوسی۔" (نہیں کرپی تو ایسی نہیں ہے اُس
کا تو چنداں خیال بھی نہیں۔ مگر اگر پاربتی کا چلن خراب ہوگیا۔ تو پھر ہمارا بڑا
نقصان ہوگا۔)
مصرانی:- ہاں جیکر اُہدیاں سا ہوریاں نوں کھبر ہوگئی تاں پھیر اوہ کاہنوں ناطہ کرنگے۔"
(ہاں۔ اگر اُس کے سُسرال میں خبر ہوگئی۔ تو پھر وہ کیوں ناطہ کرینگے)
مصر:- ہور کی! اوہ تے وڈے اشراف تے امیر آدمی نے۔" (اور کیا۔ وہ تو بڑے
اشراف اور امیر آدمی ہیں)
مصرانی:- مُنڈے دے پیو نے تینوں سو روپیہ دین نوں آکھیا سی۔" (لڑکے کے
باپ نے تجھے سو روپیہ دینے کئے تھے)
مصر:- ہاں سو روپیہ تاں صرف ناطہ کرانے نے۔ ہور کھبر نہیں کی ل بھی دیوئی بابے
موٹیاں چپڑیاں ہین۔" (ہاں سو روپیہ تو صرف ناطہ کرانے پر اور خبر نہیں کیا کچھ ملے
دونوں طرف موٹی چڑیاں ہیں)
مصرانی:- کرپی نوں پُچھاں کی گل وے۔" (کرپی سے پوچھوں کیا بات ہے)

مصر:"نا مصرانی - کرپی ایہجی بھولی نہیں - تو بالکل گل نہ کریں - اوہ کدے نہ دستے گی - مَیں اک ترکیب سوچی ہے" (نہیں مصرانی - کرپی ایسی بھولی نہیں ہے - تو بالکل ذکر نہ کیجیو - وہ ہرگز نہ بتاوے گی - مَیں نے ایک ترکیب سوچی ہے)

مصرانی:"اوہ کی اے" (وہ کیا ترکیب ہے)

مصر:"بھلکے وڈے ویلے جد کرپی نہاون نوں جائیگی - مَیں اس دے پچھے پچھے جاوانگا - ویکھاں گا جو کی گل اے" (کل صبح کو جب کرپی نہانے کے لئے جائیگی - مَیں اُس کے پیچھے جاؤنگا اور دیکھونگا کہ کیا معاملہ ہے)

مصرانی:"ہاں ٹھیک ہے - مَیں بھی ایہو ہی آکھن والی ساں" (ہاں ٹھیک ہے - مَیں بھی یہی کہنے کو تھی)

قریب ۹ بجے کرپی آئی اُس کے چہرہ پر بشاشت تھی - اور کیوں نہ ہوتی - دو روز اُسے پانچ روپیہ روز ملتے تھے اور پچاس روپیہ کی سونے کی آرسی پارتی سے لے چکی تھی اور کل کے لئے پھر اُس نے وعدہ کیا تھا - اور شام سے تو اُسے پوری اُمید تھی کہ پانچ روپیہ دے گا - اس خوشی کو اُس کے ماں باپ دونوں نے تعجب کی نظر سے دیکھا اُنہیں اُس کے چلن پر شبہ ہوا۔

دوسری صبح کو رات کا وقت تھا - کرپی اُٹھی اور کپڑے وغیرہ پہننے لگی۔

مصرانی:"نی کرپے کی کرنی ایں؟" (اری کرپی کیا کرتی ہے)

کرپی:"نی ماں راوی جانی ہاں" (اے ماں - راوی جاتی ہوں)

مصرانی:"اجے ہنے ایں - اجے تاں اک بجیا ہے" (ابھی سے ہی ابھی تو ایک بجا ہے)

کرپی:"اک - مَیں تاں سمجھیا سویر ہو گئی" (ایک - مَیں تو سمجھی تھی کہ صبح ہو گئی)

مصرانی:"اجے سویر کتھے" (ابھی صبح کہاں)

کرپی پھر اپنی چارپائی پر لیٹ رہی - مگر بالکل نہ سوئی اُسے خیال تھا کہ اگر سو گئی تو خبر نہیں دو گھنٹے کے بعد آنکھ کھلے یا نہ کھلے اُس کے جاگتے جاگتے دو بجے اور اُس نے دیکھا کہ اُس کی ماں سو گئی - قریب ڈھائی بجے ہونگے - وہ اُٹھ بیٹھی اور کپڑے پہن کر تیار ہو گئی۔

مصر:"کرپے کتھے چلی ایں؟" (کرپی کہاں جاتی ہے)

کرپی: "سویر ہون والی ہے۔ یاد ی جاوانگی" (صبح ہونے کو ہے۔ یاد ی جاؤنگی)

مصر: "اجے تاں بڑا نہیرا ہو رہیا ہے" (ابھی تو بڑا اندھیرا ہو رہا ہے)

کرپی: "نا۔ چار بجے ہین۔ اَج کجھ بدل جیہا ہے" (نہیں۔ چار بجے ہیں۔ آج کچھ بادل ہو رہا ہے)

مصر چُپ رہا۔ اور کرپی پاربتی کے پاس چلدی۔ وہ بڑی دیر سے اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ جھٹ پٹ دونو راوی کی طرف روانہ ہوئیں ✚

جے رام مصر اپنی جورو کو جگا کر اُن کے پیچھے پیچھے چلا۔ یہ دونو باتوں میں ایسی محو تھیں کہ اُنہیں کسی کی خبر ذرا نہ تھی۔ اگر باتیں نہ بھی کرتیں۔ تب بھی جے رام کی خبر اُن کو ذرا نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ اُن سے بہت دور تھا۔ مگر برابر تاک لگائے چلا آرہا تھا ✚

پاربتی: "ہُن کی بجیا ہے؟" (اب کیا بجا ہے)

کرپی: "تن بجنے والے نے۔ میرا پیو آکھدا سی کہ اجے رات بہت ہے اجے نہ جا۔ پر میں آکھیا نہیں بدل ہے۔ چار بج چکے نے" (کوئی تین بجنے والے ہیں۔ میرا باپ تو کہتا رہا کہ ابھی بہت رات ہے۔ ابھی نہ جا۔ مگر میں نے کہا کہ نہیں بادل ہے چار بج چکے ہیں)

پاربتی: "سچ تیرا پیو جاگدا سی۔ پر چاچا سُتا پیا سی۔ چاچی جاگ پئی سی" (سچ تیرا باپ جاگ رہا تھا۔ مگر چچا تو سویا پڑا تھا۔ چچی جاگ پڑی تھی)

کرپی: "تیری چاچی نے تینوں کجھ نہیں آکھیا؟" (تیری چچی نے تجھے کچھ نہیں کہا)

پاربتی: "نہیں۔ ایہو ای کہندی سی۔ سپ اٹھوئیں دا خیال رکھیں" (نہیں یہی کہتی تھی۔ لڑکی۔ سانپ بچھو کا خیال رکھیو)

غرض یہ لڑکیاں ایسے ہی ناز و نیاز کی باتیں کرتی جلدی باغ پہنچیں۔ اندھیرا ہو رہا تھا۔ اور دور سے آدمی بہت کم نظر آتا تھا ✚

پاربتی: "میں جانتی ہاں شامی جی ہیا نویں اجے نہیں آئے" (میں جانتی ہوں شاید شامی جی ابھی نہیں آئے)

کرپی: "ابھی گل نہیں۔ جے دور آگئے ہون گے" (ایسی بات نہیں ضرور آگئے ہونگے)

پاربتی: "کدے وکھالی تے نہیں دیندے۔ بھلا اوہ امیر آدمی نے۔ اجے کتھوں آ

اُٹھتے ہون گے"! (کہیں دکھائی تو دیتے نہیں۔ بھلا وہ امیر آدمی ہیں۔ ابھی کہاں اُٹھے ہونگے)

کرپی :- "شاید اجے نہ جاگے ہوون۔ پر کل تاں ساتھوں پہلاں ہی آگئے سن۔ آئی اِنہاں بوٹیاں پچھے ویکھیئے"! (شائد ابھی نہ اُٹھے ہوں۔ مگر کل تو وہ ہم سے پہلے ہی آگئے ہوئے تھے۔ آؤ ان درختوں کے پیچھے دیکھیں)

شام آج تین بجے سے پہلے باغ میں پہنچ گیا تھا۔ اور سب طرف اُن کو ڈھونڈ کر ایک درخت کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ باغ کا سماں تھا۔ ذرا کی ذرا اُس کی پلک جھپک گئی تھی۔ مگر اُن لڑکیوں کی آہٹ سے وہ چونک اُٹھا۔ اور جب آگے بڑھیں۔ تو یہ شعر زبان سے کہتا اُن کے سامنے آیا ؎

جس کا دل دلبر میں ہو۔ اس کو کب آتی ہے نیند

کروٹیں لیتے ہی لیتے صاف اڑ جاتی ہے نیند

پاربتی کی خوشی کے مارے آواز بند ہوگئی۔ کیونکہ اُسے پورا یقین ہوگیا۔ کہ شام اُس کا عاشق صادق ہے ؎

کرپی :- "اوہو۔ شامی جی تاں پہلوں موجود ہین"! (آہا شامی جی تو پہلے ہی سے موجود ہیں)

شام :- "اور نہیں۔ تم سمجھتی تھیں کہ سو رہے ہیں"!

پاربتی :- "امیراں کولوں کجھ دور نہیں"! (امیر آدمیوں سے کچھ بعید تو نہیں)

شام :- "پھر تم کیوں نہ سوئیں؟"

پاربتی :- "میں تاں وچاری غریبنی ہاں"! (میں تو بیچاری غریبنی ہوں)

شام :- "اچھا تو بس میں امیر ہوں۔ نہیں میں تو آپ سے زیادہ بیچارہ غریب آدمی ہوں"!

پاربتی اور شام یہ باتیں کرنے لگے۔ کرپی بہانہ سے وہاں سے ٹل گئی۔ جے رام اُن کی تاک میں لگا آ رہا تھا۔ ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو کر اُن کی سب باتیں سُننے لگا ؎

پاربتی نے شام کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اور شام نے اُسے کمر سے پکڑ لیا۔ اور نہایت محبت سے باتیں کرنے لگے ؎

پاربتی :- "میں نوں اج ساری رات نیند نہیں پئی"! (مجھے آج ساری رات نیند نہیں آئی)

شام :۔ جی ہاں! آپ کو تو کرپی اُٹھانے والی ہے۔ آپ تو خوب بے فکر ہو کر سوئی ہو گی۔ مگر میں تو ساری رات جاگتا رہا ہوں "
پاربتی :۔ پیارے شام تساں اپنے نوکر نوں کیوں نہ آکھ چھڈیا سی! وہ تہانوں جگا دیندا! تسیں سوں رہندے۔ افسوس۔ تہانوں ونے کالج نوں بھی جانا ہوسی " (پیارے شام۔ تم نے اپنے نوکر سے کیوں نہ کہدیا۔ کہ وہ جگا دیتا۔ تم سو گئے ہوتے۔ افسوس تمہیں ابھی دن کو کالج بھی تو جانا ہوگا)
شام :۔ میری جان۔ پاربتی تم سچ کہتی ہو۔ نوکر سے میں نے کہدیا تھا۔ مگر ان لوگوں کا کچھ بھروسا نہیں بیچارے دن کام کاج کر کے بہت ماکھا کر تھک کر سو جاتے ہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی تو جگا دیا۔ ورنہ خیر۔ یہ لوگ کچھ وقت کی قدر نہیں کرتے "
پاربتی :۔ لے میں واری تسیں ساری رات نہیں سُتے۔ اتے دن نوں کالج جانا ہوسی " (ہاں میں قربان۔ تم ساری رات جاگتے رہے اور دن کو کالج جاؤ گے)
شام :۔ پیاری کچھ پرواہ نہ کرو۔ میں اول رات سے سو گیا تھا۔ میری نیند کافی بھر گئی ہے "
پاربتی :۔ سناؤ۔ تہاڈے امتحان وچ ہُن کنے دن رہندے ہین " (سنائیے! اب تمہارے امتحان میں کتنے دن باقی رہتے ہیں)
شام :۔ امتحان میں تو ابھی آٹھ مہینے باقی ہیں "
پاربتی :۔ او ہو۔ اجے اٹھ مہینیاں تک سانوں اُڈیکنا پویگا " (واہ ہو! ابھی آٹھ ماہ تک ہم کو انتظار کرنا پڑیگا)
شام :۔ کیا پیاری۔ کیسا انتظار "
پاربتی :۔ کچھ نہیں۔ کل کرپی دا پیو سانوں دریا تے مل پیا سی۔ پچھدا سی اینی ڈیر رکھتے لائی جے۔ میں بہانہ کر کے اُسنوں ٹال دتا سی " (کچھ نہیں۔ کل کرپی کا باپ ہم کو دریا پہ مل گیا تھا۔ پوچھتا تھا کہ تم اتنی دیر کہاں رہیں۔ میں نے بہانہ کر کے اُسے ٹال دیا تھا)
شام :۔ پھر اُس نے تمہارے باپ سے تو جا کر نہیں کہا "
پاربتی :۔ میں جانتی آں کہ کل تے اُس نے کجھ نہیں آکھیا۔ پر مینوں تاں ڈر لگدا اے اک نہ اک دن میرے لالے نوں خبر ہو جاسی۔ تاں پھر شامی جی میں تہاڈی صورت

دیکھین نوں ترسدی رہواں گی۔ پکھیر نہیں۔ میرا کی حال ہوسی یا نہ ہوسی۔" (نہیں میں جانتی ہوں کہ اُس نے کل تو کچھ نہیں کہا۔ مگر مجھے بڑی خوف ہے کہ کسی نہ کسی دن ضرور میرے باپ کو خبر ہو جائیگی۔ اور پھر (شام کا ایک بوسہ لے کر) پیارے شامی جی میں تمہاری شکل دیکھنے کو بھی ترسنی ہونگی۔ خبر نہیں میرا کیا حال ہو یا نہ ہو)

شام نے بیتاب ہوکر پاربتی کو گلے سے لگا لیا۔ اور اُس کے بیشمار بوسے لیکر کہنے لگا:۔

(جے رام اس وقت نہایت غصّے کی حالت میں تھا۔ کئی دفعہ اُس نے ارادہ کیا کہ آگے بڑھ کر شام کے دو تین جوتے لگا دے۔ اور پاربتی اور کرپی کو سیدھا کرے۔ مگر اُسے نامناسب معلوم ہوا۔ اس واسطے کہ وہ پہلے اُن کی تتجاویز کو سُن لے +

شام:۔ "کیوں جانی تمہارا باپ تم سے کچھ محبت نہیں کرتا۔"

پاربتی:۔ "نا۔ جانی دلوں تے بڑی محبت کردائے۔ پر ڈاہڈا سخت اے ایس کر ماں مارے مصرے دے آکھے لگ چھیتی پیندا ئے۔" (نہیں پیارے دل سے تو بہت محبت کرتا ہے۔ مگر بہت سخت ہے اور اس کمبخت کٹنے مصر کے کہنے میں فوراً آجاتا ہے)

شام:۔ "اگر اُسے خبر ہوگی۔ تو کیا کرے گا۔"

پاربتی:۔ "ہور کی کرسی۔ کسے اک کوٹھڑی دے اندر مینوں بند کر دیویگا۔ نہ کھان نوں دیسی نہ پین نوں۔ بُھکھی تے پیاسی تھوڑے دناں وچہ ہی مرجاواں گی۔" (اور کیا کرے گا کسی کوٹھڑی میں مجھے بند کر دیگا۔ نہ کھانے کو دیگا۔ نہ پینے کو۔ بھوکی اور پیاسی چند روز میں ہی مرجاؤنگی)

شام:۔ "پیاری پاربتی۔ یہ تو بڑی بے رحمی کی بات ہے۔ کیا تمہاری ماں بھی ایسی ہی سخت ہے۔"

پاربتی:۔ "ناں شامی پیارے اُس دے جگی تاں دنیاں وچہ کوئی رحم والی زنانی نہیں اوہ تے میرے نال ڈاہڈا پیار کردی اے۔ پر میرے چاچے کولوں بڑی ڈردی اے۔ اوہ جد کدے گُصّے ہوندا اے۔ تاں مار مار ادھیاں ٹنگاں باہاں بھن چھڈدا اے۔" (نہیں شامی جی پیارے اُس کے برابر تو دنیا میں کوئی رحم دل عورت نہ ہوگی وہ تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ مگر میرے چچا سے وہ بھی بہت ڈرتی ہے۔ کیونکہ جب وہ

غصے ہوتا ہے تو مار مار کر اُس کے ہاتھ پیر توڑ ڈالتا ہے)
شام (او۔ سن۔ او لے بیسٹ): وہ بڑا بے رحم آدمی ہے۔ مگر کیا تمہاری ماں اس سے ڈرتی ہے کہ کھانے تک تم کو نہ دیگی؟"
پاربتی: "ناں۔ شامی پیارے۔ روٹی پانی کیوں نہ دیوے گی۔ پر تسیں کھیال کردے ہو۔ جے تسیں نہ مینوں وسوگے۔ تاں میں کھاواں پیواں گی؟ ناں۔ کدے نہیں۔ بھکھی ترہائی مرجاوانگی۔ پیارے تسیں خوش رہنا۔ مینوں یاد نہ کرنا۔ میں تہانوں کسم دینی ہاں" (نہیں شامی جی پیارے۔ کھانے پینے کو کیوں نہ دیگی۔ مگر کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ اگر تم مجھ کو نہ دکھائی دوگے۔ تو میں کھاؤں پیوں گی نہیں۔ ہرگز نہیں بھوکی پیاسی مرجاؤنگی پیارے تم خوش رہنا۔ اور مجھے ذرا یاد نہ کرنا۔ میں تمہیں قسم دیتی ہوں (آہستہ سے رونے لگی)۔
جے رام مصر جو درخت کی آڑ میں سب کچھ سُن رہا تھا۔ اس محبت کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور پاربتی کے رونے سے اُس کا دل کچھ پگلا۔ مگر اُسے اپنے مفاد کا زیادہ خیال تھا اُس کے دل میں آیا کہ شام کو مار کر بھگا دے۔ اور پاربتی کو سمجھائے۔ مگر اُس نے اپنے دل میں کہا کہ نہیں ذرا اور ٹھیر جاؤں۔ دیکھوں تو سہی کیا کیا تجویز کرتے ہیں۔
شام نے نہایت روز سے پاربتی کو گلے لگایا۔ اُس کے آنسو پونچھے۔ بار بار اُس کے منہ کو چوما۔ اور کہا۔
شام: "پیاری پاربتی۔ میرا جان مال سب کچھ تمہارے لئے حاضر ہے۔ آؤ آؤ۔ میرے ساتھ چلو۔ میرے غریب خانہ کو اپنے رُخ منور سے روشن کرو۔ میں بیشک فی الحال ایک غریب طالب علم ہوں۔ مگر نہ ایسا کہ متحمل نہ ہوسکوں۔ میرا نوکر خدمت کو حاضر ہے۔ فی الحال آپ کو چھ سات ماہ تکلیف ہوگی"۔
پاربتی: "شامی پیارے۔ انہاں گلاں دا وسواس نہ کرو۔ مینوں نوکر دی جرورت نہیں۔ میں اپنا تے تہاڈا سب کم اپنی ہتھیں کر سکانگی۔ میں چنگی رسویاں اچھا ودی۔ محنتی ٹہلن۔ پیارے وسواس نہ کرو۔ مینوں تکلیف نہ ہوسی۔ جیکر اک ویلے کھان نوں بھی نہ ملے تد بھی تہاڈا دیدار ویکھ کے جی سکنی ہاں"۔ (شامی پیارے اس بات کا کچھ خیال نہ کرو۔ مجھے نوکر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا اور تمہارا کام اپنے ہاتھ سے

کر سکتی ہوں۔ مَیں بہت عمدہ رسویا ہوں۔ بہت عمدہ درزی۔ نہایت محنتی خدمتگار پیارے مت خیال کرو کہ مجھے تکلیف ہوگی۔ اگر ایک وقت کھانے کو بھی نہ ملے تب بھی تمہارے دیدار پر جی سکتی ہوں)

شام :- رام رام۔ پاربتی۔ تم کیا کہتی ہو۔ بھگوان نہ کرے۔ کھانا اور کپڑا خاطرخواہ تم کو اور تمہارے غلاموں کو حاضر ہے۔ تمہارا شام گو غریب طالب علم ہے مگر بالکل گیا گذرا نہیں ہے۔ پچاس روپیہ ماہوار باپ سے لیتا ہوں۔ اور اٹھارہ روپیہ ماہوار کالج سے وظیفہ پاتا ہوں"

پاربتی :- اوہو۔ شامی جی اینا تاں سانوں کافی نالوں بھی جیادہ ہے۔ مَیں تاں ایس وچوں دو تہائی تہاڈے کھرچ نوں بھی دے سکنی ہاں" (اوہو۔ شامی جی۔ اِس قدر تو ہم کو کافی سے بھی زیادہ ہے۔ مَیں تو اِس میں سے دو تہائی صرف تمہارے خرچ کو بھی دے سکتی ہوں)

شام :- میری پیاری میں ایسا لٹیرا اور حریص نہیں ہوں۔ میرا کالج کا وظیفہ میرے واسطے کافی ہے! اور والد کے پاس سے جو کچھ ملتا ہے۔ وہ سب تمہارے واسطے حاضر ہے۔ کہو۔ کہو۔ جلدی کہو۔ کب میرے ویران گھر کو آباد کروگی"

پاربتی :- شامی جی پیارے تسیں بڑے فیاض ہو۔ پر اہ کارج چھیتی دا نہیں سوچ سمجھ لو" (اوہو شامی جی پیارے تم بہت فیاض آدمی ہو۔ مگر یہ کام جلدی کا نہیں ہے۔ نشیب و فراز سوچ لو)

شام :- میری جان نشیب و فراز کیا مجھے کچھ ضرورت نشیب و فراز سوچنے کی نہیں ہے۔ میری تو جان تک تمہارے واسطے حاضر ہے۔ کیا تم کو میری طرف سے ابھی اطمینان نہیں ہے"

پاربتی :- نا اہ نہ آکھو۔ مینوں تہاڈے تے اعتبار دی کجھ لوڑ نہیں" (ایک بوسہ لیکر) (نہیں ایسا نہ کہو۔ مجھے تم پر اعتبار کی کچھ ضرورت نہیں ہے)

شام (بوسہ کا جواب دیکر) :- پھر کیا نشیب و فراز کہتی ہو؟"

پاربتی :- شامی پیارے چھیتی دے وچہ کم کھراب ہو جاندا ہے۔ جیہڑا منکھ سوچ نال کم کردا ہے۔ پچھوں اُسنوں دُکھ اُٹھانا نہیں پیندا۔ تے جیکر دُکھ پے بھی جائے تاں کھشی نال سہندا ہے" (شامی پیارے جلدی سے کام خراب ہو جاتے ہیں جب

آدمی سوچ سمجھ کر کوئی کام کرتا ہے تو پھر اُس سے دُکھ نہیں اُٹھاتا ۔ اور اگر اٹھانا بھی پڑ جائے
تو خوشی سے برداشت کرتا ہے)

شام :- "میری پیاری جان پاربتی ۔ تم یہ کیا چبا چبا کر باتیں کرتی ہو ۔ تمہارے واسطے
مجھے سب کچھ منظور ہے ۔ کیا تم یہ خیال کرتی ہو ۔ کہ میرے باپ کو خبر ہوگی تو وہ میرا
خرچ بند کر دیگا ۔ اور کچھ پرواہ نہیں ۔ اِس وقت میرا اپنا ڈھائی ہزار روپیہ سیونگ بنک
میں موجود ہے ۔ جو کچھ باپ نے دیا وہ برابر جمع کرتا رہا ہوں ۔ پرمیشر نے چاہا تو جلد امتحان
میں پاس ہو کر گورنمنٹ سے جگہ لیتا ہوں ۔ تم اِس کا فکر نہ کرو ۔ ہاں معلوم ہوتا ہے تم کو
مجھ سے کچھ محبت نہیں ہے ۔ تم اپنا فکر کرتی ہو؟"

پاربتی :- "ہاں میں عورت ۔ زنانی ذات ہاں اپنی پریت دا بیان نہیں کر سکدی ۔
ہاں ۔ پر شامی پیارے ۔ مَیں اج بھی تہاڈی ۔ کل بھی تہاڈی ۔ جے تُسیں مینوں دھکے
بھی دیوگے ۔ تد بھی تہانوں نہ چھڈانگی ۔ پر مینوں فکر ایہ وے کہ کوئی مقدمہ تہاڈے
پچھے نہ بنالین جس دے وچہ تہاڈی بے عزتی ہووے ۔" (آنکھوں میں آنسو لا کر) میں
عورت ذات ہوں ۔ اپنی محبت کا اظہار اچھی طرح نہیں کر سکتی ہوں ۔ مگر شامی پیارے
میں آج بھی تمہاری ہوں کل بھی تمہاری ۔ اگر مجھے دھکے بھی دوگے ۔ تو بھی تم کو نہ چھوڑوں
گی ۔ مگر مجھے خیال ہے ۔ کہ کوئی مقدمہ وغیرہ تمہارے برخلاف نہ بنایا جاوے جسمیں
تم کو بے عزت اور بدنام ہونا پڑے)

شام :- "پیاری ۔ اگر تم میرے ساتھ ہو ۔ تو میرا کچھ نہیں بگڑ سکتا"

پاربتی :- "میں سوواری آکھ بیٹھی ہاں ۔ کہ مَیں تہاڈی گولی ہاں ۔ مینوں تساں نہیں انکار
نہیں ۔ بھری سبھا دے وچہ آکھ دیساں جو میں اپنی مرضی نال گئی ہاں ۔" (میں سو دفعہ کہہ
چکی ہوں ۔ کہ مَیں تمہاری لونڈی ہوں مجھے تم سے انکار نہیں ۔ بھری سبھا میں کہہ دونگی
کہ میں اپنی مرضی سے گئی ہوں)

شام :- "پھر کچھ پرواہ نہ کرو (گلے میں باہیں ڈالکر) آؤ ۔ چلو ۔ گھر چلیں"

پاربتی :- "ناں ۔ شامی جانی ۔ جے میں ایسے طرح چلی گئی ۔ تے کد تیک گل لکی رہسی اک نہ
اک دن جرور کھل جاسی ۔ برادری دے وچہ کھپ ہو ویگی ۔ میرا پیو بے عجتی دے مارے کچھ کھا کے
مر جائیگا ۔" (نہیں شامی جانی ۔ اگر میں اس طرح چلی گئی تو کب تک بات چھپ سکتی ہے ایکدن

پھوٹ نکلیگی - برادری میں خبر پھیلجائیگی - میرا باپ بیعزتی کے سبب کچھ کھا کر مر جاویگا)
شام :- پھر پیاری بدنامی تو ایکدن ضرور ہوگی - میری - تمہاری اور ہمارے والدین کی "
پاربتی :- وے پیارے کوئی اچھی ترکیب نہیں - جس نفیرا یہ بدنامی نہ ہووے " (کیوں پیارے کوئی ایسی ترکیب نہیں - جس سے یہ بدنامی نہ ہو)
شام :- ہاں - ایسی بھی ترکیب ہے - دس آدمی اگر بُرا کہینگے - تو بیس اچھا بھی کہینگے "
پاربتی :- ہاں - ہاں - وہ ترکیب ٹھیک ہووے گی - وہ کیہڑی ہے ؟ " (ہاں - ہاں وہ ترکیب ٹھیک ہوگی - وہ کیا ہے)
شام :- ہم دونو علیحدہ علیحدہ ستیانند اگنی ہوتری کے پاس جائیں اور برہمو بنجائیں - پھر ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں موافقت پیدا کر کے شادی کرلیں "
پاربتی :- ہاں پیارے شامی - ہے تاں ٹھیک - میرا لالہ برہمو دھرم دی تریف کردا ہوندا ہے - میں بھی اتہاں لوکاں دی نیکیاں دا بہت حال سُنیا ہے - آکھدے نے سوامی جی بہت دیوتا ہین " (ہاں - ہاں پیارے شامی ہے تو ٹھیک - میرا باپ بھی برہمو مت کی بہت تعریف کیا کرتا ہے - اور میں نے بھی ان لوگوں کی نیکیوں کا بہت کچھ حال سُنا ہے - کہتے ہیں سوامی جی بڑے دیوتا آدمی ہیں)
شام :- بیشک بیشک سوامی جی تو بڑے دیوتا ہیں - اُنہوں نے مُلک سے بدیکی کا تخم اکھاڑنے کا بیڑا اُٹھایا ہے - ہمارا کام چونکہ ملک اور قوم کے لئے مفید ہے وہ دل و جان سے ہماری امداد کرینگے "
پاربتی :- ہلا پیارے - اسیں تُسیں چھیتی اس دا بندوبست کرانگے - پر یاہ کد وِل کردگے - امتحان توں پچھے " ؟ (اچھا پیارے - ہم جلدی ہم اس کا بندوبست کرینگے - پھر شادی کب کروگے - امتحان کے بعد)
شام :- اوہو - جانی - تم بڑی بے رحم ہو - امتحان کے بعد - امتحان میں تو ابھی ۸ یا ۹ ماہ کی دیر ہے - اس قدر انتظار کس سے ہوگا "
پاربتی :- پھیر کد وِل - ؟ " (پھر کب)
شام :- میری جان - صرف پچیس دن کے بعد ڈھائی مہینے کی چھٹی ہوگی - بس چھٹی ہوتے ہی "

پاربتی :- "ہا پیارے - مَیں اپنی چیز بست سانبھ لاں - پھیر دو چار دن پیچھے تہاڈے نال چلانگی - ویکھو ہُن گل پکی ہوگئی ہے" - (اچھا پیارے - میں اپنا مال اسباب سنبھال لوں پھر دو چار دن بعد ایک دن تمہارے ساتھ چلونگی - دیکھو اب بات پختہ قرار پاگئی ہے)

شام :- "ہیں - ہیں - پاربتی پیاری کیا تم مجھے بچہ سمجھتی ہو - کہ میں بات سے پھر جاؤنگا"

پاربتی :- "ناں - ناں - رام رام - مَیں تے تہاڈے نال ہسنی آں - ہاں پیارے - ہُن دن نکلن والا ہے - جیوندے رہانگے تاں کل پھیر ملانگے - نالے پھیر تہانوں دستاں گی جو مَیں کی انتجام کیتا ہے" - (نہیں نہیں - رام رام میں تو تم سے ہنستی ہوں - اچھا پیارے اب دن نکلنے کو ہے جیتے رہے تو کل پھر ملینگے - اور پھر میں تم کو بتادونگی کہ میں نے کیا انتظام کیا ہے)

شام :- "خبردار جانی - تم گھر سے کچھ اسباب لانا - رام کی دیا سے سب کچھ موجود ہے - جاؤ اب پرمیشر تمہارا نگہبان ہے - آؤ چلتے وقت ذرا گلے سے تو لگ جاؤ"

بزرگوں نے سچ کہا ہے "دیوار ہم گوش دارد آہستہ لب بجنباں" جوان عاشق و معشوق پیار و پیار کی باتیں کر رہے تھے - اور جے رام درخت کے پیچھے کھڑا سن رہا تھا - کئی دفعہ وہ کچکچیاں باندھ کر چپ رہا - اور خوب دھیان سے اُن کی تجویز سُن رہا تھا - پہلے تو وہ سوچ رہا تھا - کہ بالکل خاموش رہے - اور اگلے دن پاربتی کے باپ کو سب کچھ دکھائے - مگر جب بوسہ بازی کی تڑاخ تڑاخ آواز آنے لگی - تو اُس سے نہ رہا گیا جھٹ درخت کے پیچھے سے کہتا ہوا نکلا :-

مصر جے رام :- "اوئے سالیا ہندوستانی شیطاناں - توں بھلے انساناں دیاں دھیاں نوں خراب کردا ایں - ٹھہر جاں میں تینوں ویکھ تے سہی کہنے ٹھیک بناناہاں" - (اے ہندوستانی شیطان - کیوں تو اشرافوں کی بیٹیوں کو خراب کرتا ہے - ٹھہر تو سہی دیکھ میں تجھے ابھی درست کرتا ہوں)

یہ کہا اور جوتا اُتار کر چلا :-

جے رام کی آواز پہچان کر پاربتی "ہائے مَیں مر گئی ہائے میں مر گئی" کہتی ہوئی بھاگی اور بیس قدم کے فاصلہ پر جاکر بیہوش ہو کر گر پڑی ؛

مصر جی چاہتے تھے کہ شام کے جوتے لگادیں - اُس نے داؤ بچایا اور مصر جی کو کمر سے پکڑ کر سر سے بلند کر زمین پر دے مارا - اور اُن کے سینہ پر بیٹھ گیا ؛

مصر:- "ہائے رے ہائے ووڑ و اوے یار سٹیا۔ مار سٹیا" (ہائے رے۔ دہائی ہے۔ دوڑیو۔ مار ڈالا۔ مار ڈالا)

شام :- "چپ شیطاناں"

ایک مٹھی خاک کی بھر کر شام نے مصر جی کے منہ میں ڈال دی اور دو تین معقول تھپڑ رسید کئے۔

مصر :- "او ٹے بھگوان تینوں گارت کرے۔ ناں مار" (او بھگوان تجھے غارت کرے نہ مار)

شام :- "ہاتھ جوڑ گدھے۔ نہیں مار دونگا"

آہستہ سے گلے پر ہاتھ رکھا۔

مصر ہاتھ جوڑنے لگا۔

شام نے مصر کی پگڑی اُتار لی اور نہایت اطمینان سے مصر جی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اور کہا کہ جب تک میں یہاں سے چلا نہ جاؤں آواز نہ نکالیو! اگر ذرا بھی کُسکا تو تیرا گلا گھونٹ دونگا۔

مصر :- "میری کیا مجال جیکر حکم ہووے۔ تاں کل سویرتائیں ایتھوں ہی ایتھے پیا رھواں" (میری کیا مجال کیا طاقت اگر حکم ہو تو کل صبح تک یونہی یہاں پر پڑا رہوں (چپ چپ)

شام نرائن دہلی کا رہنے والا تھا۔ کوئی بنیا برہمن نہیں۔ بلکہ چھتری۔ اُس کا باپ پرانے فیشن کا آدمی تھا۔ وہ خود بڑا کثرتی جوان تھا۔ اور اُس نے شام نرائن کو بچپن ہی سے کثرت پر لگایا ہوا تھا۔

گو آج کل شام کو اپنی پڑھائی سے بہت کم فرصت ملتی تھی تاہم پانسو ڈنڑ اور پانسو بیٹھکیں اُس کے ناغہ نہ ہوتے تھے۔ وہ بہت مضبوط بدن تھا اُسکے سکول فیلو اُسکی طاقت کے سبب اُسکو سام کہا کرتے تھے۔ بیشک اگر شام کا باپ پرانے زمانہ کا نہ ہوتا جبکہ تمام دہلی کے شریف ہندو مسلمان کثرتیں کرتے تھے۔ بدن بناتے تھے طاقتیں پیدا کرتے تھے۔ تو وہ بھی آج کل کے تمام لڑکوں کی طرح مریل سا ہوتا۔ اور آج کے دن اس ذلیل سے برہمن کی وہ جوتیاں کھاتا۔ کہ اُس کی کھوپڑی پر ایک بال نہ رہتا۔

اب سُنئے کہ مصر جی مہاراج جکڑے پڑے تھے شام پاربتی کے پاس گیا نبض دیکھی دل دیکھا معلوم ہوا کہ کچھ خوف اُس پر طاری ہو رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کو ہلایا۔ ذرا ذرا دبایا۔ اُسے ہوش آیا۔

پاربتی:- آنکھیں کھولتے ہی "ہائے شامی جی۔ تہانوں کتے ست تاں نہیں لگی"

(ہائے شامی جی تمہارے کہیں چوٹ تو نہیں لگی)

شام :- "او نہیں پیاری چوٹ کیسی مجھے تو ذرا سا دھکا تک نہیں لگا!"

پاربتی :- "مصر جی کدھر گئے"؟ (مصر جی کہاں گئے)

شام :- "مصر جی سامنے پڑے خاک پھانک رہے ہیں"

پاربتی :- "بھگوان دے واسطے شامی پیارے تسیں ایتھوں ہن دوڑ جاؤ! ایہہ نہ ہووے کہ تہاڈے اُتے کوئی مصیبت پے جائے"! (ذرا سنبھل کر بھگوان کیلئے شامی جی پیارے تم یہاں سے اب بھاگ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر کوئی آفت آ پڑے)

شام :- "او پیاری ہمت پر وا کرو۔ یہ چھتری پوت ملنے والا نہیں ہے مصر جی تو اگر کل تک بات کر جائیں۔ تو میرا ذمہ۔ آؤ۔ اُٹھ کھڑی ہو جاؤ۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ بس اب ضرور چلو ورنہ میں سمجھتا ہوں اب تم پر آفتیں ٹوٹینگی"۔

پاربتی :- "میں سبھو کجھ برداشت کر لیساں پر جیکر اس ویلے تہاڈے نال لگی چلاں تاں تسیں کسے مصیبت وچ پھس جاؤ گے جاؤ پیارے۔ جاؤ ہن ایتھوں نس جاؤ۔ بھگوان تہاڈا راکھا ہے جے پرمیشر نے ملایا تاں کل توں پھیر ملساں۔ نہیں تاں جدوں پرمیشر کرپا کرن گے دیکھنا اپنی گولی پاربتی نوں بھلا نہ دینا جیکر کرپی پھیر جائے تاں میری گھر دی چوہڑی کولوں تہانوں پتہ لگ جاسی"۔ (میں سب کچھ برداشت کر لونگی۔ مگر اس وقت اگر تمہارے ساتھ چلی جاؤں۔ تو تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جاؤ۔ پیارے جاؤ۔ اب بھی دوڑ جاؤ۔ بھگوان تمہارا نگہبان ہے۔ اگر پرمیشر نے ملایا تو کل پھر ملونگی۔ ورنہ جب ایشر کرپا کرینگے دیکھنا اس لونڈی پاربتی کو کہیں بھول نہ جانا۔ اگر کرپی پھر جاوے۔ تو میرے مکان کی چوہڑی سے تم کو کچھ نہ کچھ پتہ مل جائیگا)

یہ کہکر پاربتی زار زار رونے لگی اور ہمارا بہادر شام بھی سسکے گلے سے لگ کر رو پڑا۔ کرپی ایک درخت کے پیچھے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مگر اندھیرے میں اُسے کچھ دکھائی نہیں دیا کہ اُس کا باپ زمین پر خاک پھانک رہا ہے وہ درختوں کے پیچھے سے پھر کر آئی اور پاربتی سے کہنے لگی :-

کرپی :- "کیوں باپ تیرے تمیں کہندی نہیں ساں۔ جو بہتا چر گلاں نہ کریا کر۔ چل ہن تے بس کر۔ آ دریا تے دوڑ چلئے"! (کیوں پاربتی میں کہتی نہ تھی کہ تو بہت دیر باتیں نہ کیا کر۔ چل اب تو بس کر۔ آ دریا پر دوڑ چلیں)

پاربتی (سسکیاں بھر کر) :- بھچا بھیناں - میرا ہتھ پھڑ" (اچھا بہن میرا ہاتھ پکڑ)

یہ دونوں لڑکیاں دریا کی طرف روانہ ہوئیں - ہمارا بہادر شام اُن کو جاتا ہوا نہایت حسرت سے دیکھتا رہا - جب یہ باغ سے نکل گئیں - تو شام مصر جی کے پاس آیا وہ ہاتھ جوڑے زمین پر پڑا تھا منہ میں خاک تھی - کچھ بول نہ سکتا تھا - شام نے ایک اور مٹھی خاک کی بھر کر اُس کے منہ میں ڈالدی اور اپنی چھڑی کو مضبوط ہاتھ میں پکڑ کر گھر کی طرف روانہ ہوا اور گلیوں میں سے چکر کھاتا ہوا اطمینان سے گھر میں داخل ہو گیا +

آزاد ہوئے

سورج نکل آیا - کوؤں کی کائیں کائیں سُنائی دینے لگی - پھولوں پر بلبلیں چہچہانے لگیں - طوطوں کے جھنڈ اُڑنے شروع ہوئے +

مالیوں کی ہرے کی آوازیں آنے لگیں - لوگوں کی آمدورفت زیادہ ہو گئی +

بیچارہ دال بھاجی کے کھانے والا مصر آنکھیں بند کئے چپکا پڑا ہے ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں ڈر کے مارے آنکھیں نہیں کھولتا - ایک مالی کا لڑکا ادھر سے گذرا - پاؤں کی آہٹ سنکر مصر اور دبک گیا - کہ شاید شام ہو تو مردہ سمجھ کر چھوڑ دے +

مالی کا لڑکا دوڑا دوڑا اپنے باپ کے پاس گیا +

لڑکا :- بپو بپو - بوٹیاں دے وچ اک بندہ مویا پیا ئے" (باپ رے باپ اِن درختوں کے پیچھے اک آدمی مرا پڑا ہے)

مالی :- مویا پیا - مویا پیا اے - اوے منڈے توں کی کہنا ایں" (مرا پڑا - مرا پڑا ہے او لڑکے تو کیا کہتا ہے)

لڑکا :- ہاں ہاں - مویا پیا اے - کسی نے اوہدے ہتھ پیر بنھ دتے ہوئے نے - میں نوں تا اُس نوں ویکھ کے ڈر آگیا اے" (ہاں ہاں بالکل مرا پڑا ہے کسی نے اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دئے ہیں میں تو اُس کو دیکھکر ڈر گیا ہوں)

مالی :- ربا خیر ہووے کون حرامدا پتر مار کے سُٹ گیا ہے - ہُن اساں دی شامت آ وگی چاچا - اوے منڈیا اللہ دے تے نوں کھبر کرآ" (یا الٰہی خیر یا خدا خبر نہیں کون حرام کا بچہ مار کر پھینک گیا ہے اب ہماری شامت آئیگی

جا بے لڑکے اللہ دتا کو خبر کر) +

لڑکا :۔ اللہ دتیا ۔ میرا پیو تینوں سد دا ئے '' (او اللہ دتا ۔ میرا باپ تم کو بلاتا ہے) +

اللہ دتا :۔ کی اوے منڈیا کی کہنا ایں '' (کیا ہے لڑکے کیا کہتا ہے) +

لڑکا :۔ باگ وچ اِک بندہ مویا پیا ئے '' (باغ میں ایک آدمی مرا پڑا ہے) +

اللہ دتا :۔ خیر ہووے سہی ۔ بندہ مویا پیا ئے '' (یا الٰہی خیر ہو آدمی مرا پڑا ہے) +

لڑکا :۔ ہاں اوے چھیتی کر ۔ میرا پیو تینوں چھیتی بلاؤندا ئے '' (ہاں جلدی کر میرا باپ تم کو بلاتا ہے)

مالی ۔ لڑکا ۔ اللہ دتا تینوں ملک مصر کے پاس آئے اور اُسے بے حس و حرکت دیکھ کر ڈر گئے +

اللہ دتا :۔ اوے کرم دیناں ۔ بڑا غضب ہو یار ا یہ تاں بالکل مردہ ہے سارے مالی پکڑے جان گے ۔ دن چڑھ پیا تے ہُنے پلس آجا ویگی '' (او کرم دین بڑا غضب ہوا ۔ یہ تو بالکل مردہ ہے تمام مالی پکڑے جاویں گے دن نکل آیا تو ابھی پولیس آجاوے گی) +

کرم دین :۔ پھیر یار دس کی صلاح کریئے ۔ کسی حرام دے پُتر نے سانوں پھاہے دوانا چاہیا ئے (پھر یار بتلا اب کیا تدبیر کریں ۔ کسی حرام کے بچے نے ہم کو پھانسی دلوانا چاہا ہے)

اللہ دتا :۔ ایس تھاں تھیں ہُن نس چلیئے '' (اس جگہ سے اب بھاگ چلیں) +

کرم دین :۔ ہوں ۔ ہوں جیکر نس گئے تاں جرور پھڑے جاواں گے '' ہاں ہاں ۔ اگر بھاگ گئے تو ضرور ہی پکڑے جائینگے) +

اللہ دتا :۔ اویار بھج تے تاں ہُن اسیں کسے طرح نہیں آ ؤ نیڑے چلکے تے ویکھیئے '' (او یار ۔ بھاگ تو اب ہم کسی طرح نہیں سکتے ۔ آؤ ۔ اس کے نزدیک چلکر تو دیکھیں) +

مالی آگے بڑھے مصر اُن کے پاؤں کی آواز سے چونکا جھٹ ہاتھ اونچے کر لئے اور کہنے لگا ۔

مصر :۔ نا مار اوئے نا مار ۔ تینوں رام کھوئے ۔ تیر انشیب و فراز ار یا جائے بس تاں مر گیا جالم ہُن تاں کر پا کر '' (او مت مار او مت مار تجھے بھگوان کھوئے مت مار میں تو بالکل مر گیا ظالم اب تو رحم کر (سپ سپ) +

مالی دھک سے رہگئے :۔

لڑکا :۔ بھوت نا اوے بھوت نا '' (بھوت ۔ بھوت)

لڑکا یہ کہتا ہوا بھاگ گیا +

اللہ دتا :۔ اوئے توں کیہڑا ایں '' (او تو کون ہے بے) ؟

مصر :۔ رام لے رام اوئے ہُن تاں بس کر میرے وچ تے ہُن ست بھی باقی نہیں ہیا ''

(پھپ پھپ) رام رے رام ہاؤ۔ اب تو بس کر۔ اب تو میرے بدن میں دم بھی باقی نہیں رہا)۔ (پھپ پھپ) +

کرم دین: "اوے توں کیہڑا ایں۔ تے کی کہنا ایں؟" (او تو کون ہے۔ اور کیا کہتا ہے)؟

مصر: "میں گریب بہمن ہاں۔ کجھ نہیں کہندا۔ بس کر۔ پرمیشر دے واسطے ہن مینوں نہ مار" (پھپ پھپ)۔ (میں غریب مصر ہوں۔ کچھ نہیں کہتا۔ بس کر۔ پرمیشر کے واسطے اب مجھے نہ مار)۔ (پھپ پھپ)

کرم دین: "اوے اسیں تے نہیں ماردے۔ جیکر آکھیں تے تیریاں ٹنگاں باہواں کھولدیئے" (او ہم تو نہیں مارتے۔ اگر کہیں۔ تو تیرے ہاتھ پاؤں کھول دیں)

مصر (ہاتھ بندھ کے) "کھولدیو" پھپ پھپ) (ہاتھ جوڑ کر) کھولدو)۔ (پھپ پھپ)

مالیوں نے مصر کے ہاتھ پاؤں کھول لیئے۔ اور اُس کو اُٹھا کر بٹھایا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا نہ شام ہے نہ بارتی۔ دو مالی پاس کھڑے ہیں دن خوب نکل آیا تھا۔ مصر نے منہ سے مٹی نکالی۔ مالی اُسے اُٹھا کر کنوئیں پر لیگئے۔ وہاں جا کر مصر جی نے کلی کی منہ ہاتھ دھویا دو چار گھونٹ پانی کے پیئے۔ ذرا دم میں دم آیا۔ اب حالت کا خیال کرنے لگا +

مالی: "مصر جی سناؤ تہاڈے اُتے کی ورتی؟" (مصر جی سناؤ تم پر کیا بیتی) +

مصر: "اے بھائیو تسیں کجھ نہ پچھو۔ میرے کول کجھ نگدی سی۔ دو لچیاں نے ویکھ لیا سی۔ میں راوی اُتے اشنان کرن چلیا ساں۔ جالماں نے مینوں مار مار پاں وکھیاں بھن چھڈیاں نے۔ ہائے ہائے۔ میرے کولوں تاں ٹُرن بھی نہیں ہوندا۔ جالم سبھو کجھ لے گئے۔" (اجی بھائیو کچھ نہ پوچھو۔ میرے پاس کچھ مال نقدی تھا۔ دو بدمعاشوں نے دیکھ لیا تھا۔ راوی پر نہانے جاتا تھا۔ ظالموں نے مجھے خوب مارا کہ میرے سینہ اور پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ ہائے ہائے مجھ سے تو چلا بھی نہیں جاتا۔ ظالم سب کچھ میرے سے چھین کر لے گئے) +

مالی: "اے ماڑے دن دھاڑے۔ مصر جی تساں نے رولا نہ پایا۔" (یا خدا۔ خدا۔ ڈاکہ دن دھاڑے۔ مصر جی تم چیخے بھی نہیں تھے) +

مصر: "میں وہاں فوں تاں میں خوب ماردیا رہیا۔ پھیر تاں اوہ کوئی سو سنجاہ نکل پئے۔ جالماں نے میرا منہ میٹ لیا۔ ٹنگاں باہواں بجھ تیاں۔ تے پھیر بڑا ہی ماریا۔ پھیر کی رولا پاناسی۔"

نہیں دو کو تو میں خوب مار رہا۔ پھر تو وہ کوئی سو پچاس نکل آئے۔ ظالموں نے میرا منہ بند
کر دیا۔ ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اور پھر بہت ہی مارا پھر کیا چیخنا تھا) +

مالی: وے کی کجھ لے گئے۔ ویکھو تاں کوئی مالی تے نہیں سی؟ (کیا کچھ لے گئے۔ دیکھو تو کوئی
مالی تو نہیں تھا) +

مصر: رام رام۔ مالی تاں ڈاڈھے بھلے مانس ہین۔ او وہ تاں کوئی ہندوستانی سن۔ میرے
ہتھوں کڑیاں دی جوڑی تے پندراں روپے روک لے گئے نے۔ (رام رام۔ مالی تو بڑے
اشراف ہیں۔ وہ تو کوئی ہندوستانی تھے۔ میرے ہاتھوں سے کڑوں کی جوڑی اور پندرہ
روپے نقد لے گئے ہیں۔) +

مالی: کڑے۔ کڑے کاہدے سن؟ (کڑے کس چیز کے تھے) +

مصر: سونے دے۔ کل ہی تے مینوں اک جیمان نے دتے سن۔ (سونے کے تھے۔
اور کل ہی تو مجھے ایک جیمان نے دیئے تھے) +

مصر مالیوں کو دم دے کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ مالی خوش ہوئے کہ آفت سے محفوظ
رہے۔ دونوں نے شکرانہ کے دو دو نفل پڑھے +

مصر دل میں سوچنے لگا کہ پہلے اپنے گھر جاؤں یا پاربتی کے باپ سے ملوں۔ غصہ تو
اسے ایسا آ رہا تھا کہ سیدھا پاربتی کے باپ کے پاس جائے۔ مگر اس نے سوچا کہ مصرانی
کی صلاح لینی چاہیے کہ پاربتی ابھی گھر نہیں آئی ہو گی جب وہ آ گئی تو اس کے سامنے ایسی بات
چیت نہ ہو سکیگی پس وہ سیدھا اپنے گھر گیا۔ مصرانی کی شکل دیکھ کر وہ کچھ پاگل سا ہو گیا +
جھٹ ایک چارپائی پر لیٹ کر ہائے ہائے کرنے لگا۔ مصرانی دوڑ کر اس کے پاس آئی +

مصرانی: کی ہویا؟ تیرے پیو کی ہویا؟ (کیا ہوا؟ تیرے باپ کیا ہوا) +

مصر: ہائے نی میریئے! تیرے پیر گٹ ہائے مرے گئے۔ (اری میرے ہاتھ پاؤں ہائے ہائے) +

مصرانی: کیوں تول آج سویلے ہی ٹل ہلا ہندا آیا ہیں؟ (کیوں تو آج سویرے ہی
سویرے کہیں سے چوٹ کھا آیا ہے) +

مصر: ہائے نی میں تاں اج مر گیا۔ (ہائے اری میں آج مر گیا)

مصرانی: وے دس بھی۔ تاں کی ہویا کی؟ (ارے بتلا بھی کہ تجھے ہوا کیا) ؟

مصر: ہائے نی میں اج مار گیا سان۔ کھتری دی گڑی پاربتی اک ہندوستانی نال گلاں پئی کر دی سی۔

مینوں ویکھ کے گُسّہ آیا۔ تے میں اُستوں پھڑ لیا۔ اتنے وچہ کوئی پندراں ویہہ ہندوستانی ہور نکل آئے
تے میرے اگے پچھے چمڑ گئے۔ چاہندے سن جو مینوں مار سن۔ میں پنجاں چھیاں نوں تے ہتھاں تے اٹھاں
دساں نوں لتاں نال ماریا۔ اوس حرامدے نوں جیہڑی جیس دے نال کڑی گلاں کردی سی اُستوں تاں اینا
ماریا جے اوتھے نہیں مویا تاں گھر جا کے جرور مر گیا ہوئیگا"۔ (آج میں باغ گیا تھا کھتری
کی بیٹی پاربتی کسی ایک ہندوستانی کے ساتھ کچھ باتیں کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر غصہ آگیا
اور میں نے اُس کو پکڑ لیا۔ اتنے میں کوئی پندرہ بیس ہندوستانی اور نکل آئے۔ اور میرے
آگے پیچھے چمٹ گئے۔ چاہتے تھے کہ مجھے مار ڈالیں۔ مَیں نے پانچ چھ کو تو ہاتھوں اور
آٹھ دس کو لاتوں سے مار کر ایک طرف پھینکدیا۔ اور اس حرامی کو جیس کے ساتھ لڑکی
باتیں کر رہی تھی۔ اتنا مارا کہ اگر وہاں نہیں مرا تو گھر جا کر ضرور ہی مر گیا ہوگا) ✤
مصرانی:۔ "وے رے میرے بہادر مصر دس پندراں دے پینکھاں نوں نوں اکلے ہی نے مار کے نسا
دتا۔ تاں توں اج ڈاڈھا ہی تھک پیا ہو وینگا"۔ (واہ ہو میرے بہادر مصر دس پندرہ بیس آدمیوں
کو تم اکیلے ہی نے مار کر بھگا دیا۔ تب تو تم آج بہت ہی تھک گئے ہوگے) ✤
مصر:۔ "ناں مصرانی۔ کجھ اجیہا نہیں تھکیا۔ ارجن بھیم دی اولاد کدے تھکدی ہے۔ ہاں
ٹنگاں باہواں پٹیر کردیاں ہین۔ ہوں۔ ہوں۔ جرا دبیں تاں"۔ (نہیں مصرانی کچھ ایسا
نہیں تھکا۔ بھلا ارجن بھیم کی اولاد بھی تھکتی ہے۔ ہاتھ پاؤں دکھنے لگے۔ اوں اوں ذرا دبا تو سہی)
مصرانی "ٹنگاں گھٹدی ہوئی)۔ "بھلا توں کی گلاں سُنیاں"۔ (ٹانگیں دباتی ہوئی) بھلا
کیا کیا باتیں تو نے سُنیں) ✤
مصر:۔ "اک گل ہووے تاں دساں۔ اُس نے تے گلاں دے پُل بنھ دتے۔ گل ایہ وے۔
پاربتی دو چواں دناں نوں پچھے اوہدے نال نس جائیگی"۔ (ایک بات ہو تو بتاؤں۔ اُس نے
تو باتوں کے پُل باندھ دیئے۔ مختصر یہ ہے کہ پاربتی دو چار روز کے بعد اُس کے ساتھ
بھاگ جاویگی) ✤
مصرانی:۔ "نس جاسی۔ مصر جی ایہ تسیں کی آکھدے ہو"۔ (بھاگ۔ بھاگ جاویگی مصر جی
یہ تم کیا کہتے ہو) ✤
مصر:۔ "ہاں۔ ہور کی۔ اوہ دووین تے اجیہا گلاں کردے سن۔ جیویں کنجری تے اوہدا یار
ایساں نے کدے اج تک توں ایں لاڑی تے لاڑے نوں ایہ جیہاں گلاں کردیاں نہیں ڈٹھا۔ اک وچ

نوں اجیہا پیار کردے سان۔ جپھچاچٹ ویکی دی آواز نال سارا باگ گونج دا اسی" (ہاں! اور کیا وہ تو آپس میں ایسی باتیں کرتے تھے۔ جیسے ایک رنڈی اور اُس کا یار۔ ہم نے تو آج تک کبھی کسی نئے دولہا دلہن کو بھی ایسی باتیں کرتے نہیں دیکھا۔ وہ تو ایک دوسرے کو ایسا پیار کرتے اور چومتے تھے کہ چٹاخ چٹاخ کی آواز سے سارا باغ گونج اُٹھا تھا)

مصرانی:- ہے منہ چم دے سن۔ ہائے اُنہاں دا مشک مارہا جائے! اُنہاں دی جڑھ پٹی جائے۔ کواری کنیاں تے ایہ گلاں۔ رام رام کیہو جیہے ویلے آپہنچے نے۔ کلجگ دیاں گلاں جو سنیاں جاندیاں سن۔ او صحیح نکلیاں! ہائے لہڑا۔ کرپی بھی تاں نال سی" (منہ چومتے تھے ہائے اُن کا مشک مارا جائے۔ اُن کی جڑ اُکھڑ جائے۔ کنواری۔ لڑکی اور یہ باتیں! ارے رام رے رام کیسے وقت آ گئے ہیں۔ کلجگ کی باتیں جو سُنی جاتی تھیں وہ سچ ہی نکلیں ہائے میری کرپی بھی تو پاربتی کے ساتھ ہی تھی)

مصری:- کنیاں۔ اچھا وہ کنیاں ہی رہ گئی۔ کھبر نہیں کتنے مسٹنڈے ہنڈائے ہون گے۔ ہائے کرپی نوں بھی برباد کیتا ہوسی۔ پر آج کرپی تے نال نہیں سی۔ نہیں جے رام دی دھی اجیہاں گلاں والی نہیں! او چنگی دھی اے" (کنیا! ابھی وہ کنیا ہی رہ گئی۔ خبر نہیں کتنے دیکھ چکی ہو گی۔ ہائے کرپی کو بھی برباد کیا ہو گا۔ مگر آج کرپی تو ساتھ نہیں تھی۔ نہیں جے رام کی بیٹی ایسی باتوں میں شامل ہونے والی نہیں وہ بڑی اچھی بیٹی ہے)

مصرانی:- کرپی جاندی تاں پاربتی نوں نال لیکے وے" (کرپی جاتی تو پاربتی کو ساتھ لیکر ہے)

مصری:- ہاں کل وی اہاں نوں اکٹھیاں ہی دیکھیا سی۔ پر آج تے کرپی دا کدھرے پتہ نہیں سی۔ نہیں او وڈی ہی نیک کڑی ہے۔ اجیہے ویلے او الگ ہو گئی ہوسی" (ہاں کل تو دونوں کو ساتھ ہی دیکھا تھا۔ مگر آج کرپی کا کہیں نشان تھا نہیں وہ بڑی نیک لڑکی ہے ایسے موقعہ پر وہ ضرور علیحدہ ہو گئی ہو گی)۔

مصرانی:- ہائے ہائے جیکر پاربتی نس گئی تاں سانوں بڑا نقصان ہوسی لوں چھوٹے منڈے دے پیو نے تاں چھیتی ناطہ کروان دے اُتے سو روپئے دینے آکھے سان۔ کھیر نہیں ویاہ تے کی تیکہ ہتھ لگ دا" (ارے ہے اگر پاربتی بھاگ گئی تو ہمارا بڑا نقصان ہو گا۔ اُس چھوٹے لڑکے کے باپ نے تو صرف ناطہ کرا دینے کے ہی سو روپئے دینے کہے ہوئے

ہیں! ور خبر نہیں بیاہ کے موقع پر کیا ملتا ہے)

مصر:۔ ہاں تو سچ کہنی ایں۔ پھیر دس ہُن ہیں کی کراں"؟ (ہاں تو سچ کہتی ہے۔ پھر بتلا اب مَیں کیا کروں)

مصرانی:۔ پاربتی دے پیو کول جا کے ساریاں گلاں اُہنوں سُنا۔ جے ایہہ بند و بست ہو جاوے تاں چنگا ہے نہیں تے جیکر پاربتی نس گئی تاں ہتھ ملنے پین گے"۔ (تو پاربتی کے باپ کے پاس جا اور ساری باتیں اُسے سُنا۔ ابھی بند و بست ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ اگر پاربتی بھاگ گئی تو ہاتھ ملنے پڑینگے)

مصر:۔ ہاں ایہو ای تاں میں تیرے کولوں پُچھدا ساں۔ ہَلا ذرا ٹھہر جا اُسدی ہَٹی تے جاوانگا۔ تے اوتھے سارا حال اُسنوں سناوانگا"۔ (ہاں یہی تو مَیں تجھ سے پوچھتا ہوں۔ اچھا ذرا ٹھیر کر اُس کی دکان پر جاؤنگا اور وہاں سب حال اُسے سُناؤنگا)

مصرانی:۔ ہاں جیڈی چھیتی ہو سکے اِسدا بند و بست کر۔ ہر بھگوان تاں بڑا عجت والا ہے"۔ (ہاں جس قدر جلدی ہو سکے اس کا بند و بست کرنا چاہئے۔ ہر بھگوان تو بڑا عزت والا آدمی ہے)

مصر:۔ بیشک بڑی عجت والا حیا والا ہے۔ جیکر اُسنوں کھبر لگ گئی تاں کُڑی نوں جانوں مارے بگیر نہ چھڈسی"۔ (ہاں بیشک بڑی عزت اور بڑے حیا والا ہے۔ اگر اُسے خبر ہو گئی۔ تو بیٹی کو جان سے مارے بغیر نہ چھوڑیگا)

مصرانی:۔ ہائے۔ جے جانوں مار چھڈیا تاں ساہنوں کی ملسی"۔ (ہائے ہے اگر جان سے مار دیا تو ہمیں کیا ملیگا)

مصر:۔ ناں ناں۔ مَیں ایس طرح آکھانگا۔ جو اوہ سُرف کھبر گیری کرے۔ تے اُہنوں جانوں نہ مارے۔ راوی تے جان نہ دین دیوے۔ توں کھاطر جماں رکھ اپنا پھائدہ نہ چھڈانگا"۔ (نہیں نہیں۔ مَیں اس طرح کہونگا کہ صرف خبرداری کرے اور اُس کو جان سے نہ مارے۔ فقط راوی پر جانے سے روکے تو خاطر جمع رکھ میں اپنا فائدہ نہ چھوڑونگا)

چغلی اور سزا

مصرانی مصر کو دباتی رہی۔ تھوڑی دیر میں گرپی بھی آ گئی۔ باپ کو چارپائی پر دیکھ حیران

ہو گئی۔ کیونکہ اُس نے گت بنتے ہوئے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ پاربتی نے اُسے بتلایا تھا مصر بھی اس کی شکل دیکھ کر چُپ کا سا ہو گیا۔ کہ کہیں بھید نہ کھل جائے مصرانی نے آواز دیکر بیٹی کو کہا کہ "تم اپنے باپ کے ہاتھ پاؤں دباؤ میں بازار سے تھوڑا سا دودھ لے آؤں۔"

کرپی باپ کو دبانے لگی :-

مصر "کرپیئے اج توں پاربتی دے نال گئی سائیں"۔ (کرپی۔ آج تو پاربتی کے ساتھ گئی تھی)

کرپی "ہاں گھروں تاں نال ہی گئی ساں۔ پر راہ وچ ہور کڑیاں مل پیاں سن۔ میں اُنہاں وچوں اک دے نال اگے چلی گئی ہاں۔ پاربتی دوجیاں دے نال گلاں کردی پچھے رہ گئی سی"۔ (نہیں گھر سے تو پاربتی کے ساتھ ہی گئی تھی۔ مگر رستے میں کچھ اور لڑکیاں مل گئی تھیں میں اُن میں سے ایک کے ساتھ آگے چلی گئی تھی۔ اور پاربتی دوسریوں کے ساتھ باتیں کرتی پیچھے رہ گئی تھی)

مصر "پاربتی کسے منکھ دے نال گلاں کردی ہوندی اے"۔ (پاربتی کسی آدمی سے باتیں کیا کرتی ہے)

کرپی "کیہڑا منکھ میں تے کدے نہیں ڈٹھا"۔ (کون آدمی میں نے تو کبھی نہیں دیکھا)

مصر "اک بندہ آکھدا سی کہ پاربتی اک جوان ہندوستانی نال گلاں کردی ہوندی اے"۔ (ایک آدمی کہتا تھا کہ پاربتی ایک نوجوان خوبصورت ہندوستانی کے ساتھ باتیں کیا کرتی ہے)

یہ سُن کر کرپی کچھ جھجکی سی ہو گئی۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید مصر نے خود دیکھ لیا ہے قریب تھا کہ سب کچھ بتا دے۔ مگر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا۔ اور بات بنا کر یوں کہا :-

کرپی "ہاں باپو پاربتی ایہجی تے نہیں۔ ہاں اک دو دناں توں اک ہندوستانی جوان منڈا ساڈے پچھے آیا کردا اے۔ کل اساں اُہنوں بڑیاں گالیاں دتیاں سن۔ پر پاربتی نے اُس نال کوئی گل نہیں سی کیتی۔ پاربتی تے ڈاہڈی نیک کڑی اے۔ کسے نے اینویں جھوٹھ موٹھ آکھ چھڈیا ہونا ایں۔ ہاں گالاں بیشک کڈھیاں سن"۔ (نہیں باپ پاربتی تو ایسی نہیں ہے۔ ہاں دو ایک روز سے ایک ہندوستانی جوان لڑکا ہمارے پیچھے پیچھے آیا کرتا ہے۔ اسی واسطے کل ہم نے اس کو بہت سی گالیاں بھی دی تھیں مگر پاربتی نے اُس کے ساتھ بالکل کوئی بات ہی کی تھی۔ پاربتی تو بڑی اشراف لڑکی ہے۔ کسی نے یونہی جھوٹ کہدیا ہوگا۔ ہاں گالیاں بیشک نکالی تھیں)

مصر تھا بڑا ہوشیار۔ فی الفور سمجھ گیا۔ کہ کرپی اُس سے فریب کرتی ہے ضرور یہ بھی شریک

ہو گی۔ چپ ہو گیا کہ ایسا نہ ہو۔ پاربتی کو خبر کر دے اور دونو مل کر کوئی بات گھڑ لیں ✦
گھنٹہ بھر بعد مصرانی بھی اندر آئی اور ایک کٹورے میں کچھ گرم سا دودھ۔ ذرا سی شکر
ڈالکر لے آئی اور مصر جی کو پلا دیا۔ گرم دودھ کے پینے سے مصر جی کو ہوش آیا۔ انگڑائی
لیکر کھڑا ہو گیا۔ مصرانی کہتی بھی رہی کہ رسوئی چھک کر جائیو مگر وہ کچھ ایسی جلدی میں
تھا۔ کہ کچھ نہ سُنا چلدیا۔ دوڑا دوڑا گمٹی بازار میں آیا۔ ہر بھگوان دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔
مصر کو دیکھ کر بولا ✦

ہر بھگوان:۔ "آؤ او مصر۔ رام رام۔ دس گھر بار سب کھیتے ہے۔ راجی این انندایں" (آؤ مصر جی آؤ۔ رام رام۔ رام رام کہئے گھر بار سب خیریت تو ہے اور راضی خوشی ہو)

مصر:۔ "ہاں آپدی کرپا۔ سب انند ہے" (ہاں آپ کی کرپا سے سب سکھ چین ہے)

ہر بھگوان:۔ "وشوا دس تھاندی بھی کجھ کھبر ہے" (بتلائیے وہاں کی بھی کچھ خبر ہے)

مصر:۔ "کتھوندی۔ پاربتی دے سوہرھیاں دی" (کہاں کی پاربتی کے سسرال کی)

ہر بھگوان:۔ "آہو۔ اوسے جگہ دی" (ہاں اسی جگہ کی)

مصر:۔ "آہو۔ اج کل اوتھوں دا اک بندہ آیا سی۔ کہندا سی۔ ہور ہور تھانواں تھیں کتنے ای ناطے آئندے نے۔ پر منڈے دا پیو بالکل انکار کر دیندا اے" (ہاں ابھی کل ایک آدمی اس جگہ سے آیا تھا۔ کہتا تھا کہ اور اور جگہوں سے کتنے ہی ناطے آتے ہیں۔ مگر لڑکے کا باپ بالکل انکار کر دیتا ہے)

ہر بھگوان:۔ "اج کل کڑیاں بہت ہو گیاں نے۔ چنگا گھر ملنا مشکل ہے۔ تسیں چھیتی نال جا کے رسم کرآؤ۔ ایہ نہ ہوئے جو کدھرے ناطہ رک جاوے" (مصر جی آجکل لڑکیوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے۔ کہ اچھا گھر ملنا مشکل ہے آپ جلدی سے جا کر رسم کر آئیے ایسا نہ ہو کہ ناطہ رک جائے)

مصر:۔ "شاہ جی پہلاں اپنے گھر دا بندوبست تاں کر لو" (شاہ جی پہلے اپنے گھر کا تو بندوبست کر لو)

ہر بھگوان:۔ "گھر کا بندوبست کی۔ تہاڈی کرپا نال جے تسیں ہن چاہو تاں شادی دا بندوبست ہو سکدا ائے۔ تے ناطے دا بندوبست تے کجھ گل ہی نہیں" (گھر کا بندوبست کیا آپ کی کرپا سے اگر آپ چاہیں تو اسی وقت شادی کا تدارک ہو سکتا ہے اور ناطہ کا بندوبست تو کچھ بات ہی نہیں) ✦

مصر:۔ "ناں-ناں-میں ایس بند و بست دے لئی نہیں کہندا۔ ایہہ تاں بھگوان دی کرپا نال تہاڈے اگے کجھ بڑی گل نہیں۔ پر میں تاں گھر دے بند و بست نوں کہندا ہاں"۔ (نہیں نہیں میں اس بند و بست کے واسطے آپ کو نہیں کہتا ہوں۔ یہ تو بھگوان کی کرپا سے آپ کے آگے کچھ بڑی بات نہیں۔ مگر میں تو گھر کے بند و بست کو کہہ رہا ہوں)

ہر بھگوان:۔ "ہور کی گھر دا بند و بست کہندے ہو۔ بھگوان اوہ ویلا لیاوے گھر دا ابھی بند و بست ہو جائیگا"۔ (اور کیا مکان کا بند و بست کہتے ہو۔ بھگوان اپنی دیا سے وہ وقت لائے مکان کا بھی بند و بست ہو جائیگا)

مصر:۔ "ناں شاہ جی گھر دا بند و بست نہیں۔ اپنی کڑی دا بند و بست کرو"۔ (نہیں ساہ جی مکان کا بند و بست نہیں۔ اپنی لڑکی کا بند و بست کرو)

ہر بھگوان:۔ "ناطے واسطے تسیں بند و بست کر آئے ہو۔ لیڑا۔ لتا۔ داج سبھو کجھ تیار ہے۔ جد اوہ ویلا ہوسی۔ سب بند و بست ہو جاویگا"۔ (ناطہ کے واسطے آپ تجویز کر آئے ہو کپڑا لتا داں داج وغیرہ سب کچھ تیار ہے۔ اور جب وہ وقت ہوگا سب بند و بست ہو جائیگا)

مصر:۔ "شاہ جی اپنی کڑی دے چال چلن دا بند و بست کرو۔ اس دیاں گلاں ایہو جیہاں ہین کہ جنہاں تھیں سارے جگ وچ تہاڈی بدنامی ہووے گی"۔ (ساہ جی اپنی بیٹی کے چال چلن کا بند و بست کرو۔ اس کی باتیں ایسی ہیں کہ جن سے تمام جہان میں تمہاری رسوائی ہوگی)

پاربتی کا باپ مصر کے منہ سے اتنی بات سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور نہایت طیش میں آکر بولا:۔

ہر بھگوان:۔ "جگ ہنسائی۔ ایہہ کی مصر جی تسیں ایہہ کی کہندے ہو۔ تہاڈی کڑی کدی تاں اسدے نال ہوندی اے"۔ (رسوائی۔ سارے جہان میں رسوائی۔ مصر جی تم یہ کیا کہتے ہو۔ آخر تمہاری لڑکی بھی تو اس کے ساتھ ہوتی ہے)

مصر:۔ "آہو شاہ جی۔ میری لڑکی بھی نال ہوندی ہے۔ تد تاں مینوں ایہہ حال معلوم ہویا وے"۔ (ہاں ساہ جی میری لڑکی بھی ساتھ ہوتی ہے۔ جب ہی تو مجھے یہ حال معلوم ہوا ہے)

ہر بھگوان:۔ "مصر جی۔ کڑی تہانوں آکھیا ہوسی"۔ (مصر جی۔ لڑکی نے آپ سے کہا ہوگا)

مصر:۔ "نہیں شاہ جی اج سویرے میں آپے ڈٹھا سی"۔ (نہیں ساہ جی آج صبح میں نے خود دیکھا تھا)

ہر بھگوان:۔ "ہلا مصر جی تساں کی ڈٹھا"۔ (اچھا مصر جی آپ نے کیا دیکھا)

مصر: کل ایہ دو نوں کڑیاں (پاربتی اور کرپی) اوہدے نال راوی تے گئیاں سن ایس واسطے
مینوں شبہ پے گیا۔ تے اج میں سویلے ہی جس ویلے کرپی گھروں نکل پئی اُس دے پچھے پچھے
ہولی ہولی چوری باگ تیک گیا۔ اوتھے میں اپنی اکھیاں نال بھگوان جانے انہاں اکھیاں
دے نال تہاڈی کڑی نوں اک ہندستانی دے نال گلاں کردی ڈٹھا۔" (کل یہ دو لڑکیاں
(پاربتی اور کرپی) بہت دیر سے راوی پر گئی تھیں۔ اِس واسطے مجھے شبہ ہوا۔ چنانچہ
میں آج سویرے ہی جس وقت کرپی گھر سے نکلی گھر سے چلا اور اُن کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ
حضوری باغ پہنچا وہاں جا کر میں نے اپنی آنکھوں سے بھگوان جانے اپنی ان آنکھوں سے
دیکھا کہ تمہاری لڑکی ایک ہندوستانی کے ساتھ باتیں کر رہی تھی)

ہر بھگوان: وہ گلاں کردی سی۔ مصر جی تساں کیوں اُس ویلے نہ اوہنوں مار دتا۔ بھگوان
جانے میں تاں اوسنوں جیوندا نہ چھوڑساں۔" (باتیں کرتی تھی۔ مصر جی آپ نے کیوں اُس وقت
اُسے وہیں مار دیا۔ بھگوان جانے میں اُسے ہرگز زندہ نہ چھوڑونگا)

مصر: شاہ جی ایہہ جان تھیں مار سٹن دا راج نہیں۔ ایہہ انگریجی عملداری اے۔ پر تسیں کجھ
ہور بندوبست کرو۔" (ساہ جی یہ جان سے مار دینے کا راج نہیں ہے۔ یہ انگریزی
عملداری ہے۔ مگر ہاں کچھ اور بندوبست کرو)

ہر بھگوان: مصر جی تساں اوس ویلے کجھ نہ آکھیا۔" (مصر جی۔ آپ نے اُس وقت
کچھ نہ کہا)

مصر: کیوں نہیں سی آکھیا۔ اوس ہندوستانی نوں کھوب جُتیاں لایاں سن۔ کڑی نس گئی
سی۔ نہیں تاں میں اوسنوں بھی مار دیندا۔" (کیوں نہیں کہا تھا۔ اُس ہندوستانی کو تو خوب
جوتے لگائے تھے۔ لڑکی دوڑ گئی تھی ورنہ میں اُسے بھی مارتا)

ہر بھگوان: چلو مصر جی گھر چلیے۔ پاربتی دی ماں کدے نہ منسی۔ جے میں پاربتی نوں کجھ
آکھساں تاں اوہ میرے نال لڑے گی۔ آؤ میرے نال چلو تسیں اوسنوں مت دینا۔" (آؤ
مصر جی گھر چلیں۔ پاربتی کی ماں ہرگز کبھی بھی یقین نہیں کریگی۔ اگر پاربتی کو میں کچھ
کہونگا۔ تو وہ مجھ سے لڑیگی۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ آپ نے اُسے سمجھانا)

ہر بھگوان اور مصر دوکان سے چلکر گھر آ گئے۔ پاربتی مصر کی شکل دیکھ کر کانپ اُٹھی۔ بعینہ
ویسا ہی حال تھا۔ جیسا کہ ایک قصائی چھری ہاتھ میں لیکر غریب بکری کے سامنے جاتا ہے اور

بھیڑ حیران اور سرگردان ہو جاتی ہے بیقرار اور مضطر ہو جاتی ہے مگر ظالم قصائی کے ہاتھ سے رہائی کی صورت نظر نہیں آتی ٭

ناظرین! اگر تمہاری سرشت میں خدا نے محبت کی چاشنی دی ہے تو تم پاربتی کے دل کی کیفیت کا خوب اندازہ خود ہی کر لو ٭

پیاری پاربتی - موہنی پاربتی کا رنگ فق ہو گیا دل دھڑکنے لگا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا - اُسے اپنی تکلیف کا خیال بہت کم تھا اگر خیال تھا تو صرف شام سے نہ مل سکنے کا خیال تھا وہ کہتی تھی کہ شام پیارے کے درشن بغیر میں کس طرح جی سکونگی - اگر شام جی دو دن مجھ کو نہ دکھائی دئیے تو میں جیتی ہی مر جاؤنگی ٭

وہ ڈرتی تھی کہ نامراد مصر اپنی تکلیف کے سبب جو صبح کو شام کے ہاتھ سے وہ اُٹھا چکا تھا میرے باپ کو شام کے برخلاف کسی مقدمہ کے اُٹھانے پر آمادہ نہ کرے - آخر وہ راضی برضا ہو کر خاموش ہو گئی اور تحمل سے استقلال سے کسی نتیجہ کا انتظار کرنے لگی ٭

پاربتی کا باپ جب گھر میں داخل ہوا - اُس کی آنکھوں سے خون برستا تھا - چہرہ سُرخ تھا ماتھے پر تیوری کے بل چڑھے ہوئے تھے آواز بھاری پڑ گئی اور غصہ کے سبب وہ گویا اپنے آپ سے باہر تھا ٭

نہایت غصّہ سے اُس نے پاربتی کی ماں کو بلایا اور کہا :-

ہر بھگوان: "سُن بھگوان دئیے خُوب کن کھول کے سُن ویکھ مصر کی کہندا اے" (سُن بھگوان دئیی - سُن اور خوب کان کھولکر سُن - دیکھ مصر جی کیا کہتے ہیں)

بھگواندئی: "دسّو مصر جی مہاراج - پھر ماؤ کی حکم اے" (سُناؤ مصر جی مہاراج - فرماؤ کیا حکم ہے)

مصر: "اپنی کڑی دا بندوبست کر لے ویکھ اسیں تے اوس دا ناطہ ڈھونڈدے پھرنے ہاں تے ایہہ ہور آپے ہی یار لبھدی پھردی اے - اَج سویرے میں ایہنوں اک ہندوستانی نال گلاں کردی پھڑیا اے" (دیکھو اپنی بیٹی کا بندوبست کر دیکھو ہم تو اُس کا ناطہ ڈھونڈ رہے ہیں اور یہ خود بخود ہی یار تلاش کرتی پھرتی ہے - آج بڑی سویرے میں نے اِس کو ایک ہندوستانی سے باتیں کرتے پکڑا ہے)

پاربتی کی ماں غصے کے مارے کانپنے لگی - اگر اُس کا خاوند موجود نہ ہوتا تو وہ ضرور مصر جی کا مُنہ نوچ لیتی - اُس نے غصہ کی آواز سے کہا :-

بھگواندئی :۔ "مصر جے رام۔ رام دا ناؤں لے! اشرافاں دیاں دھیاں تے ایہ جیہے الجام لانے چنگے نہیں۔ آکھر تیری دھی بھی تاں میری کڑی دے نال جاندی ہوندی اے اوس کوئی یار تلاش کیتا ہوسی! اوسدے یار میری کڑی نوں کیوں سونپ نائیں" (مصر جے رام۔ رام کا نام لے۔ رام کا۔ اشرافوں کی لڑکیوں پر ایسے الزام لگانے اچھے نہیں۔ آخر تمہاری بھی تو بیٹی ہے۔ میری لڑکی کو تو تمہاری لڑکی لیجایا کرتی ہے اُس نے کوئی یار تلاش کیا ہوگا۔ اُس کے یار میری بیٹی کو کیوں سپرد کرتے ہو)

پاربتی کی ماں نے مصر پر ایسی جھاڑ ڈالی۔ کہ اگر شرم والا ہوتا تو وہیں رہتا۔ مگر جے رام کو تو شرم چھو بھی نہیں گئی تھی۔ نہایت بے شرمی سے بولا :۔

مصر جے رام :۔ "لو ویکھو شاہ جی اُو ہیو گل ہوئی جیہڑی تُسیں کہندے ساؤ۔ پاربتی دی ماں نوں یقین نہیں جے آوندا" (لو دیکھو ساہ جی۔ وہی بات ہوئی۔ جو تم کہتے تھے۔ کہ پاربتی کی ماں بالکل یقین نہ کریگی)

ہر بھگوان پہلے ہی سے آگ بگولا ہو رہا تھا مثل مشہور ہے۔ "اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" مصر کی بات سُنکر بالکل آپے سے باہر ہو گیا! ایک لکڑی پاس پڑی تھی اُٹھالی اور ا نا پ شنا پ بھگواندئی کو مارنا شروع کیا +

ہر بھگوان :۔ "حرامدی کنجرئے تیں ای ہی میری کڑی نوں چھنال بنایا اے۔ تے توں ای میری عجت برباد کر دتی اے۔ کھلو جائی کتھے ایں ویکھ میں اج تیرا پیو کڈھناں ہاں" (حرامزادی بیسوا۔ تو نے ہی میری لڑکی کو چھنال بنایا ہے۔ اور تو نے ہی میری عزت برباد کر ڈالی ہے۔ ٹھہر جا جاتی کہاں ہے دیکھ میں آج تیرا باپ نکالتا ہوں)

بھگواندئی بڑے استقلال سے لکڑیاں کھا کر روتی جاتی تھی! ور مصر کو بے شمار گالیاں دیکر کہہ رہی تھی +

بھگواندئی :۔ "وے مصر تینوں بھگواندی مار۔ وے مصر تیری جڑھ پٹی جائے۔ تیرے دادے دی داہڑی وچ پیا" (اے مصر تجھے بھگوان کی مار۔ اے مصر بھگوان تیری بیخ کنی کرے تیرے دادے کی داڑھی میں ہگوں)

ماں کے رونے کی آواز سُن کر پاربتی دوڑتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور ماں کو پٹتا دیکھ زار و قطار رونے لگی۔ ہر بھگوان نے بھگواندئی کو چھوڑا اور پاربتی پر لکڑی لے کر آیا +

ہر بھگوان :- حرامدی چھنال توں میری عجت نگال دِتّی اے۔ نویں نویں یار ڈھونڈن لگیوں ہاں تینوں ہندستانی پسند آوندے نے۔ ویکھ تیرا عشق ہُن کڈھدا ہاں"۔ (حرامزادی چھنال تو نے میری عزت برباد کر ڈالی ہے۔ نئے نئے یار تلاش کرنے لگی ہے۔ ہاں تجھے ہندوستانی بہت پسند آتے ہیں۔ دیکھ تیرا عشق اب میں نکالتا ہوں) +

بیچاری پاربتی سوہنی پاربتی مثل تصویر حیران رہ گئی۔ بے رحم باپ نے اُسے اس قدر مارا۔ کہ بیہوش ہو کر گر پڑی سنگدل باپ نے ذرا نہ بچایا۔ بھگوان دئی بیٹی پر آن گری +

بھگواندئی :- "پہلاں مینوں مار سٹ پچھوں اسنوں ماریں"۔ (پہلی مجھے مار ڈال پیچھے اس کو ماریو)

اگر بھگواندئی اس طرح نہ کرتی تو ہر بھگوان پیاری پاربتی کو ضرور مار ڈالتا +

ہر بھگوان نے جورو کو مار کر ایک طرف ہٹایا۔ بیٹی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور سسکتی ہوئی کو ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ اور ایک ہوتی تالا باہر سے کوٹھری کو لگا کر کنجی خود لے لی +

رونے پیٹنے کی آواز سے تمام محلہ میں شور مچ گیا۔ لوگ گھروں سے دوڑے دوڑے نکلے مگر ہر بھگوان نے گھر کی اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی۔ لوگوں نے باہر سے آوازیں دینی شروع کر دیں +

مصر :- "شاہ جی ہُن بس کرو۔ شاہ جی ہُن بڑی بہادری دکھالو۔ شاہ جی ہُن اپنے گُصّے دی تلوار میان کرو۔ شاہ جی تہاڈی سپاہ گری ویکھ لئی اے۔ باہر آؤ پُلس آگئی اے"۔ (شاہ جی اب بس کرو۔ شاہ جی اب اتنی جوانمردی نہ دکھاؤ۔ شاہ جی اب اپنے غصے کی تلوار میان کرو۔ شاہ جی اب تمہاری سپاہ گری دیکھ لی ہے۔ باہر آؤ پولیس آگئی ہے) +

ہر بھگوان گھر سے باہر نکلا۔ لوگوں نے ہر چند سبب پوچھا۔ مگر اُس نے تو تیرہ باتیں بتا دئیے۔ لوگ سمجھا بجھا کر اُسے دکان پر لے گئے۔ مصر مردود۔ خوش خوش کامیاب اپنی جورو کے پاس روانہ ہوا +

جستجو

ہمارا بہادر شام مصر کو غائب ہونے کا کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ گو راہ میں وہ خوف زدہ ہو کر گذرا۔ اگر چہ بر وقت اپنے مکان میں داخل ہو گیا۔ مصر کی طرف سے مطمئن تھا۔ اُس نے بہت جلد اپنے کپڑے بدل ڈالے اور لیس دار گول ٹوپی اُتار پگڑی باندھ لی +

کالج کا وقت ہوا۔ اور ہمارا ہیرو اپنی ڈیوٹی اور لکچروں میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ بیشک ظاہر بین آدمی اُس کی نسبت یہی کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ اپنی تعلیم میں دل و جان سے مشغول ہے۔ مگر ناظرین اگر تم نے کبھی دل لگایا ہے۔ اگر سچی اور پاک محبت نے کبھی تمہاری طبیعتوں میں جڑ پکڑی ہے۔ تو تم شام نرائن کی حالت کا اندازہ بخوبی کر سکو گے۔ گو ظاہر میں وہ اپنے تئیں بہت بناتا تھا۔ مگر درحقیقت وہ بالکل بے چین تھا۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا معلوم ہوتا تھا کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے اچھل پڑتا۔ اکثر پھریریاں لیتا کالج کا وقت تو گذار آیا۔ گھر آیا تو یاروں نے گھیر لیا۔ تھا آدمی ظرف شناس۔ یاروں کو بنا بتا یا۔ رات کو لمپ جگا کر کچھ پڑھنے لگا۔ مگر پڑھنا کیا تھا۔ یاروں کو فریب دینا تھا۔ اسی وقت جمائیاں آنے لگیں۔ انگڑائیاں لینے لگا۔ آخر کتاب سے مُنہ ڈھانپ کرسی پر سو گیا۔ دراصل وہ سوچ رہا تھا کہ کل کس طرح پاربتی سے ملاقات کرے۔ کبھی کہتا مصر کمبخت نے پاربتی کے باپ سے نہ کہدیا ہو کبھی کہتا مصر اپنے ساتھ اپنے حمایتی نہ لایا ہو۔ کبھی کہتا پیاری پاربتی دیکھیں کل ملتی بھی ہے یا نہیں۔ ان خیالات میں وہ غرق تھا کہ اسے نیند آ گئی ؀

عشق بھی ایک ایسا مسمریزم ہے جس کا ثانی دنیا میں نہیں۔ عاشق حقیقی کو اگر میں ملہم کہدوں تو بیجا نہیں۔ عاشق صادق اگر عاشق الٰہی ہے۔ تو خدا کے سب راز اس پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ اور اگر عاشق انسان ہے تو اپنے معشوق کے حالات سے ضرور واقف ہوتا ہے +

شام نرائن کی جونہی آنکھ لگی۔ کیا دیکھتا ہے کہ مصر پاربتی کے باپ کو لیکر اُس کے گھر گیا ہے۔ پاربتی کے باپ نے اُسکی محبوبہ کے مار مار کر ہاتھ پاؤں توڑ دئیے ہیں۔ اور اُسکی مشکیں باندھ کر ایک تاریک کوٹھڑی میں ڈالدیا ہے۔ پیاری پاربتی درد کی حالت میں شام کا وظیفہ جپ رہی ہے۔ اور کہتی ہے کہ شامی پیارے تم کو کیا خبر کہ تمہاری چہیری پاربتی پر کیا بیت رہی ہے۔ تم صبح کو حسب معمول باغ میں آؤ گے۔ پیارے ہوشیار ہو کر آنا ہے۔ بے رحم۔ بدذاتوں سے بچنا۔ میں بیشک تم کو نہ ملونگی۔ ظالموں کے پھندے میں پھنس گئی ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تم کو بھول گئی۔ پیارے زیست کی کوئی امید نہیں۔ اگر جیتی رہی تو تم سے ضرور ملجاؤنگی۔ اور اگر مر گئی تو پیارے تم سلامت رہنا۔ مجھ کو کبھی بھولکر بھی یاد نہ کرنا۔ ہاں بھگوان کیلئے میرا کہا سُنا معاف کرو ؀

یہ دردناک خواب دیکھتے ہی شام نرائن چونک اُٹھا۔ لمپ بڑھا۔ مردہ سی شکل بنا کر چارپائی پر

جا لیٹا۔ وہ اپنی خواب پر غور کرتا۔ تو بے چین ہو جاتا تھا۔ کہتا کہ میرا پہلا خواب بھی سچا نکلا تھا۔ ضرور پیاری پاربتی پر آفت نازل ہوئی ہوگی۔ ضرور صبح کو دس بیس گنڈے مجھ سے بدلہ لینے آوینگے۔ ہائے پاربتی۔ جانی پاربتی۔ پیاری پاربتی۔ میں کس طرح تم کو اس عذاب سے نجات دلواؤں۔ یہ سب کچھ تم پر میرے سبب سے ہی گذرا اور گذر رہا ہے +

اب شام نرائن کو یہ فکر ہوا کہ صبح کو باغ کس طرح جائے۔ ممکن ہے کہ اس کا خواب جھوٹا ہو صرف وہم و خیال ہو۔ اور پیاری پاربتی باغ میں ملے۔ پس اس نے ایک تدبیر سوچی اور مطمئن ہو کر سو گیا مگر ؎

جس کا دل و لیو میں ہو اُس کو کب آتی ہے نیند | کروٹیں لیتے ہی لیتے صاف اڑ جاتی ہے نیند

تھوڑی دیر میں پھر جاگ اُٹھا۔ یار لوگ سوتے پڑے تھے۔ گھڑی دیکھی بارہ بج چکے تھے۔ پھر لیٹ گیا کروٹیں بدلتا رہا اور کہتا رہا ؎

کل شب وصل میں کیا جلد بجے تھیں گھڑیال | آج کیا مر گئے گھڑیاں بجانے والے

جوں توں کر کے تین بجے ہمارا ہیرو اُٹھا۔ چپکے سے صندوق کھولا ایک انگریزی جوڑہ نکالا پتلون و اسکٹ پہنی۔ کالر اور نکٹائی کو درست کیا۔ صندوق سے ایک پوڈر نکال منہ پر ملی۔ شیشہ دیکھا خوب خوش ہوا۔ آہا اب تو گنڈوں کی خوب خبر لونگا۔ ایک انگریزی ہیٹ سر پہ دھری چھڑی ہاتھ میں لی۔ ریانڈ ٹنک بوٹ پہن چپکے سے گھر سے نکلا اور ریپٹ پکڑ تا باغ کی طرف چلا تھا۔ کھتری بچہ نقش و نگار چہرہ مہرہ کا درست تھا۔ رنگ پہلے ہی سفید تھا۔ پوڈر مل انگریزی لباس پہن خاصہ یوریپین بن گیا۔ راستہ میں جس نے دیکھا۔ جھک کر سلام کیا۔ پولیس کے سپاہی چوکنے ہو گئے۔ کسی نے سمجھا ڈپٹی کمشنر بہادر شب گشت فرما رہے ہیں۔ کسی نے کہا پولیس کے کپتان صاحب ہیں۔ لوگوں میں قیل و قال ہونے لگا +

ہمارا شام سید ھا حضوری باغ پہنچا موقع پر پہنچکر ٹہلنے لگا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا۔ کہ کہیں پیاری پاربتی دکھائی دیں۔ تھوڑی دیر میں اس نے پانچ چھ آدمی اس طرف آتے دیکھے۔ ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پاس آگئے تو دیکھا تو جے رام مصر اور پانچ گنڈے اس کے ساتھ ہیں۔ اور سب کے ہاتھ میں لکڑیاں ہیں۔ اور کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ابھی شام کو مارنے آئے تھے۔ مگر ایک انگریز کو وہاں ٹہلتا دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ جھک کر سلام کیا اور کنی کترا کر جانے لگے +

شام :- ول ٹم کون لوگ ہے ؟"
مصر :- جحور نہیں ہند ولوگ ہاں دریانے نہاون چلے ہاں" (حضور ہم ہندو لوگ ہیں دریا پر نہانے چلے ہیں) +
شام :- ہاں۔ ڈریا جاٹا ہے ول ہم کو رپورٹ ہوا۔ کہ کل اس جگہ کھون (خون) ہوا ٹم بٹا سکتا ہے ؟"
مصر :- نہیں جحور ہم کجھ نہیں جاندا" (نہیں حضور ہم کچھ نہیں جانتا) +
شام :- اوی یو ڈیول۔ کالا آدمی ٹروج (روز) ٹم اس ٹرف (طرف) آٹا ہے اور پھساٹا ہے"
مصر :- نہیں جحو کل ہم اس پاسے بالکل نہیں آیا" (نہیں حضور۔ کل ہم اس طرف بالکل نہیں آئے)
شام :- پولس ٹم اکھراب۔ بدماش وڈی کھاٹا ہے۔ ہم کو بٹاٹا ہے مجرم کا پٹہ نہیں۔ اور ٹم لوگ کو نہیں پکڑتا" (پولیس بڑا خراب۔ بدمعاش رشوت کھاتا ہے۔ ہم کو بتاتا ہے کہ مجرم کا پتہ نہیں اور تم لوگوں کو نہیں پکڑتا) +
سب ہندو ملکر :- نہیں جحور نہیں۔ اسیں مجرم بالکل نہیں" (نہیں حضور نہیں ہم مجرم بالکل نہیں) +
شام :- ول ڈیکھو یہاں کوئی پولس مین ہے ؟" (ول دیکھو یہاں کوئی پولیس کا آدمی ہے) +
ہندو :- اچھا جحور ویکھنے ہاں" (اچھا حضور ابھی دیکھتے ہیں) +
جھٹ رام مصر اور باقی گنڈے سپاہی کو دیکھنے کے بہانہ سے شام کے سامنے سے ٹل گئے۔
اور جب دروازہ کے باہر نکلے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے +
شام نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور خوب کھل کھلا کر ہنسا۔ تھوڑی دیر بعد کرپی ادھر سے گذری۔ وہ کچھ ایسی ڈری ہوئی تھی کہ اس نے مطلق اس طرف منہ کر کے بھی دیکھا +
شام جا لگا کر کرپی کے سامنے آیا۔ کرپی اس کی شکل دیکھ کر ڈر گئی۔ مگر وہ ہائے ہائے کرتی ہوئی بھاگ گئی۔ ہر چند شام نے کرپی کرپی کہکر پکارا۔ مگر وہ ہائے ہائے کرتی ہوئی بھاگتی رہی شام نے دیکھا کہ کالج کا وقت نزدیک آگیا ہے وہ کالج کی طرف روانہ ہوا۔ ایک دھنف کی دوکان پر انگریزی ٹوپی اتار کر رکھدی۔ اور جیب سے ترکی ٹوپی نکال پہن لی۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا بہت مایوس تھا کہ پیاری پاربتی کا کچھ پتہ نہ لگا +
اور انگریزی لباس کی تعریف کرتا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہتا۔ کہ بعض دفعہ اس سے کام خراب

بھی ہو جاتا ہے۔ ہے اگر یہ لباس نہ ہوتا۔ تو آج پاربتی کا حال ضرور معلوم ہو جاتا۔ اُس نے جوں توں کر کے دن کاٹا۔ شام کے وقت وہ اپنے دصوبی کے پاس گیا۔ پھٹا کرتہ۔ ایک تہ بند۔ میلی سی پگڑی باندھ ایک لکڑی ہاتھ میں لے چونے منڈی کی طرف چلا۔۔۔۔ جب پاربتی کے مکان کے نزدیک پہنچا۔ تو نہایت دردناک آواز سے چلانے لگا:۔

"مسافر ہوں۔ پردیسی ہوں۔ کل سے بھوکا ہوں؟"

شام پاربتی کے مکان سے بخوبی واقف تھا۔ گو بہت کچھ پتہ جانتا تھا۔ آواز لگانے سے اُس کا مطلب یہ تھا۔ کہ کہیں پاربتی اُس کے آواز کو پہچان لے۔ اور فقیر کو بھیک ڈالنے کے بہانہ سے باہر نکلے۔ مگر یہ سب کچھ اُس کا خیال ہی تھا۔ اگرچہ پاربتی کو کچھ شک بھی ہوا۔ مگر وہ بے بس تھی ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے۔ دو دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کوٹھری میں بند تھی۔ اوپر قفل لگا ہوا تھا۔ شام ایک دروازے پر کھڑا ہو کر چیختا رہا۔ اندر سے کسی نے جواب نہ دیا دو عورتیں گلی میں سے گذریں۔ شام کو دیکھ کر ایک عورت بولی:۔

عورت:۔ "بھائی کسی ہور بوہے تے جا کے منگ۔ ایہناں دے تاں دو تناں دناں تھیں پٹ پے گئی ہے" (بھائی کسی اور دروازے پر جا کر سوال کر۔ ان کے ہاں تو اب دو دن سے قیامت ہو رہی ہے)

دوسری عورت:۔ "کیوں ایہناں دے گھر کی ہویا اے" (کیوں انکے گھر کیا ہوا ہے)؟

پہلی:۔ "نی کل ساری گلی وچ شور پیا ہویا سی۔ ہر بھگوان نے وچاری بھگوان دئی نوں ماریا اے۔ پھر کنیاں پاربتی نوں اجیہا ماریا سو جو تمانی دی ہڈیاں پسلیاں ہین چھڈیاں سو" (ارے کل سارے محلہ میں شور مچا ہوا تھا۔ کہ ہر بھگوان نے بیچاری بھگوان دئی کو بڑا مارا ہے۔ اور پھر کنواری پاربتی کو ایسا مارا کہ اُس بیچاری کی تمام ہڈیاں تک توڑ ڈالی ہیں)

دوسری:۔ "ہے ہے نی ایہ ہر بھگوان نوں کی بنی" (کیوں۔ یہ ہر بھگوان کو کیا سوجھی)؟

پہلی:۔ "سنیاں ہے دھی ماں دے نال لڑدی ہوندی سی۔ پیو نے کئی واری موڑیا۔ آخر لچا ہو کے کل اُس نے دوہاں نوں دھیاں نوں ماریا۔ ایہناں دے گھر دی چوہڑی آکھدی سی۔ کڑی نوں پیو نے کوٹھری دے اندر بند کر چھڈیا ہے۔ نے کڑی نے کل تھیں کجھ کھادا پیتا بھی نہیں" (سنا ہے کہ بیٹی ماں سے لڑا کرتی تھی۔ لڑکی کے باپ نے کئی دفعہ منع کیا۔ آخر کل اُس نے لاچار ہو کر دونوں ماں بیٹی کو مارا۔ ان کے ہاں کی چوہڑی کہتی تھی کہ لڑکی (پاربتی) کو باپ نے ایک کوٹھری میں بند کر چھوڑا ہے۔ اور اُس نے کل سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں)

دوسری :- ہے ہے نی ہربھگوان بڑا ظالم ہے۔ اُٹھ گئے محلہ والیاں نے ڈھونہ ہٹکیا۔"
(واہ ہو۔ ہربھگوان بڑا ظالم ہے۔ اے ہے اری محلہ والوں نے بھی اُس کو نہیں روکا) +
پہلی :- ناں نی! اوس نے اندروں گھر دا کنڈا مار رکھیا سی۔" (نہیں اری! اُس نے اندر سے مکان کا کُنڈا لگا رکھا تھا) +
شام بڑی غور سے اِن عورتوں کی باتیں سُن رہا تھا جب اُس نے سُنا کہ پاربتی کو اُس کے باپ نے ایسا مارا کہ اُس کے ہاتھ پیر توڑ دئے اور اُسے کوٹھڑی میں باہر سے قفل لگا کر بند رکھا ہے تو وہ قریباً بیہوش ہو گیا! آخر اپنے تئیں اُس نے سنبھالا۔ اُسے یاد آیا۔ کہ پاربتی نے کہا تھا کہ میرے گھر کی چوہڑی سے میرا پتہ لیجیو +
یا الٰہی اس گھر کی مہترانی کہاں رہتی ہے کدھر جا کر دیکھوں دو ایک آدمیوں سے پوچھا بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ قریب دس بجے گھر آیا۔ یار حیران تھے کہ شام کو کیا ہو گیا ہے۔ ہرچند اُس سے پوچھتے تھے۔ مگر وہ جواب نہ دیتا تھا +
شام خیالات میں غرق پلنگ پر لیٹا۔ وہ کہتا تھا کہ میرا خواب جھوٹا تھوڑا ہی تھا۔ ہائے میری جان پاربتی تم پر کیا کیا بیتی۔ ہے تم مجھ سے اب کیونکر ملو گی۔ تمہارے کارن میں نے تو بھیس بھی بدلے ہائے پیاری ہر وقت تم میری نظروں میں رہتی ہو۔ میری موہنی۔ میرے سبب سے تم کو بڑا دکھ پہنچا +
جس دن شام کی اول ملاقات ہوئی تھی اتوار کا دن تھا۔ سوموار منگل کے دن اُن کی گہری ملاقاتیں ہوئیں۔ بُدھ کے روز شام نے بھیس بدلے اور جمعرات۔ جمعہ۔ سنیچر کو وہ بہت تلاش کرتا رہا۔ مہترانی کا کچھ پتہ نہ لگا +
سنیچر کی شام کو اُس نے سوچا کہ کل اتوار ہے کالج سے فرصت ہے صبح ہی پاربتی کے محلہ میں جا بیٹھا۔ کوئی چوہڑی آتی جاتی دکھائی دے۔ تو اُس سے پوچھوں چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ چونے منڈی پہنچا گلی میں ایک جگہ چھپ رہا +
قریب سات بجے اسے ایک چوہڑی دکھائی دی شام اُس کے پاس گیا! اول ایک روپیہ اُسے دیا! اور پوچھا۔
شام :- بے مہترانی تمہیں خبر ہے۔ ہربھگوان کوئی ساہوکار اس محلہ میں رہتا ہے؟
چوہڑی :- ہاں میاں رہندا ہے! ایس سامنے والے مکان وچ۔ (ہاں میاں رہتا ہے اس سامنے والے مکان میں)

شام:- "اُس کے کتنے بچے ہیں؟"
چوہدری:- "کتنے بچے کیا؟ بس اُس کی کڑی تھی۔ سو وہ بھی......"
شام:- "ہاں ہی ساہوکار جس کی ایک لڑکی ہے۔ بے مہترانی تم کچھ بات چھپا سی گئیں اُس لڑکی کو کیا ہوا؟"

چوہدری:- "لالہ۔ ہونا کی سی۔ چار دہاڑے ہوئے نیانی نوں پیو نے ڈاہڈا ماریا۔ تے پھیر کھان پین نوں کجھ نہ دتا۔ اج وڈے ویلے وچاری مر گئی اے۔" (لالہ ہونا کیا تھا چار روز ہوئے باپ نے بیچاری کو بُرا مارا اور پھر کھانے پینے کو کچھ نہ دیا۔ آج بڑی سویرے بیچاری مر گئی ہے) +

شام (اپنے تئیں بہت سنبھالکر) "اوہو مجھے تو ساہ جی سے کچھ روپیہ لینے تھے۔ مگر تم نے تو بڑے غم کی بات سُنائی۔"

چوہدری:- "ہاں حجور گم دی ہی گل ہے۔ جوان کڑی ویکھن دے لائق۔ وچاری دا اجے ویاہ وی نہیں ہویا سی۔ میں جاننی ہاں کھبرے ہر بھگوان اج تہانوں نہیں مل سکدا۔" (ہاں حضور غم کی بات ہے جوان لڑکی دیکھنے کے قابل تھی۔ کمبخت بیچاری کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں جانتی ہوں شاید ہر بھگوان آج تم سے نہیں مل سکیگا) +

شام:- "بے مہترانی ساہ جی اور اُن کی عورت کو بیٹی کے مرنے کا رنج نہیں؟"

چوہدری:- "لالہ کیوں نہیں۔ اُس دی ماں تاں اِہو کہندی ہے۔ میں تھانے جانی ہاں۔ میری دھی نوں مار مار بھکھی رکھ رکھ کے ہر کھوا کے مار سٹیا۔ سو لالہ اُس دے سامنے ہتھ بنھدا ائے۔ تے آکھدا ائے۔ ایشر دے واسطے میری عجت رکھ لے۔" (لالہ کیوں نہیں۔ اُسکی ماں تو یہی کہتی ہے کہ میں تھانہ میں جاتی ہوں۔ میری بیٹی کو مار مار۔ فاقے دے کر اور زہر کھلا کر مار ڈالا ہے۔ اب لالہ اس کے آگے ہاتھ باندھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بھگوان کیلئے میری عزت رکھ لے) +

شام:- "ساہ جی کب تک فارغ ہو جائینگے؟"

چوہدری:- "اجے تاں اُنہاں نے کڑی دے مرن دی تلاع بھی نہیں کیتی۔ صلاح کر دے ہین کہ اوہدے مرن دی کھبر شام ویلے دیئے۔ تے اُس دے بیان نوں مڑھیاں لیجا کے انھیرے انھیرے پھوک ساڑ آ دیئے۔" (ابھی تو انہوں نے لڑکی کے مرنے کی اطلاع بھی نہیں دی۔ شائد تجویز کر رہے ہیں کہ شام کے وقت اُس کے مرنے کی خبر دیں۔ اور رات کے وقت اس کی لاش کو مرگھٹ لیجائیں اور اندھیرے سادھ پھونک کر فارغ ہو جائیں) +

شام:- اچھا بے مہترانی اب ساہ جی سے کل ملینگے "۔

شام نے جب مہترانی کے مُنہ سے سنا کہ پاربتی مرگئی ہے وہ غش کھا جانے کو تھا کہ اُس نے اپنے تئیں سنبھالا۔ چوہدری سے بھید لیکر وہ شہر کے باہر آیا اور حضرت **شاہ محمد غوث** صاحب قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر گیا۔ اور نہایت عاجزی اور زاری سے یوں دعا مانگی:۔

"**یا غوث الثقلین** حضور کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو پاربتی پیاری سے پاک محبت ہے پاک محبت۔ بالکل پاک ذرہ بھی ناپاکی کا دھبہ نہیں میں اسکو اپنے رواج کے موافق اپنی زوجہ بنانا چاہتا تھا۔ وجہ نہیں اپنی انیس و غمگسار و مساز و رفیق جلیس دلفگار " ۔

"یا غوث ظالموں نے پیاری پاربتی پر ہی نہیں بلکہ مجھ پر بھی سخت ظلم کیا ہے۔ میری جان کو مار ڈالا ہے۔ مجھ کو بے جان بنا دیا ہے۔ میرا مال و متاع سب چھین لیا ہے۔ مجھ کو بے خانماں کر دیا ہے یا حضرت میری جان کو مجھے واپس دیجئے۔ اگر یہ نہ ہو تو آخری دیدار تو دکھا دیجئے یا پیر ظالموں کو تباہ و برباد کیجئے ظلم کا مزہ چکھا دیجئے "۔

شام نرائن اگرچہ ذات کا ہندو اور انگریزی خوان تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ میڈیکل کالج کا پڑھنے والا۔

مگر وہ کچھ ایسی صاف دلی اور درد سے مزار مبارک و مقدس پر پڑا کر روتے روتے بیہوش ہو گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد وہ وہاں سے اُٹھا کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پیا ہاتھ مُنہ دھویا اور اپنی طرف غور کیا تو معلوم ہوا کہ دل میں استقلال ہے اضطراب بالکل دور ہو گیا ہے دل میں کہنے لگا:۔

اچھا پیاری محبوبہ کا آخری دیدار ہو یا نہ ہو۔ اس خون کا بدلہ لئے بغیر ظالموں سے ہرگز نہ رہونگا۔ ہاں ظالم مارا کیا تھوڑا تھا زہر بھی دیدیا۔ ظالم مصر شیطان مصر۔ یہ سب کچھ تیری کارستانی ہے اچھا اگر جیلخانہ کے سامنے پھانسی دلوا دوں تو چھتری کی پوت نہیں۔

وہ مستقل مزاج ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ اور انار کلی میں مرزا جبار بیگ خفیہ پولیس کے انسپکٹر کے پاس پہنچا۔

مرزا صاحب دہلی کے رہنے والے تھے۔ خود بھی نوجوان تھے۔ اور اپنے وطن کے نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں سے انہیں کمال محبت تھی وہ اپنے کام میں بہت محنت کرتے تھے۔ کئی دفعہ مرتے مرتے بچے۔ مگر سرکاری کام میں انھوں نے جان کی بھی پرواہ نہ کی۔

مرزا صاحب:- "آئیے آئیے لالہ جی کیسے آنا ہوا "؟

شام (شام آنکھوں میں آنسو بھر کر) "آپ کو ایک تکلیف دینے آیا ہوں "۔

مرزا :- تکلیف مت پرواکرو- جلد کہو خیر تو ہے- تم روتے کیوں ہو ؟"

شام :- "جناب خیر نہیں- اگر مدد کرو تو بیان کروں "

مرزا :- "شام نراش- مت خیال کرو- کہ میں مسلمان ہوں- بخدا تم کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں تم تیر وطن کے لائق جوان ہو- دہلی کا نام تم لوگوں سے ہے- قسم پیدا کنندہ کی- اگر جان مانگو تو حاضر ہے اور اگر مال درکار ہے تو جلد کہو- کیا چاہیئے "

شام :- "خدا آپکو خوش رکھے میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں- آپکی جان آپکو مبارک ہے مال آپ کو آپکا سلامت- میں صرف آپکے عہدہ کی طرف سے تھوڑی سی مدد مانگتا ہوں "

مرزا :- "او- مائی ڈیر- مت رنجیدہ ہو جلد کہو- کیا کام ہے- اس میں تکلیف کیا- یہ تو میرا فرض بھی ہے- میں تو اُلٹا آپکا ممنون ہونگا "

شام :- "آپکو تکلیف ہوگی- کچھ جستجو فرمانی پڑیگی "

مرزا :- "نہیں کچھ تکلیف نہیں- کیا کہیں ہزار پانسو آدمیوں سے مقابلہ ہے "

شام :- "نہیں جناب نہیں جناب "

مرزا صاحب نے فوراً کمر باندھی- تپنچہ کمر میں ٹھونسا- اور پیش قبض آگے اڑس لی- اور فرمانے لگے :-

مرزا :- "شام جلدی بولو- جلدی- میں بالکل تیار ہوں "

شام :- "حضرت آپ اسقدر نہ گھبرایئے- کوئی ایسا بڑا معاملہ نہیں "

مرزا :- "مرد خدا- پھر کچھ منہ سے بھی نکالیگا یا نہیں "

شام نے رو کر اپنا قصہ یوں بیان کرنا شروع کیا :-

شام :- "حضرت مرزا صاحب- پچھلے اتوار کو علے الصباح میں دریائے راوی پر جارہا تھا- راستہ میں تقدیراً ایک ماہرو سے دوچار ہو گیا- عشق کا تیر کلیجہ سے پار ہو گیا- وہ میری اور میں اُسکا دلدادہ ہوا باہم شادی کا اقرار ہوا ؛

دوسرے دن راز و نیاز کی باتوں میں ایک مصر نے ہمیں پکڑا- اس شیطان کو میں نے اس کی پگڑی سے ہی خوب سا جکڑ کر مٹی میں رگڑا ؛

مصر نے اس کے باپ کو جا بتلایا اور اس نے میری محبوبہ کو از بس پٹوا کر ایک کوٹھڑی میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا اور دو تین روز تک کھانا پلانا مطلق بند کرا کے آخیر زہر کھلا دیا ؛

ہائے مرزا جی۔ ہائے مرزا جی۔ آج میری پیاری جان جہان سے سفر کر کے ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت سے میرے کلیجہ کو چیر گئی ہے۔ مرزا جی وہ میری معشوقہ تھی بالکل پاک۔ بدنیتی کا مطلق خیال نہ تھا ہائے میں اب کس طرح زندگی بسر کر سکونگا جب تک ظالموں کا دو دو چُلّو لہو نہ پی لوں۔"

مرزا:۔" بس کرو ڈیر شام بس کرو۔ زیادہ نہ گھبراؤ۔ اگرچہ بے سوچے سمجھے کسی کی عزت میں ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔ مگر تمہارے واسطے میں سب کچھ کرونگا۔ اسی وقت ڈپٹی انسپکٹر کو بلاتا ہوں تمہاری محبوبہ کی لاش تم کو دکھاتا ہوں۔ اور ہسپتال میں بھجواتا ہوں۔"

شام:۔" نہیں مرزا جی ابھی نہیں۔ ظالم پولیس والوں سے ملجاوینگے۔ رشوت دید ینگے۔ ڈپٹی انسپکٹر آپ کو بتا دینگے۔ اور خود مزے اڑا ئینگے۔ پھر ہم ہاتھ ملتے رہجا ئینگے۔"

مرزا:۔" شام۔ پھر تجویز کیا کریں؟"

شام:۔" ایک آدمی انکے دروازہ پر خفیہ تعینات کیجئے۔ جس وقت لاش کو لیکر باہر نکلیں وہ آدمی آپ کو خبر کرے۔ آپ دو چار پولیس کے آدمی لیکر فوراً خود جائیے۔ اور جس وقت لاش کو جلانے کے لئے چتا پر رکھیں اس وقت سب مجرموں کو گرفتار کر لیجئے۔ اور اُن کو بالکل فرصت نہ دیجئے۔"

مرزا:۔" او یس۔ او یس۔ اٹ از ویری گڈ پلین ڈیر شام! ایسا ہی ہوگا۔ بالکل ایسا۔ تم خبردار رہنا۔ رات کو تمہاری محبوبہ افسوس مردہ کی لاش تمہارے کالج کے احاطہ میں ہوگی دیکھو شام خود بھی مدد کرنا۔ کہیں مجھے ہی بدنام نہ کرانا۔"

شام:۔" دل و جان سے۔"

مُردہ پھُونکنے کی تجویز

ہر بھگوان بڑا غصہ والا آدمی تھا۔ وہ جورو اور بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا مگر غصہ کیحالت میں وہ کسی کا آشنا نہ بنتا تھا۔ اُس کا غصہ جنوں نہیں بلکہ مہینوں رہا کرتا تھا۔

آج چار پانچ دن ہونے کو آئے۔ اس نے اپنی بیوی سے بات تک نہیں کی۔ اور بیٹی کی بابت تو یہ بھی نہ پوچھا کہ مر گئی ہے یا جیتی۔

بھگواندئی اپنے خاوند کی نہایت ہی فرمانبردار اور بھلی مانس عورت تھی وہی تھی جو ایسے

سخت طبیعت آدمی کے ساتھ گذارہ کرتی تھی۔ جب ہر بھگوان گھر سے باہر جاتا وہ اپنی بیٹی کو دیکھتی اور چپکے سے اُسے کچھ کھلاتی پلاتی۔ اور جب ہر بھگوان کے آنے کا وقت ہوتا اُسی طرح ٹالا لگا دیتی۔ اُسے ڈر تھا۔ کہ ایسا نہ ہو ظالم مجھے بھی مارے اور لڑکی کو جان سے گذار دے +

خدا معلوم پاربتی کس قسم کی لڑکی تھی۔ کہ اتنے دن جیتی رہی۔ جولائی کے مہینہ کی گرمی الامان الامان۔ وہ رات دن ایک تنگ کوٹھڑی میں پڑی رہتی۔ اس کی ماں اُسے کھلاتی پلاتی مگر وہ صرف دانہ دکا ہی کھاتی تھی۔ ہر وقت شام اسکی نظروں میں رہتا تھا۔ درحقیقت وہ اسکے خیال میں لگی تھی۔ اُسے اپنے مرنے کا بہت رنج نہ تھا۔ مگر بڑی آرزو تھی۔ کہ ایک دفعہ شام کو دیکھے +

سنیچر کے دن کچھ آدمی ہر بھگوان کی دکان پر سونا چاندی کا کسی قدر اسباب لے اور اونے پونے اُسے دیکر چلے گئے۔ اس نے ایسے مطلب کے لئے ایک سنار سے سانٹھ ملا رکھی تھی جھٹ گلا کر ڈلیاں بنالیں۔ اور تول تال کر دیکھا تو دو سو روپیہ کا نفع معلوم ہوا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور نہایت خوشی خوشی گھر آیا۔ جورو سے نہایت محبت سے پیش آیا بھگواندئی یہ دیکھ کر حیران ہوگئی۔ مگر عورت تھی بڑی سمجھدار جھٹ اتنا سا بہانہ پا اسکی خاطر تواضع کرنے لگی آخر ایک موقعہ دیکھ کر بولی:۔

بھگواندئی "وے لالہ جی۔ تساں مغل پٹھاناں دی لڑائی سنی ہوئی اے" (لالہ جی۔ تم نے مغل پٹھانوں کی لڑائی سنی ہوئی ہے) +

ہر بھگوان "وے بھوجی۔ اوہ کیہڑی؟ روس روم دی لڑائی سُنی سی" (بھوجی وہ کونسی؟ روم روس کی لڑائی تو سنی تھی) +

بھگواندئی "وے لالہ جی۔ اک بات (یا کہانی) ہے" (لالہ جی ایک کہانی ہے) +

لالہ "وے بھوجی اوہ سناؤ۔ کیہڑی کہانی ہے۔ تہانوں تے بڑیاں کہانیاں آوندیاں نے" (بھوجی سناؤ وہ کیا کہانی ہے تمہیں تو بڑی کہانیاں آتی ہیں) +

بہو "وے ہاں میرے پیکے اوسے گلی وچہ اک پٹھانی رہندی سی اوس مینوں سنائی سی" (ہاں میرے میکے اسی محلہ میں ایک پٹھانی رہتی تھی۔ اس نے مجھے سنائی تھی) +

لالہ "وے ہاں رنیے ہاں سناؤ کی سنیاں سی" (ہاں بھوجی۔ پھر سناؤ کیا سنائی تھی) +

بہو "وے گل کرسوے نے اک کھانصاحب دی دھی بڑی نیک سی۔ اس دے کہنے ساری بال بچہ تن

اک دن کھانصاحب اپنی نوکری تے گئے ہوئے سن۔ ایہ وچاری کھچڑی رِندی سی بچے بھکھ
دے مارے روون لگے۔ کھچڑی اجے کچی سی۔ اُبال دی آواز آندی سی۔ بچیانوں پرچان واسطے
وچاری آکھن لگی۔ دیکھو مُغل پٹھان لڑدے ہین۔ ایسے طرح بچیانوں کجھ دیر پرچاوندی رہی
شام ویلے کھانصاحب نوکری تھیں آئے۔ بچے چمبڑ گئے۔ تے آکھن لگے اج اساں مغل
پٹھاناں دی لڑائی ڈٹھی ہے۔ کھانصاحب تے نرے کھاں (خاں) ہی سن۔ سندیاں سار
سڑبل کے اگ بگولا ہو گئے۔ اور وچاری جو زنانی بدکار ہے مغل پٹھان یاراں نوں بلایا ہوسی
دوہویں اک دوسرے نال لڑے ہوسن جھٹ پٹ تروار (تلوار) کھچ کے اک ایہا ہتھ
ماریا کہ زنانی وچاری دی دھون وڈھی گئی۔ ہن کھانصاحب نوں بچے بھی آپوں سانبھنے
پئے گئے۔ اکدن کھچڑی پکاوندے سان۔ پانی نوں اُبال آیا۔ کھُد بُد دی آواز آون لگی
بچے آکھن لگے۔ بابو جی مُغل پٹھاناں دی لڑائی ہو رہی اے۔ پیو نے پتراں نوں پچھیا
کِتھے ہوندی ہے۔ بچیاں نے تَوڑی ویول اشارہ کیتا۔ آکھیا ایہ اماں نے دسیا سی
اوس ویلے کھاں صحب نوں اپنی گلطی دا پتہ لگا۔ کھاں ہوری پھیر روون پٹن لگے۔ ہائے میری
ہائے میری نیک بیوی۔ میں تینوں اپنے ہی ہتھیں حلال کیتا ای۔ ہائے مینوں کی کھبر
سی۔ لئے میں تیرے کولوں کجھ پچھیا بھی ناہ۔" (کہتے ہیں ایک خانصاحب کی عورت بڑی
نیک تھی۔ اُسکے کئی بال بچے تھے۔ ایک دن خانصاحب نوکری پر گئے ہوے تھے۔ یہ بیچاری
کھچڑی پکا رہی تھی۔ بچے بھوک سے رونے لگے۔ کھچڑی ابھی کچی تھی کھدبد کی آواز آرہی
تھی بچوں کو بہلانے کیلئے بیچاری کہنے لگی دیکھو مغل پٹھانوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔
چنانچہ اسی طرح بچوں کو کچھ دیر بہلاتی رہی +

شام کو خانصاحب نوکری پر سے آئے۔ بچے بابو بابو کہہ کر چمٹ گئے اور بولے ابا جی
آج ہم نے مغل پٹھانوں کی لڑائی دیکھی ہے +

خانصاحب تو نرے خاں ہی تھے۔ سننے کیساتھ ہی طیش میں آکر آگ بگولا ہو گئے اور
سمجھے کہ میری عورت بدکار ہے مغل پٹھان یاروں کو بلایا ہوگا دونوں ایکدوسرے سے لڑتے
ہونگے۔ جھٹ تلوار نکال ایک ایسا زور کا ہاتھ مارا کہ بیچاری عورت کی گردن کٹ گئی +

اب خانصاحب کو بچے بھی آپ ہی پالنے پڑے۔ ایکدن کھچڑی پکا رہے تھے پانی کو جوش
آیا اور کھدبد کی آواز آنے لگی۔ بچوں نے کہا۔ بابو جی مغل پٹھان لڑ رہے ہیں۔ باپ نے

پوچھا کہاں۔ انہوں نے ہنڈیا کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا۔ اماں نے بتایا تھا*
اس وقت خانصاحب کو اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ لگے رونے پیٹنے۔ ہائے میری پیاری
بیوی۔ ہائے میری نیک بیوی۔ ہائے میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ ہائے مجھے کیا خبر تھی
ہائے میں نے تجھ سے تو کچھ پوچھا بھی نہیں تھا*

لالہ: "ہا ہا ہا۔ پاربتی دی ہاں۔ تساں اج سانوں کھوب کھاں صحب بنایا" (اچھا اچھا بہو جی
آج تم نے ہم کو خوب خاں صاحب بنایا)*

بہو: "ناں میں تہانوں ترک کیوں بناواں۔ توبے۔ بھرسٹ" (نہیں نہیں لالہ جی میں تمکو
ترک کیوں بنانے لگی۔ نگوڑے ملیچھ۔ ملشٹ)*

لالہ: "ہاں جی۔ بیشک اوس دن تے اساں کیتی تاں پٹھاناں والی گل ہی سی افسوس تہانوں ماریا سی"
(ہاں بہو جی۔ بیشک اس دن ہم نے تو پٹھانوں والی بات ہی کی تھی۔ افسوس تم کو مارا تھا*

بہو: "جی میں تاں تہاڈی ہاں بھاویں مارو۔ بھاویں رکھو" (لالہ جی۔ میں تو تمہاری ہی
ہوں۔ خواہ مارو۔ خواہ رکھو)*

لالہ: "تے کی تسیں پاربتی نوں بھلدے ہو۔ بھگوان جانے اوس ویلے مینوں ایہا گصہ آیا سی
جو اوہنوں جانوں مارستاں۔ اوس کتے مصر جیہیاں گلاں کیتیاں سی۔ کیوں تسیں بھاویں اوسدی
کھبر نہیں لیندے ہو" (مگر کیا۔ پاربتی کی نسبت کہتی ہو بھگوان جانے مجھے ایسا غصہ آیا تھا
کہ اس کو جان سے ماردوں۔ اس کتے مصر نے ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ کیوں کیا تم اُس کی خبر
نہیں لیتیں)*

بہو: "کیوں لالہ جی تساں مینوں اوسدی کھبر لین نوں آکھیا سی۔ پیر تاں آپے ہی ڈرنی ہاں
جو کتے میری شامت نہ آجاوے" (کیوں لالہ جی آپ نے مجھے اسکی خبر گیری کے لئے کہا تھا
میں تو خود ہی خوف کھاتی ہوں کہ کہیں میری شامت نہ آجائے)*

لالہ: "اوہو افسوس میں جاندا ساں جو تسیں اوسنوں میرے پچھے چھڈ دیندے ہووگے
تے رات نوں کوٹھڑیوں باہر رکھدے ہوسو" (اوفو۔ افسوس میں تو سمجھتا تھا کہ تم اُسے
میرے پیچھے چھوڑ دیتی ہوگی۔ اور رات کو کوٹھڑی سے باہر نکال رکھتی ہوگی)*

بہو: "ناں لالہ جی۔ مینوں اپنا سر منناونا منظور سی" (نہیں لالہ جی مجھے اپنا سر منڈانا
منظور تھا)*

لالہ :- پاربتی کسے ویلے بولدی روندی تے نہیں " (پاربتی کسی وقت سوتی چیختی تو نہیں) +

بہو :- اک دو دن تاں کرلاندی رہی سی - ہن دو دناں تھیں اوہ بھی نہیں " (ایک دو روز کرلاتی رہی تھی - اب دو روز سے یہ بھی نہیں) +

لالہ :- اج پنج دن ہو گئے نے کتے مر نہ گئی ہووے " (آج پانچ روز گذر گئے ہیں کہیں مر نہ گئی ہو) +

بہو :- ہور مر گئی ہوویگی تے ہن تائیں جیوندی بیٹھی اے " (اور ! مر گئی ہوگی تو اب تک جیتی رہی ہے) +

لالہ :- آؤ - اٹھو - ویکھئے تے سہی " (آؤ - اٹھو - دیکھیں تو سہی) +

دونو میاں بیوی چراغ لیکر پاربتی کو دیکھنے کو گئے - قفل کھولا - کوٹھڑی میں قدم رکھا تو سانس تک کی آواز نہیں - پاربتی پاربتی کہکر پکارا - جواب کا نام تک نہیں - نبض دیکھی - سینہ دیکھا بالکل برف کے موافق - پھر الٹ پلٹ کر دیکھا - جیسے تختہ +

بھگواندئی نے اپنے سر پر ایک دوہتڑ مارا - اور اس نے بین کرنے شروع کئے کہ

بھگواندئی :- ہائے میری پاربتیئے - ہائے میری پیاریئے - ہائے میری لاڈیئے - ہائے نی میری دواریئے ہائے تینوں بھکیاں ماریا - ہائے تینوں زہر دتا - ہائے میں اجیہی جوان دھی ہن کتھوں لیاواں " (ہائے میری پاربتی - ہائے میری پیاری - ہائے میری لاڈی - ہائے ری میری دواری - ہائے تجھے بھوکا مار دیا - ہائے تجھے زہر دیدیا - ہائے میں ایسی جوان بیٹی کہاں سے لاؤں) +

ہر بھگوان :- پاربتی دی ماں - ہوش کر - ایہہ جیہیاں گلاں مونہوں نہ کڈھ - ویکھ گھر برباد ہو جاسی " (پاربتی کی ماں - ہوش کرو - ایسی ویسی باتیں منہ سے نہ نکالو - دیکھو گھر برباد مفت ہو جائیگا) +

بھگواندئی :- لالہ جی - توں تے مصر دوہاں رلکے میری دھی نوں مار سٹیا ہے - میں تھانے جاندی ہاں - دوہاں نوں پھڑواساں - جد تائیں اپنی مٹیار دھی دا خون نہ لے لانگی - تد تائیں کدی نہ چھڈانگی ہائے ہائے کتے مصر - توں میری کڑی نوں پورا کرواتا " (لالہ جی - تم اور مصر - دونوں نے میری بیٹی کو مار دیا ہے - میں اب تھانہ میں جاتی ہوں - اور دونو کو پکڑواتی ہوں - جب تک میں اپنی جوان بیٹی کے خون کا بدلہ نہ لونگی - تب تک کبھی نہ چھوڑونگی - ہائے اس کتے مصر نے میری بیٹی کو پار اتار دیا ہائے ہائے) +

ہر بھگوان نے اپنی پگڑی اتار کر اپنی جورو کے پاؤں پر رکھی اور کہنے لگا -

ہر بھگوان :- پاربتی دی مائے - ایس ویلے میری عزت تیرے ہتھ ہے - کرپا کرو - گلی والے

سُندے ہین۔ ایس طراں گھر برباد ہو جاسی۔ ویکھیں بھریا ہویا گھر اینویں تباہ ہو جاسی۔ اجے تاں میں تے توں دونویں جوان ہاں۔ ایشر ہور تینوں بتھیری اولاد دیدیسی۔ میری کھیر منگو" (بھو جی۔ اس وقت میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بھگوان کے لیئے کرپا کرو۔ محلہ والے لوگ سنتے ہیں۔ اس طرح گھر برباد ہو جائیگا۔ دیکھو بھرا ہوا گھر مفت میں تباہ ہو جائیگا ابھی تو میں اور تم دونوں جوان ہیں۔ ایشر اور تمہیں بہت سی اولاد دیگا۔ میری خیر مانگو) +

بھگواندئی :۔ " چُلھے وچہ پو توں تسیں۔ بھٹھ وچہ پوے اولاد۔ کھصم کرنا ہوسی تاں ہزار کر لانگی مینوں ہن اجیہی نازک مٹیار دھی پاربتی کتھوں لبھ سی " (چولھے میں جاؤ تم اور بھاڑ میں پڑے اولاد اگر خصم کرنا چاہونگی تو ہزار کر لونگی۔ مجھے اب ایسی جوان نازک بیٹی پاربتی کہاں نصیب ہو گی) +

ہر بھگوان :۔ " بس کر بس۔ ساری عمراں تیرا نوکر رہساں (پیر گھُٹ کے) میرا کھنا ماف کر گنگاجی دی قسم میں تہاڈا ٹہلیا بنا رہوانگا " (بس کرو بھو جی۔ بس کرو۔ ساری عمر تمہارا نوکر بنا رہونگا۔ (پاؤں دبا کر) میرا خطا معاف کر۔ گنگاجی کی قسم۔ میں تمہارا خدمتگار بنا رہونگا) +

اس مکار لالہ کی خوشامد سے یہ رحم دل عورت ذرا پسیجی۔ دن نکلنے والا تھا۔ ہر بھگوان دوڑا دوڑا مصر کے پاس گیا۔ پاربتی کے مرنے اور اسکی ماں کے بگڑنے کا حال بیان کیا اب لگے مصر کو دست آنے +

مصر :۔ " میں تاں اوسے ویلے کہندا ساں جوایناں ناہ مارو پر تساں مار مار کے نمانی نوں مار ہی سُٹیا۔ تہانوں کس آکھیا سی جو اوہنوں کھان پین نوں نہ دیا جے کُڑی نوں تساں ماریا۔ ہُن مینوں بدنام کردے ہو " (میں تو اُسی وقت کہہ رہا تھا کہ اتنا نہ مارو مگر تم نے مار مار کر بیچاری کو جان سے ہی مار ڈالا۔ تم کو کس نے کہا تھا۔ کہ اُسے کھانے پینے کو کچھ نہ دو۔ بیٹی کو تم نے مار دیا اب مجھے بدنام کرتے ہو) +

ہر بھگوان :۔ " مصر جی تہانوں ہنے ایں کیوں جلاب لگ گیا۔ میں تہاڈا ناؤں تاں نہیں لیندا پر ہن کوئی تدبیر دسو " (مصر جی۔ تم کو ابھی سے کیوں دست آنے لگے۔ میں تمہارا نام تو نہیں لیتا۔ مگر اب یہ تدبیر بتاؤ کہ کیا تدبیر کریں) +

مصر :۔ " لالہ جی۔ بھو دی خشامت کر کے اوہنوں راجی کرو۔ دن نوں کسے نوں دسناں نہیں جو پاربتی پوری ہو گئی اے۔ شام ویلے کھبر کرنا۔ انھیرے ساڑھے ساڑھے سورج کے ویہلے ہو جانگے اوس ویلے میں بھی آجاساں۔ ربّے واسطے بھو نوں آکھنا۔ میرا ناؤں نہ لوے " (لالہ جی۔

جاؤ۔ بہو کی خوشامد کر کے اسے راضی کرو۔ دن کو کسی پر ظاہر نہ کرنا کہ پاربتی مر گئی ہے شام کے وقت خبر کرنا۔ اور اندھیرے اندھیرے ساڑ پھونک کر فارغ ہو جانا۔ وقت پر میں بھی آجاؤنگا بھگوان کے لئے بہو سے کہنا کہ کہیں میرا نام نہ لے)۔

ہر بھگوان تمام دن گھر رہا۔ اور بہو کی خوشامد کرتا رہا۔ پانچ بجے کے قریب اس نے لوگوں کو خبر کی۔ سب سامان پہلے ہی سے تیار تھا۔ چھ بجے کے قریب لاش کو چپکے ہی چپکے ٹکسالی دروازہ کے باہر مرگھٹ میں لے گئے۔

جلدی جلدی جلانے کا سامان کیا۔ بہت ساری لکڑیاں نیچے رکھیں اور بہت سا تیل اس کے اوپر ڈال دیا۔ اور پاربتی کو اٹھا کر رکھنے ہی کو تھے کہ ایک طرف سے ایک جوگی نظر آیا۔

یہ جوگی سرو قد تھا۔ سارے بدن پر بھبوت ملی ہوئی تھی۔ سر کے بال گز گز لمبے اور برف کی مانند سفید تھے۔ ڈاڑھی مونچھیں اور بھویں بھی سفید تھیں۔ سفید پلکوں سے سارا منہ ڈھنپا ہوا تھا۔ ہاتھ میں لمبا سا ایک چمٹا تھا۔ یہ جوگی پاس آیا۔ اور آواز لگائی:۔

جوگی: "الکھ جاگے"۔

مصر: "جاہ بابا جاہ۔ اسیں آپ اپنی بپتا وچ پھسے ہوئے ہاں" (جاؤ بابا جاؤ۔ ہم خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں)۔

جوگی: "بابا میں سونا چاندی تو نہیں مانگتا"۔

ہر بھگوان: "بلا بابا۔ پھیر کی منگنا ایں؟" (اچھا بابا پھر تمہارا کیا سوال ہے)۔

جوگی: "یہاں تم کیوں جمع ہوئے ہو"؟

مصر: "اساڈی کڑی پوری ہو گئی ہے۔ ایہنوں ساڑن آئے ہاں" (ہماری لڑکی مر گئی ہے اسے جلانے آئے ہیں)۔

جوگی: "بابا۔ اسے جلاتے کیوں ہو۔ اس کا کیا بگڑا ہے"؟

مصر: "بابا! مر گئی اے۔ ہن ایدے وچ کی رہیا ہویا اے" (بابا جی مر گئی ہے اب اس میں کیا گیا ہے)؟

جوگی: "نہیں بابا۔ سب کچھ ہے ذرا مجھے اس کی شکل تو دکھاؤ"۔

ہر بھگوان اور دوسرے آدمی سمجھے کہ باباجی شاید کوئی دیوتا ہیں۔ شاید یہ پاربتی کو زندہ کر دیں۔ کیونکہ ہر بھگوان نے غصہ سے پاربتی کو مار دیا تھا۔ مگر اسے رنج بہت ہی ہوا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر پاربتی اب بھی زندہ جی پڑے تو پھر کبھی اس سے کچھ نہ کہونگا۔

ہر بھگوان :- "دیکھ لو۔ باباجی دیکھ لو۔ بھگوان تہاڈا بچن سچا کرے" (دیکھ لو باباجی دیکھ لو بھگوان تمہاری زبان میں برکت دے) +

مصر :- "کی کرتے ہو چھیتی کرو۔ بابا دیکھ کے چلا جاویگا۔ موئی نوں کون زندہ کرسی" (کیا کرتے ہو۔ جلدی کرو۔ بابا دیکھ کر چلا ہی جاویگا۔ جو مر گئی ہے اُسے کون زندہ کریگا) +

جوگی :- "نہیں بابا۔ یہ جیتی ہے۔ تم اسے ناحق آگ میں جلاتے ہو۔ اس کا کچھ نہیں بگڑا ہے"

جوگی یہ کہکر پاربتی کے سرہانے آن بیٹھا۔ اور اس کا مُنہ کھولنے لگا۔ مصر کہتا تھا کہ ہاتھ مت لگا۔ اور دوسرے کہتے تھے کہ دیکھ لینے دو۔ اسی بحث میں تھے کہ سامنے سے دو سپاہی دکھائی دیئے۔ اُن کے پیچھے چار اور تھے۔ اور سب سے پیچھے ایک افسر گھوڑے پر سوار تھا +

پچھلے سپاہی :- "پکڑ لو۔ پکڑ لو۔ جلانے نہ پائیں دیکھنا کہیں بھاگیں نہیں"

افسر :- "دوڑو۔ دوڑو۔ حرامزادوں کو بھاگنے نہ دو"

ہندو لوگوں نے جب یہ شور سنا گھبرا گئے۔ اور جدھر جس کے سینگ سمائے بھاگے۔ پولیس والوں نے دیکھا کہ ابھی لاش جلی نہیں ہے۔ پہلے مجرموں کو پکڑنا چاہیئے۔ بھاگتے ہوؤں کے پیچھے ہو گئے۔ دو گھنٹہ تک یہ تعاقب جاری رہا۔ ہر بھگوان اور پانچ دیگر ہندو پکڑے گئے +

افسر نے دیکھا کہ ایک مکار درختوں میں چھپتا پھرتا ہے۔ اُس نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا۔ یہ مکار افسر کو دیکھ کر بھاگا۔ افسر نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ ایک پانی کا تالاب راستہ میں آیا۔ اور یہ ہندو اس میں گذر کر پار ہو گیا۔ اس افسر نے نہایت غصہ سے گھوڑے کو ایڑی ماری۔ اور گھوڑے سمیت نالے کے پار ہو گیا جب یہ ہندو تھک گیا۔ تو ایک درخت پر چڑھ گیا۔ افسر نے درخت سے گھوڑا باندھا۔ اور خود درخت پر چڑھ کر اُسے چوٹی سے پکڑ لیا۔ اور نیچے لے آیا +

افسر :- "او بدمعاش حرام خور۔ تم نے ہمکو بہت ستایا"

ہندو :- "نہیں حجور آپ دے ڈر تھیں نسیا ساں" (نہیں حضور آپ کے خوف سے بھاگا تھا) +

افسر :- "بتا شیطان کے بچے۔ تیرا نام کیا ہے؟"

ہندو :- "حجور۔ گریب بہمن ہاں۔ میرا ناں جے رام وے" (حضور۔ غریب برہمن ہوں میرا نام جے رام ہے) +

افسر :- "جے رام مصر۔ او شیطان تو بڑا بدمعاش ہے۔ اصل مجرم تو تو ہی ہے"

جے رام اتنا سنتے ہی زار وقطار رونے لگا:۔

جے رام: "ہائے نی میری اماں۔ ہائے اوئے میرے پیؤ۔ میں تے نحق پکڑیا گیا ہاں۔ ہائے میرے پیو۔ مینوں چھڈ دے۔ میں بیگناہ ہاں" (ہائے ری میری ماں۔ ہائے رے میری باپ میں تو ناحق پکڑا گیا ہوں۔ ہائے میرے باپ۔ مجھے چھوڑ دے میں بیگناہ ہوں) *

افسر نے ایک رسی نکالی۔ اور جے رام کی خوب مشکیں کس کر باندھ لیں۔ اور چابک لیکر جے رام کو بیشمار مارا۔ جے رام نے بہتیرا ہائے ہُو مچائی۔ مگر افسر نے ایک نہ سنی۔ اور گھوڑے پر سوار ہو رسی اپنے ہاتھ میں پکڑلی۔ اور گھوڑے کے آگے مصر کو لگا کر موقعہ پر آیا *

سپاہی موقعہ پر آکر اکٹھے ہوئے۔ دیکھا تو لاش ندارد۔ افسر کا بھی پتہ نہیں۔ چار سپاہی مجرموں کے پاس رہے۔ سب کے ہتکڑیاں لگالیں۔ دو سپاہی افسر کو ڈھونڈنے گئے اور افسر کو دور سے دیکھ کر سلام کیا۔ اور رپورٹ کی کہ لاش وہاں نہیں ہے *

افسر: "لاش اُس جگہ نہیں ہے"

سپاہی: "نہیں حضور۔ بالکل نہیں"

افسر: "کیا جلادی؟"

سپاہی: "نہیں حضور۔ جلانے کا بھی کوئی نشان نہیں"

افسر: "کچھ مجرم پکڑے گئے؟"

سپاہی: "ہاں حضور۔ چھ مجرم پکڑے گئے جن میں سے ایک اُس لڑکی کا باپ ہے"

افسر: "اُس کے باپ سے پوچھا لاش کہاں گئی؟"

سپاہی: "ہاں حضور پوچھا تھا وہ کہتا ہے کہ ایک جوگی لاش کے پاس بیٹھا تھا وہ لیگیا ہوگا *

افسر: "جوگی! جوگی!! یہ سب ان بدمعاشوں کی شیطانی ہے ہم نے کوئی جوگی نہیں دیکھا اگر کوئی ہوتا بھی۔ تو لاش کو کیا کرتا"

سپاہی: "حضور انہوں نے یا تو کسی گڑھے میں ڈالدی ہے۔ یا بہادی ہے"

افسر: "کچھ مضائقہ نہیں قتل عمد کا جرم ان پر لگ چکا ہے سارا محلہ جانتا ہے کہ انہوں نے ایک لڑکی کو مارا ہے۔ زہر دیا ہے۔ لاش کو کہیں گم کر دیا ہے۔ اس سے ان کی رہائی نہ ہوگی۔

افسر اور سپاہی موقعہ پر آئے۔ تھانہ میں اطلاع کی گئی۔ ساری رات سپاہیوں نے جنگل چھان مارا نہ جوگی کا پتہ لگا نہ لاش کا۔ زیر دفعہ ۳۰۲ و ۲۰۱ تعزیرات ہند سب کو حوالات میں دیدیا

ہر چند مجرموں نے ضمانت کی درخواست کی۔ درخواست منظور نہ ہوئی۔ پولیس نے مقدمہ تیار کرنا شروع کر دیا +

کنوؤں میں بانس ڈال دیئے

سنیچر سنیچر آٹھ۔ اتوار نو۔ آج نو دن ہوئے۔ جب سے شام کو سنیچر چڑھا۔ دو ایک روز تو وہ کبھی کبھی کچھ شگفتہ بھی نظر آیا۔ مگر چار روز سے تو وہ بالکل خاموش تھا۔ ایسا خاموش کہ جیسے دیوانے ہوتے ہیں۔ اتوار کے دن وہ بہت سویرے گھر سے نکلا۔ یاروں نے سمجھا۔ کہ کہیں چہل قدمی کو گیا ہوگا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی۔ شام کا پتہ ہی ندارد ہے۔ دوستوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ نوکروں سے پوچھا کہ شام کھانا کھانے بھی آیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اُس نے صبح سے گھر میں مطلق قدم ہی نہیں رکھا۔ شاموں شام نوکروں کو ادھر اُدھر تلاش کیلئے بھیجا۔ خود بھی ڈھونڈتے پھرے۔ سارے ملاقاتی دوستوں کے گھر چھان مارے۔ مگر شام کوئی سوئی تھوڑا ہی تھا کہ چھپ جاتا۔ اس کا پتہ نہیں لگا۔ آج پانچ چھ برس ہونے آئے تھے شام کبھی گھر سے باہر نہیں رہا تھا +

یہ سب لڑکے دہلی کے رہنے والے اور نہایت شریف ہندوؤں کے بیٹے تھے وہ ایکدوسرے کے چال چلن کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دوسرے کے حامی و معاون تھے۔ دکھ درد میں شریک اچھے بُرے کے رفیق تھے۔ ان کے والدین کی ہدایت تھی کہ سب ہمیشہ ساتھ رہیں اور ایکدوسرے کے احوال سے انکے والدین کو مطلع کرتے رہیں۔ رامجیداس ان سب میں بڑا تھا وہ گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے کلاس میں پڑھتا تھا۔ اور لا سکول میں مختاری پاس کرکے وکالت کے لکچر سنتا تھا۔ گو ان لڑکوں کی عمروں میں چنداں فرق نہیں تھا۔ مگر رامجیداس اپنی ہوشمندی اور دانائی کے سبب ان میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ وہ ہر ایک کے والدین سے خط و کتابت کرتا تھا۔ اور ہر ایک سے برادرانہ سلوک کرتا تھا +

جب یار لوگ ڈھونڈتے ڈھونڈتے حیران ہوگئے تو بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے طرح طرح کے نیک و بد خیالات اُن کے دلوں میں پھرنے لگے۔ اور ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کے موافق اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ آخر سب کی یہ صلاح ہوئی۔ کہ کل صبح تک انتظار کرنا چاہیے۔ اگر کسی ایسی ویسی جگہ ہوا۔ تو صبح کو خود ہی آجائیگا +

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام اور شام سے رات اور رات سے دوسری صبح ہوگئی شام کا کہیں پتہ نہیں گرمی کا موسم تھا۔ کالجوں کا وقت علے الصبح شروع ہوتا تھا۔ یار لوگ اپنے اپنے کاموں میں شریک ہو گئے مگر سب کو امید تھی کہ شام دوپہر کو ضرور ملجائیگا۔ سب نے مشورہ کیا۔ کہ جسقدر جلد ہو سکے سب ملکر شام کو میڈیکل کالج ہی میں جا پکڑیں۔ چنانچہ سب دوست گھنٹہ گھنٹہ بھر کی چھٹی لیکر میڈیکل کالج میں جا موجود ہوئے ۔

یار پریشر۔ دوپہر بھی ہوگئی شام کا پتہ نہیں۔ اُس کے ہم جماعتوں سے پوچھا انہوں نے کہا کہ آج وہ غیر حاضر ہے۔ پرنسپل صاحب اُسے کئی بار پوچھ بھی چکے ہیں ۔

یار:۔ "اوہو۔ آج غیر حاضری درج ہوئی"

رامجیداس:۔ "یہ تو اچھا نہیں ہوا"

یار:۔ "ہاں شام جیسے نیک طالب علم کے لئے تو غیر حاضری اچھی نہیں"

رامجیداس:۔ ہاں غیر حاضری تو کسی طالب علم کے لیئے بھی اچھی نہیں۔ مگر کہیں اس سے اُسے نقصان نہ پہنچے"

یار:۔ کیوں۔ نقصان کیا پونچنے لگا"

رامجیداس:۔ "اس واسطے کہ وہ گورنمنٹ سروس کا امیدوار ہے اور اُس کے آیندہ پروسپکٹس بہت اچھے ہیں"

یار:۔ "پھر کیا ترکیب کریں"

رامجیداس:۔ "رخصت کی درخواست دیدیں"

یار:۔ "کیسی رخصت۔ بیماری کی"

رامجیداس:۔ "نہیں رخصت بیماری کیواسطے تو ڈاکٹری سرٹفکیٹ درکار ہوگا ایک ہفتہ کی اتفاقیہ رخصت لکھویئے

چنانچہ رامجیداس نے فوراً ایک عرضی لکھکر یاروں کو سنائی۔ انہوں نے خوب پسند کی پرنسپل صاحب ابھی موجود تھے۔ رامجیداس نے یہ عرضی صاحب پرنسپل کو دی انہوں نے بہت افسوس ظاہر کیا۔ اور عرضی کو منظور فرمایا۔ اور کہا شام نرائن کو لکھنا کہ ہمیں بہت افسوس ہے اگر اسکی ماں لاہور میں ہوتی تو ہم علاج میں بہت مدد دیتے ۔

دوپہر کے بعد سب یار ملکر بیٹھے شام نرائن کو ڈھونڈنے کی تجویز سوچتے رہے آخر بہت سی

مشورہ کے بعد اُٹھے۔ ایک دوست شالامار باغ گیا۔ دوسرا مقبرہ جہانگیر۔ تیسرا چھاؤنی میانمیر۔ چوتھا راوی پر۔ پانچواں مقبرہ داتا گنج بخش صاحب۔ چھٹا انارکلی چیف کورٹ۔ مزنگ اسیطرح اپنے نوکروں کو شہر کے اطراف و جوانب میں بھیجدیا ✦

یا خدا۔ شام نرائن تو سوئی ہنگیا۔ کونہ کونہ اور گڑھا گڑھا ڈھونڈ ڈالا۔ چوہوں کے بل ناک میں ہاتھ ڈالکر دیکھا۔ اور دیکھا کیا۔ بس یوں کہو کہ بانسوں ہیں۔ کنوئیں۔ نہ تو بہ کنوؤں میں بانس ڈلوا دیئے مگر شام نرائن کا کہیں پتہ نہ لگا۔ پر نہ لگا ✦

ڈھونڈ ڈھانڈ کر قریباً رات کے بارہ بجے سب یار اکٹھے ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی سرگذشت سنائی۔ کسی نے کہا میں نے گیدڑوں کی بھٹہ تک دیکھی۔ کسی نے کہا میں نے کنوؤں میں لوگوں کو اتروایا۔ کسی نے کہا۔ میں نے تو کئی گھروں کے اندر بھی گھس کر دیکھا۔ کسی نے کہا کہ میں نے کئی پرانی قبروں تک گھس کر دیکھا۔ کسی نے کہا کہ چوہوں کے بل تک میں نے دیکھ ڈالے۔ کہیں ہو تو ملے وہ بیشک کہیں چلا گیا ✦

ایک :۔ "کہیں دہلی نہ چلا گیا ہو"

دوسرا :۔ "ہاں۔ یا شاید اپنے باپ کے پاس میرٹھ چلا گیا ہو"

تیسرا :۔ "بغیر کسی کے بلائے ان جگہوں وہ جانے والا تو نہیں"

چوتھا :۔ "پھر کہاں چلا گیا"

پانچواں :۔ "خدا جانے کہاں گیا۔ سب سامان اس کا یہاں موجود ہے"

چھٹا :۔ "پھر کہاں گیا۔ زمین نگل گئی۔ یا آسمان اڑا لیگیا"

رامجیداس :۔ "بہرحال دہلی اور میرٹھ میں اُس کے گھر اور والد کو اطلاع کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ شرمندگی اُٹھانی پڑے"

یار :۔ "اچھا کل دوپہر تک اور راستہ دیکھو۔ دوپہر کو کالج سے آن کر یا تو خط لکھدو یا تار دیدو"

رامجیداس :۔ "اول تار دینگے۔ اور پھر خط بھی بھیجینگے"

یہ بیچارے تھکے ماندے طالب علم اسطرح کی باتیں کرتے اپنی حیرانی اور استعجاب ظاہر کرتے کرتے سو گئے۔ چونکہ رات کو تھک کر بڑی رات گئی سوئے تھے۔ اس واسطے صبح کو دیر سے اُٹھے ہر ایک اپنے اپنے کالج میں دیر کرکے پہنچا۔ واپسی کے وقت پھر شام نرائن کو میڈیکل کالج میں دیکھنے گئے وہاں اسکا کیا پتہ تھا۔ ہاں ایک لطیفہ سنا۔ نہ ایک شعبدہ دیکھا۔ کہ ایک پولیس کا سپاہی شام نرائن کو ڈھونڈتا

پھرتا ہے +

رامجیداس :۔ "کیوں۔ شام نرائن سے کیا کام ہے ؟"

کنسٹبل :۔ "کچھ کام نہیں"

رامجیداس :۔ "پھر بھی۔ اگر کام نہیں تو کیوں دیکھتے پھرتے ہو"

کنسٹبل :۔ "کام کاج تو ہم کو معلوم نہیں دلی والے مرزاجی جو خفیہ پولیس کے افسر ہیں انہوں نے بلایا ہے"

رامجیداس :۔ "کونسے دلی والے مرزاجی۔ کیا مرزا جبار بیگ نے بلایا ہے"

کنسٹبل :۔ "ہاں ہاں مرزا (زبار) جبار بیگ نے بلایا ہے"

رامجیداس :۔ "مرزاجی اس وقت کہاں تشریف رکھتے ہیں"

کنسٹبل :۔ "اسوقت کوتوالی میں کوتوال صاحب کے پاس بیٹھے ہیں"

رامجیداس نے دوستوں کو گھر کی طرف روانہ کیا۔ کہ تم گھر چلو۔ میں فرا مرزاجی سے مل آؤں۔ شاید ان سے کچھ پتہ لگے"

رامجیداس کنسٹبل کے ہمراہ مرزا صاحب کے پاس گیا۔ مرزاجی اس سے نہایت مہربانی سے پیش آئے مگر تھے بڑے رازدار آدمی۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ اور رامجیداس سے سارا حال معلوم کر لیا اور کہا کہ انشاء اللہ تعالےٰ میں شام نرائن کو تلاش کراؤنگا آپ خاطر جمع رکھیں +

رامجیداس اس طرف سے بھی مایوس گھر واپس آیا۔ یار لوگ اُس کا راستہ دیکھ رہے تھے کہ شاید کچھ خبر لائے۔ دیکھتے ہی بولے :۔

یار :۔ "کہو بھئی۔ شام پہلوان کی کیا خبر ہے"

رامجیداس :۔ "یار کچھ خبر نہیں"

یار :۔ "مرزاجی نے کچھ ذکر نہیں کیا"

رامجیداس :۔ "نہیں۔ کچھ نہیں"

یار :۔ "آخر اُسے کیوں بلایا تھا"

رامجیداس :۔ "پتہ نہیں۔ میں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ہاں انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ شام سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے ملے ہوئے بہت دن ہوئے تھے"

یار :۔ "نہیں صرف اتنی بات تو نہ ہوئی ہوگی"

رامجیداس "پیشتر جانے مرزاجی بڑے گھرے آدمی ہیں اُنہوں نے ذرا بھی ذکر نہیں کیا۔ ہاں جب میں نے ذکر کیا تو کہتے تھے کہ اچھا میں بھی تلاش کراؤنگا"

یار "بس یار ہم تو تلاش کرتے کرتے ادھ موئے ہو گئے۔ اب اُس کے گھر اور اُسکے والدین کو بذریعہ تار خواہ بذریعہ خط اطلاع دیدو۔ اور اپنے کام میں لگو ہم کہاں تک وقت ضائع کریں"

اسی وقت سب نے ملکر دو تار طیار کئے۔ ایک دہلی بجے نرائن اسکے چچازاد بھائی کو۔ دوسرا امیرٹھ اس کے والد کو۔ کہ

"شام نرائن دو روز سے غائب ہی۔ کیا وہاں پہنچا ہے۔ خط آتا ہے"

تار لکھ کر نوکر کے ہاتھ روانہ کئے۔

پھر دو خط اسی مضمون کے لکھے:۔

جناب مکرم بندگان!

بعد آداب آداب کے عرض ہے کہ پچھلے سنیچر کو شام نرائن کے پاس دو خط ایک گھر اور ایک میرٹھ سے آئے تھے جن میں شاید اُن کے ناطہ کی بابت لکھا تھا۔ ان خطوں کے پڑھتے ہی شام نرائن کچھ پژمردہ سا ہو گئے تھے۔ ہر چند ہم لوگ ان کی تسلی اور خاطر جمع کرتے رہے۔ مگر وہ دن بدن کچھ زیادہ پژمردہ سے ہوتے گئے۔ دو تین روز کے بعد انہوں نے ہم سے بات کرنی بھی ترک کردی۔ گو ہماری بات کا جواب دیدیا کرتے تھے۔ مگر یوں بفضل خدا تندرست اور توانا تھے۔

آج تیسرا دن ہے کہ اتوار کے روز صبح کو ہوا خوری کو گئے اور جب سے واپس نہیں آئے آج ہم کو سر پٹکتے پٹکتے تین دن ہو گئے ہیں۔ تمام جنگل۔ شہر اور گلی گلی۔ کوچہ کوچہ چھان مارا ہے مگر کہیں اُن کا پتہ نہیں لگا۔ ممکن ہے گھر پہنچ گئے ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

۲۲۔ جولائی ۱۸۸۴ء	ہم ہیں آپکے خادم رامجیداس وغیرہ وغیرہ

شام کے قریب دو نو طرف سے تار کا جواب آگیا۔ کہ

"شام یہاں نہیں آیا۔ مفصل لکھو۔ تشویش ہے"

یاروں نے کہا خلاصہ حال خط سے معلوم ہو جائیگا خط کل شام تک پہنچ جائینگے انہوں نے شام نرائن کا اسباب سب سنبھالکر رکھدیا۔ اور خود اپنے اپنے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ گو کہ ہر وقت شام نرائن اُن کو یاد آتا تھا۔

بردہ فروش

انگریزوں کی عملداری میں کسی کی مجال نہیں کہ بردہ فروشی کا نام بھی لے اور خود بردہ فروشی کرتا تو کیسا۔ مگر ملک پنجاب میں علانیہ بردہ فروشی ہوتی ہے۔ اور بقول شخصے "چراغ تلے اندھیرا" لاہور اس کا مرکز ہے۔ چنانچہ دو مرد ایک عورت۔ جوان لڑکیوں کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ایک سُنار ہے۔ ایک کھتری اور ایک عورت گوجرانی ہے +

سنار:۔ "سنا ہے راوی کے کنارے پہاڑ کے دامن میں ایک گانوں ہے وہاں بہت سے غریب کشمیری رہتے ہیں۔ آؤ وہاں سے کچھ مال لائیں"

کھتری:۔ "کونسا گانوں۔ اس گانوں کا نام کیا ہے"

سنار:۔ "بھلا ہی سا نام ہے دیکھو جی دیکھو (ذرا سوچکر) سجانپور"

کھتری:۔ "ہاں ہاں ٹھیک! اس نام کا ایک گانوں ہے۔ پٹھانکوٹ کے نزدیک ہی وہاں تو سب کشمیری ہی رہتے ہیں"

عورت:۔ "ہاں ہاں وہیں چلو۔ جہاں کشمیری رہتے ہیں۔ لڑکیاں بھی اچھی ہونگی اور سستی ملجائینگی"

سنار:۔ "ہاں ہاں۔ یہی تو میں کہتا ہوں"

کھتری:۔ "پھر چلو یہاں سے ریل پر چلے چلیں۔ اگر مال ہاتھ آگیا۔ تو دریا کے کنارے کنارے چلے چلینگے"

عورت:۔ "کچھ روپیہ بھی تو ساتھ لے لو"

کھتری:۔ "میرے پاس دو سَو روپیہ تو ہے"

سنار:۔ "کوئی پچاس روپیہ میرے پاس بھی ہیں"

عورت:۔ "بہت ہیں کشمیریونکی لڑکیاں تو اتنے میں دس پندرہ ضرور ہی ملجائینگی"

کھتری:۔ "ہاں مائی۔ مل تو جائیں گی۔ مگر رستے کا خرچ بھی تو ہوگا"

سنار:۔ "اس مال کو کہاں بیچینگے"

عورت:۔ "جالندھر کے علاقہ میں"

کھتری:۔ "ہاں مائی اُس جگہ کے جاٹ قیمت تو بہت دیتے ہیں۔ مگر جگہ بہت دُور ہے"

سنارو:۔ جالندھر سے کرتار سنگھ جاٹ بھی تو آیا ہوا ہے۔ کہتا تھا کہ دو مرغیاں چاہئیں اگر چونے ہوئے تو دام اچھے ملجاوینگے۔"

عورت:۔ "ہاں اگر گھر بیٹھے سودا ہو جائے تو سب سے اچھا ہے۔"

سنارو:۔ "میں نے اسکو کہہ تو دیا ہے۔ کہ ہم آج جانے والے ہیں۔ دس بارہ روز تک ہمارا رستہ دیکھے۔"

کھتری:۔ "ہاں بھئی۔ کرتار سنگھ نے پہلے بھی دام اچھے دئیے تھے اگر چیز اچھی ہوئی تو اب کی دفعہ بھی کچھ نہ کچھ خاطر خواہ ہی ملجاویگا۔"

عورت:۔ "بس تسیں ذرا اوتھے مینوں پچا دیو۔ اجیہی چنگی چیز نکھیڑ کے لیا وانگی جو تسیں بھی ویکھو" (بس تم ذرا وہاں مجھے پہنچا دو۔ ایسی عمدہ چیز چھانٹ کر لاؤنگی کہ تم بھی اسے دیکھا ہی کرو) ⁂

سنارو:۔ "چنگا۔ تے پھر اج دو بجے دی ریل چ چڑھ چلو۔ بھلکے سویل نوں اسیں اوس پنڈ چل ہی پجانگے۔" (اچھا تو آج ۲ بجے کی ریل میں چل دو۔ کل صبح کو ہم اس بستی میں جا ہی پہنچینگے)

کھتری:۔ "ہاں اج رات نوں پٹھانکوٹ رہانگے۔ تے سویر نوں سجانپور نوں ٹر پوانگے۔" (ہاں آج رات کو پٹھانکوٹ ٹھیرینگے۔ اور صبح سجانپور کو چلدینگے) ⁂

دوپہر کو دو بجے کی گاڑی میں یہ بردہ فروشوں کا گروہ سجانپور روانہ ہوا۔ گوجرانی۔ اور کھتری اور سنارو دونوں اُس کے بیٹے۔ سب نے مسلمانوں جیسے کپڑے پہن لئے۔ رات کو پٹھانکوٹ کی سرائے میں جا ٹھیرے۔ صبح کو یکہ میں بیٹھ تھوڑی دیر میں سجانپور داخل ہوئے۔ دیکھا تو بستی خوب آباد ہے۔ مگر سب کشمیری ہیں۔ بیسیوں لڑکیاں نقش و نگار کی درست۔ سیب جیسے رخسار۔ رنگ عمدہ اور شباب۔ اِدھر اُدھر پھر رہی ہیں۔ مگر حالت نہایت تنگی کی ہے۔ میلے کچیلے پھٹے پرانے لمبے لمبے کرتے پہن رکھے ہیں۔ سر پر میلی وَیلی لال ٹوپیاں دھری ہیں ⁂

سنارو:۔ "کیوں مائی ڈٹھا ای۔ کیہو جیہا مال اے۔" (کیوں مائی دیکھا کیسا مال ہے) ⁂

عورت:۔ "ڈاہڈا چنگا" (نہایت عمدہ) ⁂

کھتری:۔ "ہن ویکھئے مل کی ٹھیردا اے" (اب دیکھیں قیمت کیا مقرر ہوتی ہے) ⁂

سنار:۔ "سکھلا ای ہو ویگا" (آسان ہی ہوگا) ⁂

عورت:۔ "پچھا ہن تدبیر سوچو جو کی کریئے" (اچھا اب تدبیر سوچو کہ کیا کریں) ⁂

کھتری:۔ "مائی دو چار روز ایتھے رہ کے حال چال ویکھو" (مائی دو چار روز یہاں ٹھیر کر حال چال دیکھو)

سنارو:۔ "اج شام نوں جیہڑے دو چار کڑیاں پنڈ تھیں باہر جان۔ پھڑ کے لے چلو" (آج شام کو

جس وقت دو چار لڑکیاں گانوں سے باہر جائیں۔ پکڑ کر لیچلو) +

عورت ۔ "نہیں اجیہی جبردستی تے نہیں ناں چاہی دی۔ شاہ جی دی گل مینوں تے پسند آوندی ہے" (نہیں ایسی زبردستی تو نہیں چاہیئے نا۔ ساہ جی کی بات مجھے تو نہایت پسند آتی ہے) +

سنار ۔ "اچھا پھیر میں اپنی سنیاریاں دی ہٹی کھولاں۔ تے شاہ ہوری پرچون دی۔ تے مائی توں کسے وڈے آدمی دی جا کے نوکر ہو جا" (اچھا تو پھر میں اپنی سناروں کی دکان کھولوں اور ساہ جی پرچون کی۔ اور مائی تو کسی بڑے آدمی کی جا کر نوکر ہو جا) +

کھتری ۔ "ہلا تسیں ایتھے ٹھیرو۔ میں پنڈ وچ جا کے سارا بھیت لیاوندا ہاں"۔ (اچھا تم یہاں ٹھیرو میں گانوں میں جا کر سب بھید لاتا ہوں) +

یہ گوجری اور سنار گانوں کے باہر ایک پوشیدہ جگہ میں بیٹھ گئے۔ کھتری گانو نکے اندر گیا۔ اور سب حال احوال دریافت کر کے دو گھنٹہ بعد واپس آیا +

سنار (دوروں ہی) "سناؤ شاہ جی۔ کی حال اے" (دور سے ہی) سناؤ ساہ جی کیا حال ہے)

کھتری ۔ "سب انتجام ٹھیک ہے۔ پنڈ وچ تن آدمی بڑے عجت والے ہیں۔ اک پیر جی۔ دوجا لمبردار تیجا اک شیخ جمیندار ہے" (کل انتظام درست ہے گانوں میں تین آدمی بڑے عزت والے ہیں۔ ایک پیر جی دوسرا نمبردار۔ تیسرا ایک شیخ شیخ زمیندار ہے) +

جب کھتری گانوں کے اندر سے حال معلوم کر آیا۔ تو اب سنار اور اس گجری سے کہنے لگا :۔

کھتری ۔ "مائی توں تے پیر جی دے کول جا تے آکھ جو میں پیر جی دیا کراماتاں سُن کے آئی ہاں۔ تاں انہاندے قدماں وچ مراں۔ ایہ لے ویہہ روپئے۔ ایہناں وچوں پنج روپئے پیر جی دی نجر کر دئیں۔ تے آکھیں جو پیہانگی۔ کتانگی۔ پر ہوانگی ایتھے تہاڈے قدماں وچ تاں کہ ہر روج آپ دا دیدار ویکھیا کراں۔ کل میں تینوں لوڈھے ویلے اوتھے ملانگا۔ اور پھیر لمبردار نوں ملکے میں پرچون دی ہٹی کڈھ لانگا۔ تے پھیر بھائی کاریگر۔ توں شیخ نوں مل کے سنیاریاں دی ہٹی کھول لئیں" (لو مائی۔ تم پیر جی کے ہاں جاؤ۔ اور کہنا کہ میں پیر جی کی کرامات سن کر آئی ہوں۔ کہ انکے قدموں میں مروں۔ یہ لے بیس روپیہ۔ ان میں سے پانچ روپیہ پیر جی کی نظر کر دیجیو.. اور کہیو کہ میں پیسونگی۔ کاتونگی۔ مگر رہونگی آپکے قدموں میں تاکہ ہر روز آپ کی زیارت کرتی رہوں۔ کل سہ پہر کو میں تجھ سے اُسجگہ ملونگا۔ اور پھر نمبردار سے ملکر خود پرچون کی دکان نکالونگا۔ اور پھر بھئی کاریگر۔ تم شیخ جی سے ملکر اپنی سناروں کی دکان کھول لینا) +

یہ بردہ فروشوں کا مختصر گروہ اس طرح بڑھیا کو وہاں چھوڑ کر خود بٹھانکوٹ روانہ ہوا +

یہ دلالہ شیطان کی خالہ گاؤں میں جا داخل ہوئی۔ اور پوچھتی پوچھتی پیر جی صاحب کے مکان میں پہنچی +

پیر جی صاحب ایک تخت پوش پر بیٹھے کچھ وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ عورت کو گھر میں آتے دیکھ کر "ہوں ہوں" کرنے لگے +

یہ دلالہ پہلے ہی طاق تھی۔ فوراً سمجھ گئی کہ پیر جی یہی ہیں۔ جھٹ دور سے سلام کرتی پیر جی کے قدموں میں جا گری +

پیر جی بھی مرید و نکے بلے ہوئے تھے جھٹ ٹانگیں پھیلا دیں۔ اس نے پیر جی کے قدموں سے اپنے سر اور آنکھوں کو خوب رگڑا +

پیر جی :- "ہوں ہوں۔ توں کون ہیں۔ کی چاہنی ایں" (ہوں ہوں۔ تو کون ہے۔ کیا چاہتی ہے) +

گوجری نے فوراً پانچ روپیہ کھول کر پیر جی کے سامنے رکھے اور کہنے لگی :-

گوجری :- "تہاڈی کرامت سن کے بڑی دور ھتیں آئی ہاں۔ بس ہن تہاڈے ہی قدماں وچہ مرنا ہے۔ تہاڈا دیدار (نعوذ باللہ) کھدا دا دیدار ہے۔" (آپ کی کرامات سن کر بڑی دور سے آئی ہوں۔ بس اب آپ کے ہی قدموں میں مرنا ہے۔ آپکا دیدار (نعوذ باللہ) خدا کا دیدار ہے)

پیر جی (روپیہ ہتھ وچہ پھڑکے) :- "ایہ ساڈا انجرانہ ہے۔ اچھا اچھا تسیں مرید ہو جاؤ پر ایتھے رہ کے کی کرنا ہے۔ جدوں کدے پھرصت ہووے یاں موقعہ ہووے۔ تسیں سانوں آ کے ویکھ جایا کرناں۔ اسیں تہانوں ایہا وجیفہ دساں گے۔ جو انشاءاللہ کھلی کھلی جنت وچہ پہنچ جاؤ اور پہنچنا کہیا۔ اوس دن میں اپنے سارے مریداں نوں اکٹھیاں کر کے آپ بہشت وچہ لیجاوانگا۔"

(روپیہ ہاتھ میں لیکر) یہ ہمارا نذرانہ ہے۔ اچھا اچھا۔ تم مرید ہو جاؤ۔ مگر یہاں رہکر کیا کرنا ہے۔ جب کبھی فرصت ہو۔ موقعہ ہو۔ تم ہم کو آن کر دیکھ جایا کرنا۔ ہم تم کو ایسا وظیفہ بتائینگے کہ انشاءاللہ کھڑی کھڑی جنت میں پہنچو۔ اور پہنچنا کیسا۔ اس دن میں اپنے سارے مریدوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے خود بہشت میں لیجاؤنگا +

گوجری :- "ناں حجرت جی۔ میری تاں بڑی آرجو ایہو ہے کہ تہاڈے قدماں وچہ میں مراں میں تہاڈی کھدمت کراں گی۔ ڈکت پیہہ کے اپنا گجارہ پئی کرانگی۔" (نہیں حضرت جی میری تو یہی آرزو یہی ہے کہ آپکے قدموں میں مروں۔ میں آپ کی خدمت کرونگی۔ اور کات پیس کر اپنا

گذارہ کرلونگی) +

پیر جی :۔ "چھا رہو۔ پھیر رہو۔ کجھ دن رہو" (اچھا رہو۔ پھر رہو۔ چند دن رہو) + اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ اتنا اشارہ پاکر گجرانی نے پیر پھیلا دیئے۔ جھٹ گھر کی خدمت میں مشغول ہو گئی۔ شام کے وقت ہرچند پیر جی نے اسے کھانے کے واسطے کہا۔ مگر اُس نے کہا قربان گئی۔ صدقے گئی۔ میں پیروں کا نہیں کھاتی۔ اپنا کھاؤنگی۔ پھر مفت کی نوکر پیر جی کو کیوں نہ پسند آئے +

دوسرے دن حسبِ عدہ سہ پہر کو کھتری گانوں میں آیا۔ اور گوجری اس سے جاکر ملی +

کھتری :۔ "دس مائی کی ڈول ہے" (کہو مائی۔ کیا حال ہے) +

گوجری :۔ "سب کجھ ٹھیک ہے۔ کل پیر جی دی مرید ہو گئی ہاں۔ تے انہاں دے ہی گھر وچ رہنی آں۔ پیر جی دی ووہٹی تے دھیاں بڑی محبت کردیاں ہیں" (سب کچھ ٹھیک ہے۔ کل پیر جی کی مرید ہو گئی ہوں۔ اور ان کے ہی گھر میں رہتی ہوں۔ پیر جی کی عورت اور بیٹیاں مجھ سے بڑی محبت کرتی ہیں) +

کھتری :۔ "مائی پیر جی دیاں کتنیاں دھیاں ہین" (مائی۔ پیر جی کی کتنی بیٹیاں ہیں) +

گوجری :۔ "دو کڑیاں ہین۔ پریاں وانگ" (دو بیٹیاں ہیں مگر پریوں جیسی) +

کھتری :۔ "پھیر دو نویں ہتھ لگ جاون گیاں کہ اک" (پھر دونوں ہاتھ لگ جائینگی کہ ایک) +

گوجری :۔ "ہتھ تے دو نویں آسکدیاں ہین۔ کیوں جے بڑی بھولیاں ہین۔ پر پیر جی بڑے عجت والے بندے ہین۔ سارے پنڈ دے لوک انہاں دے مرید ہین۔ ایہا نہ ہووے کتے اساڈی شامت آجاوے" (ہاتھ دونوں آسکتی ہیں۔ کیونکہ بڑی بھولی ہیں۔ مگر پیر جی بڑی عزت والے آدمی ہیں سارے گانوں کے لوگ اُن کے مرید ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہماری شامت آجائے) +

کھتری :۔ "ہاں مائی ٹھیک ہے غریباں دیاں دھیاں تلاش کرنی چاہی دیاں ہین" (ہاں مائی درست ہے۔ غریبوں کی لڑکیاں تلاش کرنی چاہئیں جو پولیس میں جاتے ہوئے بھی ڈریں) +

گوجری :۔ "ہاں ٹھیک بس ایہہ ٹھیک ہے دو چار دناں نوں سارا حال کھل جائیگا۔ سارے پنڈ دیاں عورتاں پیر جی دے کول آوندی جاوندی رہندیاں ہین" (ہاں درست ہے بس یہ درست ہے دو چار روز میں سارا حال کھل جائیگا۔ تمام گانوں کی عورتیں پیر جی کے ہاں آتی جاتی ہیں) +

کھتری :۔ "چھا مائی جاہ توں جاہ میں ہن لمبردار نوں جاکے ملدا ہاں۔ کل پرسوں تک

ہٹی کھول لینداہاں"۔ (اچھا مائی جا۔ تو اب جا۔ میں اب نمبردار سے جاکر ملتا ہوں اور کل پرسوں تک
دکان نکال لیتا ہوں) +

یہ مکار کھتری نمبردار کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا:-

کھتری:- "ملک جی سنیا ہے جو تہاڈے پاس کجھ کشمیری کیسر کن واسطے آیا ہویا ہے جیکر ہے تاں اسانوں
دیدیو" (ملک جی۔ سنا ہے کہ آپ کے پاس کچھ کشمیری زعفران بکنے کے لیئے آیا ہوا ہے۔ اگر ہے تو
ہم کو دیدو) +

نمبردار:- "لالہ جی تسیں کون ہوندے ہو۔ کیسر کی کرو گے؟" (لالہ جی۔ تم کون ہوتے ہو زعفران کیا کرو گے)

کھتری:- "ملک جی میں پٹھانکوٹ وچ پرچون دی دُکان کرداہاں جعفران ہوسکی کرانگا ایہو بپار
نفع نال ویچ دیانگا" (ملک جی۔ میں پٹھانکوٹ میں پرچون کی دکان کرتا ہوں۔ زعفران اور
کرونگا یہی بیوپار۔ نفع سے بیچ دونگا) +

نمبردار:- "ہاں ساڈا بھائی کشمیروں کجھ لیایا تے سی۔ پر دے دتا سی۔ ہن تے تھوڑا جنا باقی رہندا ہے"
(ہاں ہمارا بھائی کشمیر سے کچھ لایا تو تھا۔ مگر دیدیا تھا۔ اب تو کچھ تھوڑا سا باقی رہتا ہے) +

کھتری:- "ہاں ملک جی تسیں تاں اپنے پنڈ دے دُکاندار نوں دیو گے! اسانوں کیوں دین لگے"
(ہاں ملک جی آپ تو اپنے گانوں کے دکاندار کو دو گے۔ ہم کو کس لیئے دینے لگے) +

نمبردار:- "توبہ لالہ جی۔ پنڈ دے دکاندار دی اینی ہمت کتھے۔ اوہ تے لون مرچ بھی چنگی طراں نہیں دے
سکدا ویکھو دوناں تھیں ہن کتھے گیا ہویا ہے۔ ہٹی بند پئی ہوئی اے۔ جعفران تے شہر دا اک شاہوکار
لے گیا سی" (توبہ لالہ جی۔ گانوں کے دکاندار کی اتنی ہمت کہاں وہ تو نمک مرچ بھی اچھی طرح نہیں
دے سکتا دیکھو دو روز سے اب کہیں گیا ہوا ہے۔ دوکان بھی بند پڑی ہے۔ زعفران تو
شہر کا ایک ساہوکار لے گیا تھا) +

کھتری:- "ملک جی پھیر پنڈ وچ چنگا جیہا دکاندار کیوں نہیں بٹھاندے" (ملک جی۔ پھر گاؤں
میں اچھا جیسا دکاندار کیوں نہیں بٹھلاتے)؟

نمبردار:- "جی کوئی آوے بھی" (اجی کوئی آکر بیٹھے بھی) +

کھتری:- "تہاڈی مدد ہووے تے اِتھے آسکدے ہیں۔ ایہ بھی بھلا کوئی گل ہے۔ ملک جی جعفران
تے وکھالو" (آپکی مدد ہو تو یہیں آسکتے ہیں۔ یہ بھی بھلا کچھ بات ہے۔ ملک جی زعفران تو دکھاؤ)

نمبردار نے زعفران منگوایا۔ کھتری نے تگنے داموں سے خرید لیا۔ نمبردار بہت خوش ہوا

کہ یہ دکاندار بڑا آنکھوں کا اندھا اور گانٹھ کا پورا ہے۔ اُسے کہنے لگا:۔

نمبردار:۔ "چھا بھائی لالہ۔ ہٹی دی گل دس توں کھولیگا" (اچھا بھئی لالہ دکان کی بات بتا تو کھولیگا)

کھتری:۔ "ہاں جیکر تساڈی مدد ہووے۔ تاں میں کڈھ لوانگا۔ (ہاں اگر آپکی مدد ہو تو میں نکال لونگا)

نمبردار:۔ "میں تینوں ایہ گھر تے ایہ ہٹی دیندا ہاں بس اج ہتھیں آجا" (میں تجھے یہ مکان اور یہ دکان دیتا ہوں بس آج ہی سے آجا) ۔

کھتری:۔ "ملک جی جرا صفا کرا دیو۔ آج تے نہیں۔ پر کل ہتھیں آجانگا" (ملک جی ذرا صفا کرادو۔ آج تو نہیں۔ مگر کل سے آجاؤنگا) ۔

نمبردار:۔ "دیکھ لالہ جرور آویں" (دیکھو لالہ ضرور آجانا) ۔

کھتری:۔ "جرور۔ جرور" (ضرور۔ ضرور) ۔

دوسرے دن یہ مکار دکاندار خوب دکان جما کر بیٹھ گیا۔ اُسنے تو مکر کا جال بچھانا تھا نہ کہ دکان کرنا تھا۔ سیر کا سوا سیر تولنے لگا۔ روپیہ کے پندرہ آنے لیتا۔ اور سترہ آنے دیتا خوب دکان چل نکلی۔ غریب عورتیں اور لڑکیاں ہر وقت سودا لیتی رہتی تھیں ۔

گوجری اور کھتری دونو ملتے اور تجویزیں سوچتے رہتے۔ سُنار بھی چکر لگاتا رہتا۔ اس مکار بردہ فروش کو گانوں میں دکان کھولے دو چار روز ہوئے تھے کہ سارے گانوں میں اسکی سچائی اور نیکی کا شہرہ ہوگیا۔ گانو نکے اکثر آدمی اسکی دکان پہ آن کر بیٹھتے اور باتیں کرتے۔ یہ مکار ان کی خوب خاطر تواضع کرتا۔ حقے پلواتا۔ نسوار سونگھنے کو دیتا ایک دن شیخ زمیندار کہنے لگا:۔

شیخ:۔ "بھائی لالہ۔ پندراں ویہاں ناں نوں اساڈی دھی دا ویاہ ہون والا ہے۔ کجھ مدد دیں گا" (بھئی لالہ پندرہ۔ بیس روز میں ہماری لڑکی کی شادی ہونیوالی ہے۔ کچھ مدد دیگا) ۔

کھتری:۔ "ہاں جی ہاں۔ ہوراوہ ویلا مدت دا اکیہڑا ہونا ہے۔ سر اکھیاں نال بھلا تہاڈے آکھن دی گل ہے" (ہاں جی ہاں۔ وہ وقت مدد کا کون ہوگا۔ سر اور آنکھوں سے۔ بھلا آپکے فقط کہنے کی بات ہے) ۔

شیخ:۔ "چھا بھائی لالہ۔ تیری مہربانی دیلا بھی ہن نیڑے ای" (اچھا بھئی لالہ۔ تیری مہربانی ہے۔ وقت بھی اب نزدیک ہی ہے) ۔

کھتری:۔ "کڑی دے لئی کجھ جیور بھی بنوایا جے کہ ناں" (لڑکی کیلئے کچھ زیور بھی بنایا ہے کہ نہیں)

شیخ :۔ "نہیں اجے تے نہیں ہُن بن واسطے دیانگا" (نہیں ابھی تو نہیں۔ اب بننے کو دونگا) +

کھتری :۔ "پنڈ وچہ کوئی سنیارا ہے" (گاؤں میں کوئی سُنار ہے) +

شیخ :۔ "نہیں۔ پٹھانکوٹ وچہ بنبادین دا ارادہ ہے" (نہیں پٹھانکوٹ میں بننے کو دینے کا ارادہ ہے)

کھتری :۔ "واہ شیخ جی۔ پٹھانکوٹ دیکے کی کروگے۔ میرا اک سنیارا دوست ہے۔ میں اوسنوں آکھانگا تہاڈے گھر بہکے بناجائیگا۔ چیج اوہ بنائیگا جو تسیں اوہنوں پئے ویکھو۔ تے چاندی اجیہی لگائیگا جیہا دودھ" (واہ شیخ جی پٹھانکوٹ دیکر کیا کروگے۔ ایک سنار میرا دوست ہے میں اسے کہونگا آپکے گھر بیٹھ کر بناجائیگا۔ چیز وہ بنائیگا۔ کہ آپ اُسے دیکھا کرو۔ اور چاندی ایسی لگائیگا جیسے دودھ) +

شیخ :۔ "لالہ جیکر اجیہا بندبست ہوجائے۔ تاں سبنانوں چنگا ہے۔ پر جمہ تیرا ہوویگا" (لالہ اگر ایسا بندوبست ہوجائے تو سب سے اچھا ہے۔ مگر ذمہ تمہارا ہوگا) +

کھتری :۔ "ہاں شیخ جی اجیہا بندبست ہی ہوجائیگا۔ تے دوجا بشک میرا جمہ" (ہاں شیخ جی ایسا ہی بندوبست ہوجائیگا۔ اور دوسرا بیشک ذمہ میرا) +

سنار کی تو خدا نے سُن لی۔ دوسرے دن اپنے اوزار لے جھٹ گانوں میں داخل ہوگیا۔ چار پانچ روز میں شیخ جی کی بیٹی کا زیور بنا کر الگ کیا۔ مزدوری بہت تھوڑی لی۔ اور چیز نہایت عمدہ بنائی +

سُنار :۔ "شیخ جی جیکر اک ہٹی لے دیو۔ تاں میں تہاڈے پنڈ وچہ ہی آرہواں" (شیخ جی اگر ایک دوکان لے دو۔ تو میں بھی تمہارے گانوں میں ہی آرہوں) +

شیخ :۔ "میرا گھر تے ہٹی کھتری دی ہٹی دے کول ہے۔ اوس وچہ توں رہیا کر۔ کرایہ بھی نہ لوانگا" (میرا مکان اور دوکان کھتری کی دکان کے پاس ہی ہے۔ اس میں تو رہا کر۔ کرایہ بھی نہ لونگا) +

سُنار :۔ "تہاڈی بڑی مہربانی ہے" (آپ کی بڑی مہربانی ہے) +

سنارے نے بھی دوکان کھول لی۔ گانوں سے تھوڑا بہت کام بھی ملنے لگا۔ اب تینوں بدمعاشوں کے خوب پاؤں جم گئے۔ گانوں کے گھر گھر اور چپے چپے سے واقف ہوگئے۔ گانوں کی خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر جاتا۔ اور کہا کرتے تھے۔ جی تو چاہتا ہے۔ ٹھیپ کے کھیپ بھر کے لے چلیں +

آخر انہوں نے چند ایسی لڑکیاں تلاش کر نکالیں جن کے والدین مرگئے تھے اور جو

بیس کات کر نہایت عسرت سے اپنا گزارا کرتی تھیں۔ اور تجھ مجھ کے ہاں ٹک رہی تھیں۔ ان مکاروں نے ان غریب لڑکیوں کو سبز باغ دکھا کر بالکل پھندے میں پھانس لیا۔ ان کو کہا۔ اگر تم پنجاب میں چلو تو بڑے بڑے نواب تم سے شادیاں کریں۔ خوب گوٹے کے کپڑے پہنو۔ سونے میں پیلی ہو جاؤ۔ نوکر چاکر تمہارے آگے خدمت کریں ٭

کھتری ان کو کھانے کو دیتا۔ گوجری کپڑے پہننے کو دیتی۔ سنار انگوٹھیاں وغیرہ گھڑ دیتا ٭

عرصہ ایک ماہ کا گذر گیا۔ اور اب زیادہ ٹھیرنا ان بدہ فروشوں کو شاق گذرنے لگا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت کھتری اور سنار آپس میں مشورہ کرنے لگے ٭

کھتری :۔ "بڑے روج لگ گئے ہیں۔ کرتار سنگھ ٹرنہ جائیے۔ روپیہ بھی کتناں سارا کھرچ ہو گیا ہے ہن ایتھوں نکلن دی کوئی تجویج کرنی چاہیدی اے" (بہت روز گذر گئے ہیں۔ کرتار سنگھ چلا نہ جائے روپیہ بھی بہت سا خرچ ہو گیا ہے۔ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تجویز کرنی چاہیے) ٭

سُنار :۔ "ہاں جی ور بڑا عرصہ ہو گیا وے۔ مائی نے تے ایسے پیر جاوڑتے ہین جو نکلن نوں جی نہیں چاہندا" (ہاں ضرور بہت عرصہ گذر گیا ہے مائی نے تو ایسے پاؤں جما دئے ہین کہ نکلنے کو جی نہیں چاہتا) ٭

کھتری :۔ "نہیں اوہ تے اج کھد کہندی سی جو تن کڑیاں تاں بالکل تیار ہین ہن ایتھوں ٹُر چلنا چاہیدا اے" (نہیں وہ تو آج خود کہتی تھی کہ تین لڑکیاں تو بالکل طیار ہیں اب یہاں سے چلدینا چاہیے)

سُنار :۔ "تاں پھیر کی تدویر کرنی چاہیدی اے۔ چلو کل ہی کڑیاں نوں نال لیکے پٹھانکوٹ ٹُر چلیے" (تو پھر کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ چلو کل ہی لڑکیوں کو اپنے ساتھ لیکر پٹھانکوٹ چلدیں) ٭

کھتری :۔ "تاں بھائی لالہ ایہ گل ٹھیک نہیں ایس طراں راہ وچہ ویہہ تھائیں پھڑے جاوانگے" (نہیں بھئی لالہ۔ یہ بات درست نہیں۔ اسطرح تو راستے میں بیس جگہ پکڑے جائینگے) ٭

سنار :۔ "پھیر" (پھر) ٭

کھتری :۔ "پھیر ایہ۔ جو راوی دے کنڈھے کنڈھے ٹُر پوو" (پھر یہ کہ راوی کے کنارے کنارے چلدو)

سنارہ :۔ "کڑیاں لئیکیں بیریں ٹرنا بڑا اوکھا ہو ویگا۔ اُنج تواں تدویرتاں کھوب چنگی اے کوئی تلاش بھی کریگا تاں ریل دے رستے ہی دیکھیگا) ٭

کھتری :۔ "لالہ جی۔ کون تلاش کرن لگا ہے۔ انہاں کڑیاں نداتاں بالکل کوئی ہے بھی نہیں تے پیریں کیوں ٹرن گیاں اک ٹٹو تاں میرے کول ہے اک تیاڈے کول بس اک ہور لینا چاہیدا اے"

(لالہ جی کون تلاش کرنے لگا ہے۔ ان لڑکیوں کا تو مطلق کوئی وارث ہے ہی نہیں۔ اور پیدل کیوں
چلینگی۔ ایک ٹٹو تو میرے پاس ہے۔ اور ایک تمہارے پاس۔ بس ایک اور لے لینا) +

سُنار: بیشک بیشک۔ اک ٹٹو مَیں گلو کول ویکھیا سی تے اوہ ویچن واسطے آکھدا سی۔ شید کوئی
دساں روپیاں نوں مل جائیگا۔" (بیشک بیشک۔ ایک ٹٹو مَیں نے گلو کے پاس دیکھا تھا۔ اور وہ بیچنے
کو کہتا تھا۔ شائد کوئی دس روپیہ تک ملجائیگا) +

کھتری: اچھا۔ بھلکے اوس کولوں ٹٹو لے لوو۔ تے پرسوں جد شیخ دی دھی دی جنج آوے نکل چلو
شیخ ملن والا آدمی ہے۔ اوسدی دھی دی جنج نال بہت سارے آدمی آون گے پھیر لوکاں نوں اساڈے ول دا
کجھ کھیال نہ ہوویگا چپ کرکے نکل چلاں گے۔" (اچھا۔ کل اُس سے ٹٹو لے لو۔ اور پرسوں جب شیخ
کی بیٹی کی برات آئے نکل چلو۔ کیونکہ شیخ ملنے والا آدمی ہے۔ اُمید ہے اُس کی بیٹی کی برات میں
بہت سے آدمی آئینگے پھر لوگوں کو ہماری طرف کا کچھ خیال نہ ہوگا چپکے سے نکل چلینگے) +

سُنار: ٹھیک ٹھیک۔ بہت ٹھیک۔ بھلکے مائی نوں بھی طلاع کر دیو۔" (ٹھیک ٹھیک۔ بہت درست
کل مائی کو بھی اطلاع کر دو) +

ان بدمعاشوں نے دوسرے دن ایک ٹٹو مول لے لیا۔ اور اُس سے دوسرے دن جب شیخ کی
بیٹی کی برات آئی۔ بڑی دھوم دھام ہوئی بیٹے والے چونکہ ٹھیکیدار تھے۔ بہت سے آدمی اور چند
طائفہ اپنے ساتھ لائے تھے گانوں میں تھئی تھئی ہونے لگی۔ برسات کا موسم تھا کچھ ابر بھی ہو گیا تھا
شام ہوتے دو گھنٹہ ہوئے تھے گانوں کے غریب کشمیری برات کو تعجب کی نظروں سے دیکھ رہے تھے
اور کیا عورت اور کیا مرد اور کیا بچے سب اس طرف مشغول تھے +

بدمعاش بردہ فروشوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے مال و متاع کو سنبھال لڑکیوں کو
اپنے ہمراہ لے چل کھڑے ہوئے +

تینوں لڑکیاں اُن کے ہمراہ تھیں۔ لڑکیاں غضب کی خوش معلوم ہوتی تھیں تینوں بردہ فروش
ایک ایک فی ایک لڑکی سنبھال لی۔ اور ٹٹو پر بٹھا دریا کے کنارے کنارے روانہ ہو گئے +

ساری رات ابر چھایا رہا۔ مگر بارش نہ ہوئی اس سبب سے یہ نامعقول گروہ بڑے آرام سے راتوں رات
بارہ پندرہ کوس نکل گیا +

رستہ میں جو لڑکیاں مردوں کے ساتھ تھیں وہ خوش خوش ہیں۔ مگر جو لڑکی گوجری کے ہمراہ تھی وہ کچھ
آزردہ نظر آئی لیکن کسی نے کچھ خیال نہ کیا۔ آخر پچھلی رات کے وقت جب کہ نیند کا بڑا غلبہ ہوا۔

لوگ ایک جگہ ٹھیرے ٹٹو درختوں سے باندھ دیئے اور زمین پر بچھونے بچھا کر لیٹ گئے اور سنار کو پہرہ دینے کیواسطے چھوڑا۔ مثل مشہور ہے نیند بُری بلا ہے سولی پر بھی آجاتی ہے۔ سنار بیچارہ تھکا ماندہ نیند کا مارا پہلے اونگھتا رہا پھر سو گیا۔ سوتا تھا کہ مردوں سے شرط باندھ لی دوسرے بھی سب تھکے ماندے تھے۔ بیہوش پڑے رہے۔ صبح کو یکایک بادل گھر آیا۔ آسمان پر برق وابر میں جنگ ہونے لگی۔ گڑ گڑ کی آواز دل نے سینہ میں دل ہلا دیئے۔ اوپر سے ٹپا ٹپ بوندیں پڑنے لگیں جنگل کے بیہوش سونے والے جاگ اُٹھے دن کی روشنی پھیل گئی تھی۔ مگر ابر کے سایہ میں دبی ہوئی مدھم مدھم معلوم ہوتی تھی۔ سب نے اُٹھ کر درختوں کے سایہ میں پناہ لی۔ اتنے میں گوجری چیخنے لگی *

گوجری: "ہائے میری چھوکری کتھے گئی"۔ (ہائے میری لڑکی کہاں گئی)

کھتری اور سنار: "گڑی گڑی۔ کتھے گئی۔ کتھے! ایتھے ہی ہووے گی"۔ (لڑکی۔ لڑکی۔ کہاں گئی۔ کہاں یہیں ہوگی)

کھتری اور سنار نے گوجری کو وہیں چھوڑا اور خود دونوں اِدھر اُدھر تلاش کرنے کو گئے لڑکی کا کہیں پتہ نہ لگا۔ لاچار ہو کر واپس آئے *

گوجری: "ہائے میری کڑی نوں ایس سنیارے نے گنوایا اے"۔ (ہائے میری لڑکی کو اس سنار نے کھویا ہے) *

سنار: "میں تاں نہیں گوائی توں آپے ہی گوائی اے"۔ (میں نے تو نہیں کھویا۔ تو نے خود ہی کھویا ہے) *

گوجری: "ہائے ہائے۔ میری پیاری کڑی۔ مَیں تاں تیرے کولوں ہی لوانگی"۔ (ہائے ہائے میری پیاری لڑکی میں تو تجھ سے ہی لونگی) *

کھتری بڑا ہوشیار تھا اُس نے اُن کو کچھ سمجھایا اور سب نے خوف زدہ ہو کر آگے چلنا شروع کردیا۔ دو لڑکیاں اُن کے ساتھ تھیں۔ تیسری خدا معلوم کہاں گئی۔ اور اُس کا کیا حال ہوا۔ ہائے بیچاری غریب کشمیری لڑکی *

مائی تیری قسمت اچھّی ہے

شام کا وقت ہے۔ آفتاب سارے دن کا تھکا ماندہ آشیانۂ مغرب میں دم لے رہا ہے مغرب کی طرف بادل رنگ برنگ کی کیفیت دکھا رہے ہیں۔ لو اب اور اندھیرا ہوتا جاتا ہے چاند نور اپنے

گھونسلوں میں بسیرا کر رہے ہیں۔ اوہو جُگنو بھی نکل آئے ہیں۔ جنگلی چوہے بِلوں سے نکلکر دوڑ رہے ہیں دریا کیسا خاموش بہہ رہا ہے۔ اُس میں مچھلیاں کیسی کلیلیں کر رہی ہیں۔ ایک بیچاری غریب لڑکی راوی کے کنارے پر بیٹھی ہے۔ عالمِ آب کی کیفیت سے اپنا دل بہلا رہی ہے۔ یہ نہایت حسین ہے۔ مگر بہت لاغر اور کمزور ہو رہی ہے۔ آنکھیں حلقوں میں پڑی ہیں۔ چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ مگر اس کمزوری نے اُس کے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ کیسا پیارا پیارا مکھڑا ہے پیشانی کیسی ستارے کی مانند چمک رہی ہے ✦

یا خدا یہ کوئی دیوانی پری ہے۔ جو دریا سے نکلکر لبِ دریا کا نظارہ کر رہی ہے یا کوئی دیوی ہے کہ دریائی جانوروں کو اپنے درشن دے رہی ہے۔ یا کوئی قسمت کی ماری آدمی زادہ ہے کہ اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گئی ہے۔ اور کسی کی منتظر دریا کے کنارے بیٹھی ہے ✦

ہاں ہاں وہ انسان ہے۔ جب کوئی بڑی مچھلی پانی پر آ کر پھڑپھڑاتی ہے تو وہ ڈر جاتی ہے جب کوئی پتہ کھڑکتا ہے۔ تو چونک پڑتی ہے۔ گھڑی گھڑی مُڑ مُڑ کر دیکھتی ہے معلوم ہوتا ہے کسی کا انتظار کرتی ہے۔ اور زبانِ حال سے یہ کہتی ہے۔ خدارا جلدی آؤ شام ہو گئی ہم کو ڈر لگتا ہے!

اوہو مشرق کی طرف سے ابر اُٹھا ہے۔ بڑا کالا ابر ہے۔ تمام جہان سیاہ ہو گیا۔ ہائے بیچاری غریب لڑکی کیسی گھبرا رہی ہے۔ کیسی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہے۔ حیران اور ششدر ہے کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ اتنے میں کھسر پھسر کی آوازوں سے حیران ہوتی جاتی ہے اور کان لگا کر سنتی ہے کہ یہ کیا آوازیں ہیں۔

یہ وہی چھنال عورت ہے جو مکاری سے سجانپور میں پیر جی کی مُرید بنی تھی۔ اور وہاں سے لڑکیوں کو دم دلاسا دیکر اپنے ساتھ لائی تھی۔ اور راستہ میں ایک لڑکی کے چلی جانے سے بہت اُداس تھی۔ اب اس پریزاد لڑکی کو دیکھکر خوشی کے مارے جامہ سے باہر ہو گئی۔ اور ڈرتی ڈرتی چاروں طرف دیکھتی اُس کے پاس گئی۔ بیچاری اجل رسیدہ لڑکی اُسکی شکل سے ڈر کر بیہوش ہو گئی اور اگرچہ کُٹنی کو اُس پری تمثال لڑکی پر رحم آیا۔ مگر سُنار نے کلوروفارم کی شیشی سونگھا جھٹ پٹ اُسے گھوڑے پر ڈال لیا۔ اور آگے چلدئیے ✦

خوب اندھیرا ہو گیا تھا۔ بادل بھی گھر آیا تھا۔ اور ان بردہ فروشوں کی صلاح تھی کہ لاہور جاکر ٹھیریں اور رگھنا سنگھ جاٹ جو جالندھر سے عورتوں کی خریداری کی تلاش میں آیا ہوا تھا اُس سے کچھ سودا کریں

مگر اب لالہ ہو ہی سے جو ایک شکار اُن کو ملگیا - تو اب پس و پیش کرتے تھے کہ کیا کریں +

گوجری :- "نہیں شہر میں جانا اچھا نہیں - ہم لوگ آگے چلکر کسی گاؤں میں ٹھیرینگے اور تم میں سے ایک آدمی شہر جاکر کرتار سنگھ کی خبر لے آئے "

کھتری :- "مائی اب آگے نہیں جانتے یہیں ٹھیرینگے - ہمارے ٹھکانے ایسے ہیں کہ لڑکیاں کیا اگر ہاتھی ہوں تو غائب ہو جاویں "

سُنار :- "ہاں بات تو ٹھیک ہے آٹھ روز تک بہت تکلیف اُٹھائی ہے - مائی تو کچھ خوف نہ کر تیرا شکار کہیں بھاگ نہیں جاتا "

یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی اُن کی طرف آتا ہوا معلوم ہوا + جس کے سب حیران رہگئے اور خاموشی کے ساتھ آگے چلتے رہے - ہاں ہاں یہ کون ہے یہ تو ہماری ہی طرف چلا آتا ہے - اے بھگوان خیر کریو - کوئی پولیس کا آدمی نہ ہو - گوجری نے گھبرا کر کہا -

گوجری :- "چپ چپ - تجھے کیا ہو گیا "

کھتری نے غصہ سے جواب دیا :-

کھتری :- "مائی تیری تو عقل ماری گئی ہے وقت تو دیکھا کر -

آنے والا شخص کسی قدر نزدیک ہو گیا - اور چلایا " گوبند - گوبند - ٹھیرو - ٹھیرو "

اس آواز کو سن کر یہ سب دنگ ہو گئے - اور سُنار نے کہا :-

سُنار :- "ہیں - آواز تو کسی اپنے ہی آدمی کی معلوم ہوتی ہے "

کھتری :- "مَیں جانتا ہوں - تمہارا بھائی ہے - شبو رام "

سُنار :- "شبو - شبو "

شبو :- "ہاں ہاں - مت خوف کرو - ٹھیر جاؤ - ٹھیر جاؤ -

آواز پہچان کر یہ بردہ فروش ٹھیر گئے - اور شبو اُن کے پاس دوڑتا ہوا آیا +

گوجری :- "شبو - شبو سنا شہر کی کیا خبر ہے "

کھتری :- "مائی تجھے تو یونہی ہول اُٹھ رہے ہیں - سب خیر ہے "

شبو :- "نہیں نہیں خیر نہیں ایک ہفتہ ہوا مزنگ سے میاں محمد حسین انارکلی والے تھانہ دار نے گیان چند - رام لال اور دو عورتوں کو پکڑا ہے وہ تو حوالات میں ہیں - گو اب تک اُنہوں نے اور ہم لوگوں کا نام نہیں لیا - مگر پولیس اوروں کی بھی تلاش کر رہی ہے تمہارے خط کے موافق میں

چار دن سے صبح سے شام تک یہاں بیٹھا رہتا ہوں۔ تا کہ تم کو حالات سناؤں"۔
کھتری:۔"بارش کے سبب سے ہم کو دیر ہو گئی۔ ہاں سناؤ۔ کرتار سنگھ بھی یہیں ہے"۔
شبّو:۔"نہیں آج پانچواں روز ہوا کہ گیان چند اور آتما رام کے حوالات ہو جانیکا حال سنکر بھاگ گیا ہے"۔
گوبند:۔"مل کر بھی گیا تھا؟"
شبو:۔"ہاں ملکر ہی گیا تھا"۔
کھتری:۔"کچھ کہہ بھی گیا ہے"۔
شبّو:۔"ہاں کہہ گیا ہے۔ کہ اگر ان کے ہاتھ کہیں سے حسین حسین لڑکیاں لگ جاویں تو ان سے کہنا کہ جالندھر پہنچاویں۔ وہاں انکو بہت زیادہ دام دونگا"۔
گوجری:۔"چلو بس اب سیدھے جالندھر چلو دیکھو میں تمہیں کہتی ہوں۔ یہاں ہرگز نہ ٹھیرو"۔
شبّو:۔"کہو کچھ شکار بھی ہاتھ لگا؟"
گوبند:۔"ہاں تین لڑکیاں بڑی حسین ہیں"۔
شبّو:۔"تو تمہارا یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں"۔
کھتری:۔"پھر کیا کریں؟"
شبو:۔"سیدھے جالندھر جاؤ"۔
کھتری:۔"کرتار سنگھ کا کچھ پتہ بھی ہے؟"
شبّو:۔"وہ کہ گیا ہے کہ شہر میں جس سے میرا نام پوچھوگے۔ بتادیگا"۔
کھتری:۔"اوہو۔ بہت بڑا آدمی ہے؟"
شبّو:۔"ہاں جی۔ اسی سوداگری سے بڑا بنا ہے"۔
گوجری:۔"چلو پھر ریل پر سوار ہو چلیں اور یہ ٹٹو وغیرہ شبو کو دیدو۔ یہ شہر میں بیچ ڈالیگا"۔
شبو:۔"نہیں نہیں ریل کی پولیس کو اطلاع ملی ہوئی ہے اس لئے ریل میں سوار ہونا اچھا نہیں"۔
گوجری:۔"پھر کیا کریں کس طرح جائیں۔ یونہی ٹٹوؤں پر"۔
کھتری:۔"اس طرح جالندھر پہنچنا تو مشکل ہے"۔
شبّو:۔"نہیں یہاں سے کسی چھوٹے اسٹیشن تک اسی طرح جاؤ۔ پھر وہاں سے رات کو سوار ہو جانا عورتوں کو زنانی گاڑی میں بٹھا دینا۔ اور مردانے خانوں میں خود بیٹھ جانا"۔
کھتری:۔"اچھا پھر آج رات کو تو لاہور ٹھیر جاویں"۔

گوجری: "نہیں نہیں ہرگز نہیں یہاں ایک دم نہ ٹھیرو"۔
شبو: "بیشک۔ بیشک۔ لاہور ٹھیرنا مناسب نہیں ہے"۔
کھتری: "اچھا چلو پھر خالصہ کے اسٹیشن تک اسی طرح چلیں۔ وہاں سے ریل پر بیٹھ جائینگے"۔
یہ بدمعاشوں کا گروہ ریل کی سڑک سڑک چلنے لگا! انہوں نے شبو کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تاکہ خالصہ سے ٹٹوؤں کو واپس لے آئے۔ یا اگر موقعہ ہو تو وہیں ان کو فروخت کر ڈالے +

اندھیرا خوب تھا مگر اُن کی قسمت سے بارش نہ ہوئی! اور یہ بدذات رات ہی رات خالصہ پہنچ گئے + رات کی ریل کا وقت نکل گیا تھا! اور صبح ہوتے ہی بارش بڑے زور شور کی ہونے لگی تھی۔ پولیس والے بارش سے ڈرے ہوئے ایک جگہ بیٹھے خوب مزے سے حقے اڑا رہے تھے +

اوّل شبو اسٹیشن پر دیکھنے گیا! اور واپس آکر اُن سے کہا کہ سب کام ٹھیک ہے۔ آدھ گھنٹہ میں ریل آنے والی ہے۔ سٹیشن پر بالکل سوتنہ ہے۔ تم اسی وقت سوار ہو جاؤ +

شبو ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ جالندھر شہر کے چھ ٹکٹ خریدے اور جس وقت ریل آئی۔ چاروں عورتوں کو زنانی گاڑی میں اور مردوں کو مردانے درجہ میں بٹھا دیا۔ اُن میں سے ایک غریب لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اُس طرف کسی نے غور نہ کیا +

سہ پہر کو یہ بدذات گروہ جالندھر پہنچا۔ بارش خوب ہو رہی تھی۔ پولیس والے اور اسٹیشن کے بابو بارش کے سبب بھیگی مرغی بنے ہوئے تھے۔ گوبند اور کھتری پہلے خود اُترے۔ پھر گوجری اور تینوں لڑکیوں کو اُتروایا۔ ہائے غریب لڑکی اس وقت بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ مگر کسی نے اُسے پوچھا کہ تو کیوں رو رہی ہے۔ پولیس والے الگ اپنا دم بچائے ہوئے تھے۔ ریل کے بابو اُترتے وقت مسافروں سے ٹکٹ لیکر اپنے کمروں میں گھس گئے تھے +

بارش کہتی تھی کہ آج برس کر پھر نہ برسونگی۔ ہوا بھی بڑے زور سے چل رہی۔ گلی کوچوں اور بازاروں میں پانی کے ندی نالے بہہ رہے تھے۔ لوگ مینہ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ بجلی ایسی زور سے کڑکتی تھی کہ سینوں سے دل نکلے جاتے تھے! ان بردہ فروشوں نے اِس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بارش میں بھیگتے بھاگتے سرائے میں داخل ہوئے +

کھتری: "اب کرتار سنگھ کا کیونکر پتہ لگے۔ بارش تو بہت زور کی ہو رہی ہے"۔
ستار: "اس بھٹیاری سے پوچھو"۔
گوجری: "نہیں نہیں باہر جا کر تلاش کرو۔ اس بھٹیاری کو کچھ ذرا سا پتہ بھی نہ دو"۔

سُنار :- "اچھا۔ میں اُس کی تلاش میں جاتا ہوں "
کھتری :- "میں کچھ کھانے کے واسطے بازار سے لاتا ہوں "
کھتری بازار گیا۔ اور کچوریاں۔ پوڑیاں وغیرہ لیکر واپس آیا۔ کشمیری لڑکیوں نے تو خوب ٹھونس ٹھونس کر کھایا۔ مگر ہماری ریائی پڑی تو روتی رہی۔ مگر افسوس اس میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ اِدھر اُدھر جائے۔ کسی سے اپنا حال کہے وہ تو مردہ کے موافق بنی ہوئی تھی۔ رات کے ۹ بج گئے گوبند اب تک واپس نہیں آیا۔ گوجری نے کہا :-
گوجری :- "رب بھلی کرے۔ اُسے کیا ہوگیا" کھتری نے جواب دیا۔
اِس وقت مینہ تھم گیا تھا۔ رات سنسان تھی۔ اندھیر گھپ ہو رہا تھا کہ اتنے میں گوبند آیا۔ اور اُس کے ساتھ ایک سٹنڈا جوان اور بھی تھا اور وہ کٹار سنگھ تھا +
ان بردہ فروشوں نے سرائے میں ایک الگ کوٹھڑی لی تھی اور اُس میں لڑکیوں کو بڑی حفاظت سے اُتارا تھا۔ گوبند کٹار سنگھ کو لیکر کوٹھڑی کے اندر گیا +
چراغ جل رہا تھا۔ کشمیری لڑکیاں خوش خوش بیٹھی تھیں۔ مگر ریائی بری بھوکی۔ پیاسی مردہ کی شکل بنائے پڑی ہوئی تھی +
گوبند :- "دیکھو سردار جی کیسی جوان لڑکیاں ہیں۔ ہیں نا۔ پریوں کے موافق دیکھو کیسی چراغ جیسی روشن ہیں "
کٹار سنگھ :- "شاہ جی کچھ بیمار تو نہیں۔ ایک تو ان میں سے مرنے والی معلوم ہوتی ہے "
کھتری :- "نہیں سردار جی یہ تو بڑی چاق چوبند ہیں۔ اس لڑکی کو چند روز سے بخار آتا ہے جلدی اچھی ہو جائیگی۔ دیکھو نا۔ ہے تو پری جیسی "
کٹار سنگھ آگے بڑھا۔ لڑکیوں کی چھاتیاں۔ پیٹ۔ چہرہ وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔ اُن کے ہاتھ پیروں کو خوب ٹٹولا۔ کشمیری لڑکیوں نے تو بڑی خوشی سے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دئیے مگر بیچاری ریائی پر بچہ خفتہ کی طرح بیہوش پڑی تھی۔ جونہی کٹار سنگھ نے چھاتیوں کو ہاتھ لگایا گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اور پرے ہٹ کر زار وقطار رونے لگی +
کٹار سنگھ :- "یہ چھوکری کیوں روتی ہے؟"
کھتری :- "یہ اپنے والدین کو یاد کرتی ہے۔ کیونکہ اکثر کم سن جو ہوئی "
کٹار سنگھ :- (کشمیرن کی طرف اشارہ کر کے) "اچھا شاہ جی اس لڑکی کی قیمت بتاؤ کیا ہے؟"

گھنتری:۔ "بس ایک ہی۔ تم تو کہتے تھے کہ دو تین چاہئیں"۔
کرتار سنگھ:۔ دو تین۔ مجھے تو دس پندرہ چاہئیں مگر ایک کا خریدار تو اس وقت میرے گھر پر موجود ہے"
گھنتری:۔ "پھر مال کو دیکھ لو۔ اور تم خود ہی سودا کر دو"۔
کشمیرن لڑکی جس کو کرتار سنگھ نے پسند کیا تھا۔ سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ اس کا نقشہ کھڑا بلند ناک کشادہ آنکھیں دہن تنگ ہاتھ پیر چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس کے رخسار پہاڑی انار کی طرح سرخ اور کشمیری سیب کے برابر نرم تھے۔ کمر پتلی اور چھاتیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بہت سی جد و جہد کے بعد اس کی قیمت ڈھائی سَو روپیہ قرار پائی۔ دو سو روپیہ تو کرتار سنگھ نے اسی وقت گھنتری کے حوالہ کر دیئے۔ اور باقی پچاس روپیہ صبح کو گوبند لے آئیگا۔ کشمیرن لڑکی ہنسی خوشی سب سے مِلکر کرتار سنگھ کے ہمراہ چلی گئی +

اس کشمیرن لڑکی کا سودا دیکھ کر ہماری دریائی پری ساری رات روتی رہی مگر ظالموں نے اس قدر اُنکی حفاظت کی کہ ایک دم اُسے اکیلا نہ چھوڑتے تھے اور وہ بھی اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ جگہ سے ہل نہ سکتی تھی +

مشرق کی طرف سے پو پھٹنے لگی درختوں پر چڑیاں چوں چوں کرنے لگیں۔ مسجد میں مُلّا نے اذان دی مندروں میں ناقوس پھونکے جانے لگے شیطان کی خالہ گوجری اٹھ بیٹھی۔ اور گوبند کو کہا کہ جا کرتار سنگھ سے پچاس روپیہ لا +

گوبند:۔ "ایسی سویرے۔ ذرا تو ٹھیرو"۔
گوجری:۔ "جس قدر جلدی روپیہ وصول ہو جائے تو اچھا۔ اگر کرتار سنگھ کی نیت بدل جاوے تو کیا تم نالش کرو گے"۔
گھنتری:۔ "ہاں بھئی۔ یہ مائی تو سچ کہتی ہے"۔
غرض گوبند ہاتھ منہ دھو کر کپڑے پہن اُس طرف روانہ ہوا آدھ گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ گوبند پیٹ پکڑے ہوئے واپس آیا۔ اُس کا دم فنا ہو رہا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے +

گھنتری:۔ "گوبند۔ گوبند۔ خیر تو ہے؟"
گوبند (ہانپتے ہوئے) "بھاگو۔ بھاگو۔ خیر نہیں"۔
گھنتری:۔ "ابے تو سیدھی طرح بات کر۔ کیا ہے؟"
گوبند (ہکلا کر) "جلدی یہاں سے بھاگو ورنہ پھنس جاؤ گے"۔
گوجری (حواس باختہ ہو کر) "ہیں ہیں۔ یہ کیا ہوا؟"

گوبند:۔ "کنار سنگھ پکڑا گیا! اور کشمیرن لڑکی"۔
کھتری:۔ "کشمیرن نے پکڑوایا۔؟"
گوبند:۔ "نہیں وہ لڑکی بھی ساتھ پکڑی گئی"۔
گوجری:۔ "لڑکی بھی ساتھ ہے۔ ہائے اب شامت آئی"۔
کھتری:۔ "تجھ سے کس نے کہا؟"
گوبند:۔ "مَیں نے خود دیکھا۔ دو سپاہی مشکیں باندھے کنار سنگھ کو لیجا رہے تھے اور لڑکی بھی ساتھ تھی"۔
کھتری:۔ "مائی جلد تیار ہو۔ اگر یہاں ٹھیرے تو ہم بھی مارے گئے"۔

اِن دغا باز بردہ فروشوں نے بہت جلد اسباب تیار کر سرائے سے دو بیلگ کرایہ کئے۔ اور نکودر۔ ہریکے۔ دھرم کوٹ ہوتے ہوئے تیسرے دن موگا کی تحصیل میں داخل جا ہوئے۔

یہاں سے فرید کوٹ نزدیک تھا۔ اور پھر سارا ملک جنگل تھا۔ جہاں کے جاٹ سُنا ہے اکثر ایسی تجارت کیا کرتے ہیں۔

گوبند کہتا تھا۔ کہ سفر برابر جاری رکھیں اور جب تک جنگل کے ملک میں گھس نہ جائیں تحنیث نہ ہوئیں۔ مگر نہ کھانے اور بیلوں کے ہچکولوں کی تکلیف سے دریائی پری قریباً مردہ ہو گئی تھی۔ اور کشمیرن لڑکی بھی بہت اُداس معلوم ہوتی تھی۔ اِس واسطے گوجری اور کھتری نے ایک دن موگا میں ٹھیر کر آرام کرنا مناسب اور بہتر سمجھا۔

اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں

جب سے انگریزی عملداری کی روشنی ہندوستان میں چمکی ہے مُلک علم و امن کے فیض سے مالا مال ہو گیا ہے ہر طرف ریلیں اور نہریں جاری ہو گئیں۔ مدرسے اور ڈاک خانے کھولدیئے گئے ہیں۔ سڑکیں بنادی گئیں ہیں ہسپتال جاری کردیئے گئے ہیں۔ کہاں کہاں تک بیان کیا جاوے۔ بیشمار فائدے پہنچائے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ مذہبی آزادی ہے اگر ہندو چاہے تو ہندو اور مسلمان چاہے تو مسلمان اگر عیسائی چاہے تو عیسائی اپنا اپنا دین پھیلانے کی بلا خوف کوشش کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی روک مطلق نہیں۔

خیر ہندو مسلمانوں میں اس قدر قدرت کہاں۔ مگر عیسائیوں نے ملک گیری کے ساتھ اشاعت

مذہب عیسوی میں بھی پورا حصہ لیا ہے۔ انہوں نے بہت کوشش کی اور کر رہے ہیں کہ شریف ہندو مسلمان عیسائی ہو جائیں۔ مگر جو لوگ ایک دفعہ دام میں پھنس گئے تھے اُن کے سوا اور لوگوں نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی آخر سب پادری جمع ہوئے اور سوچا کہ رذیل قوموں میں مذہب کو پھیلانا چاہیئے +

واقعی اُن کا یہ خیال بہت ٹھیک تھا۔ چمار اور چوہڑے جن سے "اپنی نبی" کے بغیر کوئی بات نہ کرتا تھا صاحب کہلانے لگے۔ جن کے ہاتھ کوئی ہندو مسلمان نہ چھوتا تھا وہ شریفوں سے ہاتھ ملانے لگے۔ جن کے پاس کھڑے ہو جانے تک ہندو اپنے تئیں ناپاک ہو جانا سمجھتے تھے اب اُن کے لئے ہندو مسلمان اپنے ہاتھوں کرسیاں بچھانے لگے +

کہاں "ابے او بھنگی"۔ کہاں "جناب صاحب بہادر"

کہاں "وہ لنگوٹی" اور کہاں "یہ کوٹ پتلون"

غرض سینکڑوں چمار چوہڑے عیسائی ہو گئے +

عیسائیوں نے جا بجا چمار واڑوں میں مدرسے کھول دیئے چنانچہ لدھیانہ کے چمار واڑے میں جو ایک مشن کا مدرسہ کھولا گیا ہے وہاں کے ایک چمار طالب علم کا حال سننے کے قابل ہے +

اس چمار واڑے میں بدھو نامی ایک چمار رہتا تھا۔ اُس کا ایک لڑکا دس بارہ برس کا تھا جس کا نام کلو تھا +

کلو (اپنے باپ سے) "او باپ۔ باپ مجھ کو صاحب بنوا دے"

بدھو: "صاحب۔ صاحب۔ ابے پوتے رانڈ کے کیا بکتا ہے؟"

کلو: "ارے باپ مَیں سچ کہتا ہوں مجھے بھی صاحب بنوا دے"

بدھو: "سُسرے کے۔ اپنا مذہب کھو کر کیا لیگا"

کلو: "ارے صاحب بنوں گا صاحبوں جیسے کپڑے پہنونگا اُن کی طرح اکڑ کر چلونگا بستی کے سب آدمی مجھے سلام کرینگے اور کیا لونگا +

بدھو: "چل بے رانڈ کے تلوں میں لئی لگا۔ بڑا صاحب بنتا ہے"

یہ کلو ہر روز اپنے باپ کی جان کھاتا رہا آخر ایک دن اُس کا باپ بدھو اسے لیکر مدرسہ پہنچا +

بدھو: "ماسٹر جی سلام"

ماسٹر: "سلام۔ کہو چودھری کہاں آئے"؟

مجھ کو صاحب بنا دے"۔

بدھو:- "اجی یہ لڑکا کہتا ہے۔ مجھ کو صاحب بنا دے"۔

ماسٹر:- "ہاں ہاں بہت ٹھیک۔ اسے چھوڑ جاؤ۔ بہت ہوشیار لڑکا معلوم ہوتا ہے"۔

بدھو:- "اجی یہ صاحب بنکر کیا لیگا"۔

ماسٹر:- "ہیں۔ وہ سب کچھ لیگا۔ پڑھیگا۔ لکھیگا۔ بابو بن جائیگا"۔

بدھو:- "اچھا لیجیے پھر تمہارے حوالے ہے"۔

یہ کہکر بدھو۔ کلو کو ماسٹر کے پاس چھوڑ آیا۔ ماسٹر خود بھی ذات کا چمار تھا۔ بہت خوش ہوا اور کلو کو پادری صاحب کے پاس لے گیا۔ پادری صاحب نے جھٹ اُسے عیسائی بنایا۔ اور ہیٹ کوٹ پتلون پہنا ماسٹر کے حوالہ کر دیا۔

کلو غضب کا ذہین تھا۔ اُس نے بہت جلد عمدہ لیاقت حاصل کی۔ دو برس کے عرصہ میں وہ بہت عمدہ اردو لکھنے پڑھنے لگا۔ اور چوتھے برس تو اُس کی انگریزی لیاقت بھی عام سکولوں کے لڑکوں سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔

چھ برس کے بعد تو وہ اچھا انگریزی کا بابو اور فارسی کا منشی بن گیا۔ اُس نے تراش خراش کے ڈھنگ خوب سیکھ لئے۔ اُسے فیشن جمانے خوب آ گئے۔ اب اُسے کون کہے کہ وہ چمار ہے وہ تو خاصہ صاحب بن گیا۔

بستی کے لوگ اُسے صاحب کہہ کر چھیڑتے تھے۔ مگر یہ خوش ہوتا تھا۔ اور خود بھی اپنے تئیں صاحب گنتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک پادریوں کی میٹنگ سے بہت رات گئی گھر واپس آیا۔ چماروں نے بستی کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ اُس نے دروازے پر کھڑے ہو کر چلانا شروع کیا۔ کھولو۔ کھولو صاحب آیا ہے"۔

بستی کے لوگ سمجھے کہ خبر نہیں کون صاحب آ گیا ہے جا کر دیکھتے ہیں تو کلو ہے۔ بہتوں نے گالیاں دیں۔ کئی نے جوتے بھی لگا دئیے۔ ایک چوہڑے کا لڑکا گلو کا بڑا دوست تھا۔ دونو بچپن میں آپس میں کھیلا کرتے تھے۔ گلو کے ساتھ وہ بھی عیسائی ہو گیا تھا۔ اگرچہ دونو ساتھ پڑھتے رہے مگر گلو گندہ مغز ہو گیا تھا۔ اس واسطے وہ اچھی لیاقت حاصل نہ کر سکا۔

پادری صاحب نے ضلع فیروزپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس کلو کی سفارش کی۔ اور کلو درجہ دوم کا سارجنٹ ہو کر پولیس میں بھرتی ہو گیا۔

صاحب سپرنٹنڈنٹ پادری مزاج آدمی تھے۔ کلو کو بہت جلد ترقی دیکر ایک سال کے اندر تھانہ دار بنا دیا +

جس وقت خانہ خراب بردہ فروشوں کا گروہ موگا پہنچا۔ اُس وقت یہاں کا تھانہ دار کلو تھا۔ جس کا عیسائی نام کے ولیم تھا +

ولیم صاحب کو موگا کے تھانے آئے ہوئے ابھی بہت دن نہ ہوئے تھے کہ اُس کا اپنا دوست للو یاد آیا جس کا عیسائی نام ایل ھنری تھا۔ اُس نے ہنری کو بُلایا۔ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سے اس کی سفارش کر کے اُس کو سوم درجہ کا سارجنٹ بنوایا۔ اور اپنے ہی پاس موگا کے تھانہ میں درخواست کر کے رکھ لیا +

اس وقت تھانہ کے رجسٹر ایک ہندو سارجنٹ کی قبضے میں تھے وہ اُس سے لئے اور للو نہیں ھنری صاحب کے حوالے کر دئے +

اب کیا تھا کلو بادشاہ اور للو وزیر ہو گئے ؎

جہاں چوں نگیر د قرارے چناں
وزیرے چنیں شہر یارے چناں

ایک دن ابر ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ موگا پولیس کے احاطہ میں گل پھول کھلے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے پرند اِدھر اُدھر کود رہے تھے رنگ برنگ کی تتریاں پھولوں پر اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں +

ولیم اور ہنری باغیچہ کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ایک چھوٹی سی گول میز پاس رکھی تھی۔ اُس پر دو وائین گلاس اور ایک وسکی کی بوتل رکھی تھی۔ شراب کے دور چل رہے تھے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں +

ولیم:۔ "وہ دن بھی یاد ہیں۔ جب ہم تم چھوٹے چھوٹے کھیلا کرتے تھے"؟

ہنری:۔ "کیوں نہیں بشرطیکہ تم کو بھی یاد ہوں"

ولیم:۔ "کیوں نہیں۔ سب کچھ یاد ہیں مائی فرنڈ"

ہنری:۔ "مَیں سمجھا کہ شائد تھانہ دار بنکر بھول گئے ہوں"

ولیم:۔ "او۔ نو۔ نو۔ مائی ڈیر اولڈ فیلو"

ہنری:۔ "دیکھا تھا۔ ہندو مسلمان لڑکے کیسا ہم سے نفرت کرتے تھے"

ولیم:۔ "ہندو۔ میرے دل پر نقش ہے۔ اسی واسطے تو مَیں نے تم کو بلایا ہے کہ اب انکو مزا چکھائیں"

ہنری "ہاں ہاں - ضرور - بڑی مغرور قوم ہے ہماری قوم سے تو اُبی تبی" کے سوا بات نہیں کرتے"

ولیم "قسم یسوع کی چنانک صبح ایک ہندو مسلمان کی عزت نئے لیا کرونگا - کبھی آرام نہیں کیا کرونگا"

یہ بادشاہ وزیر اس قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک ہندو سپاہی آیا - اور پولیس کے قاعدے کے موافق اکڑ کر سلام کیا *

ولیم (اشارہ سے سلام لیکر) کیوں بے رلیا کیسا ہے ؟"

کنسٹبل "حضور آج سرائے میں ہیں نے دو مرد اور ایک عورت دیکھی اُن کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں جو کسی طرح اُن کی رشتہ دار نہیں معلوم ہوتیں"

ولیم (گالی سُناکر) پھر کیا ہے بے ......"

کنسٹبل "معلوم ہوتا ہے کہ بردہ فروش ہیں - کیونکہ اُن میں ایک لڑکی بڑی روتی ہے"

ولیم "بردہ فروش کسے کہتے ہیں"

کنسٹبل "حضور غلام بیچتے ہیں - غلام"

ولیم (کھڑے ہوکر چوتر پیٹ کر) "واہ سلیوری - سلیوری"

ولیم کے چوتڑ پیٹنے سے پولیس کی چوکی میں جس قدر سپاہی تھے - سب آن کر جمع ہوگئے - کہ یہ تھانہ دار کیوں پاگل ہوگیا *

ہنری "بڑا بد معاش لوگ"

ولیم "یہ ہندوستان کا کالا بڑا بد معاش ہے ہم انگریز لوگ اتنی ممانعت کرتا ہے پھر بھی باز نہیں آتا"

ہنری "اس بارہ میں تو انگریزوں کا حکم بہت سخت ہے"

ولیم "ہماری ولایت میں تو سلیوری کی بہت سخت ممانعت ہے"

ہنری "کہاں - کہاں - لدھیانہ میں"

ولیم "نہیں نہیں - ہماری ولایت میں - اٹ ہوم - اٹ ہوم"

ہنری "ہوم میں - ہوم - کیا بستی کے اندر"

ولیم "نہیں نہیں - ہوم میں - انگلستان میں - لنڈن میں"

ہنری "تو ایسے بد معاشوں کو سخت سزا دینی چاہئے"

ولیم "اچھا رلیا - گامو اور رحیما کو بلاؤ"

دو تو کنسٹیبل حاضر ہوئے +

ولیم :- سنو بے...... دگالی دیکر) رلیا کے ساتھ جاؤ۔ اور اُن سلیوو رکھنے والوں کو سب کو پکڑ لاؤ دیکھو کسی کو نہ چھوڑو "

ولیم :- اگر یہ بات سچ ہو تو خوب ہو۔ کچھ روپیہ بھی ہاتھ لگے اور جشن بھی ہو"

ہنری :- ہاں رلیا کی بات سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ لڑکیاں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جوان ہیں"

ولیم :- پھر تو خوب موج ہیں۔ وہیں دو۔ پھر کیا ہے۔ وَن فور مِی۔ اینڈ دی آدر فور تُو"

ہنری :- ویلو تو تھینک یو۔ بوتھ فور یو"

ولیم :- ہنری کچھ پروا کا بات نہیں ہے تم ہمارا لنگوٹیا یار نہیں ہے"

ہنری :- ہاں کیوں نہیں۔ مگر اب تو آپ ہمارے افسر ہیں"

ولیم :- او نیور مائینڈ۔ اچھا گلاس تو بھر"

اِس خوشی میں اُن کرنٹوں نے خوب شراب اُڑائی۔ اور آدھ گھنٹہ نہ گذرنے پایا تھا کہ پولیس کے پیادے ان پانچوں مرد عورتوں کو پکڑ کر تھانہ میں لے آئے +

گوجری اور رکھتری دور سے ہی غل مچاتے تھے۔ ہائے ہم کو بے عزت کیا۔ ہم کو لوٹ کیا۔ ہائے دوہائی ہے داروغہ جی کی فریاد ہے۔ داد ہے +

سپاہی دگالی دیکر)...... چُپکے رہو چُپکے"

کشمیرن لڑکی کچھ آزردہ سی معلوم ہوتی تھی۔ مگر ہماری دریائی پری بہت خوش تھی سُرخی کی جھلک اُس کے زرد چہرے پر لہریں مارنے لگی تھی جس سے اُس کی شکل نہایت دلفریب معلوم ہوتی تھی +

اِن بُردہ فروشوں نے اِن لڑکیوں کو خوب سکھلا دیا کہ کہدینا ہم اس بڑھیا کی بیٹیاں ہیں اور فیروزپور ایک شادی پر گئے تھے۔ اب فریدکوٹ اپنے وطن کو جاتے ہیں +

دریائی پری کانپتی ہوئی آگے بڑھی۔ کبھی تو اپنی حالت پر افسوس کرتی۔ کبھی امید کی روشنی اُس کے دل میں شعلہ زن ہوتی۔ جس کے سبب سے کبھی اس کا چہرہ سفید ہوجاتا تھا۔ اور کبھی سُرخ اور دیکھنے والے اس گل چاندنی اور گلِ لالہ کو دیکھ کر حیران رہجاتے تھے +

ولیم :- ہنری صاحب اس لڑکی کا اظہار لکھو"

ہنری نے ایک کاغذ اٹھا کر اظہار لکھنے شروع کئے۔ اور جو رجسٹر اس کام کے واسطے تھا۔ اُسے ہاتھ تک نہ لگایا +

ہنری: "بتاؤ تم کون ہو اور یہاں اِن لوگوں کے ساتھ کس طرح آئی ہو؟"
دریائی پری: "مَیں لاہور کے رہنے والی ہوں۔ اور ایک برہمن کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ راوی کے کنارے پر رہا کرتا تھا۔ اور تپسیاں میں مصروف تھا۔ اور دوسرے چوتھے روز شہر جا کر کچھ مانگ لایا کرتا تھا چند روز ہوئے میرا باپ شہر گیا ہوا تھا۔ بادل گھر آئے شام ہو گئی۔ مَیں لبِ دریا بیٹھی عالمِ آب کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ کہ یہ (اشارہ گجرانی کی طرف) دیونی میرے پاس آئی۔ مَیں نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے ایک آواز دی۔ اور یہ (کھتری اور سنار) دو نو آموجود ہوئے۔ انہوں نے کچھ مجھے شیشی سونگھائی۔ مَیں بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو دیکھا میں ایک ٹٹو پر لدی ہوئی تھی۔ یاد نہیں کس اسٹیشن سے یہ ریل پر سوار ہوئے۔ اور جالندھر میں آکر اترے وہاں انہوں نے اس لڑکی کی بہن کو ایک سکھ (کٹار سنگھ) کے ہاتھ فروخت کیا۔ یہ معلوم نہیں کہ کتنے کو بیچا۔ پھر دوسرے دن کچھ خوف زدہ سے ہو کر یہ لوگ اِدھر اُدھر بھاگ آئے۔ (ایک زور کی چیخ مار کر دردناک آواز سے) ہائے میرا بڈھا باپ غریب مجھے کہاں کہاں ڈھونڈتا ہو گا۔ اور اس کا کیا حال ہو گا۔"
ولیم: "ہائے ہائے یہ ظلم ...... (گالی دیکر) بدمعاش حرامخور دیکھو اب تم کو جہنم پہنچاتے ہیں۔"
ولیم (دریائی پری کی طرف اشارہ کر کے): "تمہارا نام کیا ہوا؟"
پری: "میرا نام سندری ہے۔"
ولیم: "باپ کا نام کیا ہے؟"
سندری: "گیان چند۔"
ولیم: "تمہارا باپ کہاں رہتا ہے۔"
سندری: "راوی کے کنارے۔"
ولیم: "اب وہاں ہو گا؟"
سندری (زور کے دردناک گریہ سے): "ہائے اب وہ وہاں کہاں۔ خبر نہیں کہاں کہاں مجھے ڈھونڈتا پھرتا ہو گا۔"
ولیم: "اچھا اچھا بس کافی ہے۔ گاموں۔ لو اس لڑکی کو یہاں لیجاؤ۔ اور اُسے بازار سے کچھ لا کر کھلاؤ (سندری کی طرف مخاطب ہو کر) اچھا اچھا تم فکر نہ کرو۔ تمہارے باپ کے پاس تم کو بھیجدیا جاویگا۔"

ہنری (اس دوسری لڑکی کو) "ادھر آؤ"

کشمیرن لڑکی آگے آئی ؛

ہنری "تم کون ہو؟"

لڑکی "میں اس بڑھیا کی بیٹی ہوں"

ولیم "بیٹی! بیٹی!! پڑھائی ہوئی ہے۔ اس کی شکل صورت بڑھیا کی شکل وصورت سے بالکل نہیں ملتی۔ ٹریا۔ اس کے کپڑے اُتارو۔ اور اس پیپل کے درخت سے باندھ کر ایک سو چابک لگاؤ۔ اور دیکھو جب تک سچ نہ بتائے۔ ہرگز نہ چھوڑو"

ٹریا کشمیرن لڑکی کی طرف بڑھا ؛

کشمیرن لڑکی کانپ اُٹھی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی ؛

کشمیرن لڑکی "خدا کے لئے مجھے نہ مارو۔ میں سچ سچ بتا دیتی ہوں"

ہنری "ہاں سچ سچ بتاؤ۔ اگر سچ بتاؤ گی تو صاحب بہادر (ولیم کی طرف اشارہ کر کے) بڑا رحمدل آدمی ہے۔ تم کو کچھ نہ کہیگا"

کشمیرن لڑکی (ہاتھ جوڑ کر) "ہاں میں اب بالکل سچ بتا دیتی ہوں"

ولیم "ہنری صاحب پوچھئے"

ہنری "ہاں بتاؤ۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

لڑکی "حسنو"

ہنری "باپ کا نام کیا ہے؟"

حسنو "میرے ہاں باپ تو چھوٹا سا چھوڑ کر مر گئے تھے۔ معلوم نہیں کہ اُن کا کیا نام تھا"

ہنری "اچھا گھر کس جگہ ہے؟"

حسنو "سجان پور"

ہنری "سجان پور! کہاں ہے سجان پور"

حسنو "پہاڑ کے دامن میں ہے۔ وہاں سب کشمیری رہتے ہیں"

ولیم "وہ سجان پور۔ جو ادی کے کنارے پر پٹھان کوٹ کے نزدیک ہی۔ یس یس وہاں سب کشمیری رہتا ہے"

ہنری "اچھا تم اِن کے ساتھ کس طرح آئی"

حسنو: "عرصہ ایک ماہ کا ہوا۔ یہ عورت (گوجری) پیر جی کے ہاں جا کر رہنے لگی۔ پھر دو چار دن کے بعد اس شخص (کھتری) نے گاؤں میں آٹا دال کی دکان کھولی۔ کوئی آٹھ دس دن بعد اس (سنار) نے سنارے کی دکان کھولی۔ ہم تینوں لڑکیوں کو انہوں نے بہکایا کہ پنجاب میں لے چل نواب سے تمہاری شادیاں کر دینگے۔ ایک دن رات کو جب ہمارے گاؤں میں ایک برات آئی تھی اور بڑی بھیڑ بھاڑ تھی۔ یہ تینوں ہم کو لے کر بھاگ نکلے۔ ایک لڑکی تو راستہ میں بھاگ گئی جس کے عوض سندری پکڑی گئی اور ایک کو انہوں نے جالندھر میں ایک سکھ کے ہاتھ فروخت کر ڈالی۔ بس حضور یہ ہے جو کچھ ہے۔ میں نے سچ سچ عرض کر دیا۔"

ولیم: "شاباس۔ شاباس۔ تم اب بےخوف رہو۔ اچھا لیا۔ اس عورت کو یہاں سے لے جاؤ۔ اور اسے بھی کھانا کھلاؤ۔ دیکھو بیچاری بھوکی معلوم ہوتی ہے۔"

ہنری: "بس اب تو مقدمہ صاف ہے۔ یہ...... حرام کا بچہ سب کے سب بردہ فروش ہیں۔"

ولیم: "اس عورت (گوجری) کو بلاؤ۔"

گوجری آ گئی:۔

ہنری: "تیرا نام کیا ہے۔ اور یہ لڑکیاں کس طرح تم نے حاصل کیں۔"

گوجری: "میرا نام عنایی ہے۔ میں جانتی بھی نہیں کہ یہ لڑکیاں کون ہیں۔ میں تو اپنی بیٹی کو یہاں ڈھونڈنے آئی تھی کہ مجھے سپاہی پکڑ لائے اور انہوں نے میرے پچاس روپیہ بازوبند لے لئے ہیں۔"

گوجری: "ہاں جو مرضی ہو سو کرو۔ میرا تو ہزار آدمیوں کا کنبہ ہے۔ سینکڑوں آدمی مجھے جانتے ہیں کہ میں کیسی ہوں۔ میرے کنبہ دار تو ولایت تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑینگے۔"

ولیم: "لیجاؤ لیجاؤ۔ اس حرامزادی کو دس جوتا مارو۔ اور حوالات میں دیدو۔"

ہنری: "ان دونو شیطانوں کے بچوں کو ادھر لاؤ۔"

ہنری: "تم کون ہو؟"

کھتری: "خداوند! ہم دونو بھائی ہیں۔ ہم نے سنا تھا کہ اس جگہ گندم سستی ملتی ہے۔ ہم تو غلہ خریدنے آئے ہیں۔ ہم بیوپاری آدمی ہیں۔ لاہور کے ہزار ہا آدمی ہمیں جانتے ہیں۔ ہماری نیک چلنی کے گواہ ہیں۔ ان لڑکیوں سے تو ہم بالکل واقف بھی نہیں۔"

سنار: "ہاں حضور ہم ناحق پکڑے گئے ہیں۔ ہم بے گناہ ہیں۔"

ولیم :- "تم بھی بے گناہ ہے"

سنار :- "حضور ہم دونو سگے بھائی ہیں"

ولیم :- "ان ...... کے کپڑے اُتار دو"

ایک سپاہی نے کپڑے اُتار کر دونو کا جسم ننگا کر دیا اور ولیم نے ایک چابک لیکر دونو کو خوب پیٹا +

کھتری اور سنار خوب روئے پیٹے مگر مطلب کی بات ذرا نہ کہی +

ولیم :- "اچھا ان کو حوالات میں دو"

ایک سپاہی حوالات میں لے گیا +

کھتری :- "اس تھانہ دار چاپئے ہم کو مارا ہے دیکھو تو سہی حقیقت کہ رٹ تک مقدمہ پہنچا ئیں ہم ساہوکار وں کے لڑکوں پر ایسا ظلم"

سپاہی :- "او...... اس داروغہ کے پھندے سے نالی چھوٹنا تو بڑا ہی مشکل ہے"

کھتری :- "پھر کیا کریں - دس پانچ روپیہ لے لے"

سپاہی :- "دس پانچ! پندرہ بیس روپیہ کی تو شراب پی جاتا ہے تو دیکھتا نہیں یہ صاحب بہادر ہے صاحب بہادر!"

سنار :- "دیکھا سب کچھ دیکھا کیا کالا ولایتی انگریز ہے سسرا یہ تو چمار ہے چمار"

سپاہی :- "خیر چمار ہے یا چوہڑا - اس وقت تو اس کا اقبال انگریزوں سے بھی زیادہ ہے"

کھتری :- "ہاں بھئی اب تو صاحب بہادر بنا ہوا ہے"

سنار :- "اچھا بھئی بیس روپیہ میں تو شراب کا خرچ پورا ہو جائیگا"

سپاہی :- "اجی بیس پچیس کی کیا حقیقت ہے اگر کوئی رنڈی آج رات کو آگئی تو پچاس روپیہ تو اسی کو دے دیگا"

کھتری :- "اب رنڈی کی کیا ضرورت ہے! تب دو تو کنواری لڑکیاں پھنسی ہوئی ہیں شراب کے لئے ہم سے بیس روپیہ لے لے"

سپاہی :- "یہ سودا نہ پٹیگا"

آخر گھٹتے بڑھتے سو روپیہ پر فیصلہ ہوا سپاہی ہنری کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اگر سو روپیہ لو تو یہ لوگ عمر بھر تمہاری بندگی کرتے ہیں +

ولیم :- ہنری تم خود جاؤ دیکھو کچھ زیادہ نہ لگے "
ہنری گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا کہ دو سو روپے پر سودا ہو گیا ہے "
ولیم :- دو سو - دو سو بہت عمدہ ہیں - لڑکیاں بھی ہزار ہزار روپیہ کی ہیں - ہنری اسی واسطے تو میں نے تم کو اپنا منشی بنایا ہے - اس سپاہی کو بھی کچھ دلوا دو - اور اُن کو چھوڑ دو - دیکھو سپاہی کو، دیکھو ان لڑکیوں کو ہماری کوٹھی پہنچا دو " (چپکے سے کچھ کان میں کہا) +

انھیں کچھ رحم بھی آتا نہیں یار وقتِ ذبح
چھری جب حلق عاجز پر رواں جلاد کرتے ہیں

ہنری نے پانچ روپیہ سپاہی کو دلوائے - اور دو سو روپیہ دیکر ولیم کے پاس آیا +
ولیم :- ہنری صاحب پچاس روپیہ تم لے سکتا ہے "
ہنری :- نہیں حضور - یہ سب آپ ہی رکھیں "
ولیم :- نہیں ایسا نہیں ہوگا - مائی ڈیر فرینڈ - اگر تھوڑا ہے تو ساٹھ روپیہ لے لو "
ہنری :- تھینک یو - تھینک یو - یہ کافی ہے میں اس واسطے نہیں کہتا "
گوجری اور کھتری اور سُنار حوالات سے چھوٹتے ہی ہوا ہو گئے - پیاری سندری سوچ رہی تھی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور کشمیرن لڑکی بھی کچھ حیران دکھائی دیتی تھی - شام ہو گئی تھی - ہوا کسی قدر ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی - اور کچھ ابر بھی ہو رہا تھا - ایک سپاہی ان لڑکیوں کے پاس آیا - اور اُن کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا - کشمیرن اُس کے ساتھ ہو لی - مگر سندری نے کچھ سوچ کر جانے سے انکار کیا +
سندری :- تم ہم کو کہاں لیجاؤ گے ؟"
سپاہی :- تھانہ دار صاحب کی کوٹھی "
سندری :- کیوں ؟"

سپاہی :- حکم ہے "
سندری :- میں تو وہاں نہیں جاؤنگی "
سپاہی :- نہیں جانا پڑیگا "
سندری :- کوٹھی میں تھانہ دار صاحب کی میم بھی ہے ؟"
سپاہی تھا بڑا رند - سمجھ گیا کہ یہ لڑکی بڑی ہوشیار ہے ! اگر کہونگا کہ کوٹھی خالی ہے تو ساتھ نہ جاویگی اور اگر اس چار کو خبر ہوگی تو وہ اور مجھ کو بےعزت کریگا - کہنے لگا :-
سپاہی :- ہاں تھانہ دار صاحب کی میم ہے بچے بھی ہیں اور میم صاحب نے بڑی نرم دل ہیں شاید انہوں نے ہی تم کو بلایا ہے "
پیاری سندری بہت خوش ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عیسائی عورتیں خصوصاً رحم دل ہوتی ہیں اُس کو گمان ہوا - کہ تھانہ دار کی میم کو ہماری حالت پر رحم آیا ہوگا - جو اُس نے بلایا ہے وہ سوچتی کہ بیشک مجھ کو اب لاہور پہنچا دیا جاویگا +
تھانہ دار کی کوٹھی تھانہ کے نزدیک تھی - دو منزلا مکان تھا - نیچے کی منزل میں ہنری رہا کرتا تھا اور اوپر کی منزل میں ولیم - ولیم گو ذات کا چمار تھا - مگر اُس نے لیاقت خوب حاصل کرلی تھی - اُس کے پاس دو کمرے اور دو کوٹھڑیاں تھیں ایک کمرہ تو اس نے اپنا کتب خانہ اور کھانے کا بنا رکھا تھا اور دوسرا کمرہ سونے کا اور کوٹھڑی غسلخانہ اور دوسری سنگار کمرہ بنائی ہوئی تھی +
ولیم کے پاس شوت کا مال خوب آتا تھا اس واسطے اُس نے اپنا مکان ایسا آراستہ کر رکھا تھا کہ صاحب کمشنر کی کوٹھی بھی اُس کے آگے مات تھی کرسی - میز - آرام کرسی - صوفا - شیشہ - پرچ پیالہ - چھری - کانٹا - فرش فروش - جھاڑ فانوس - لیمپ گلاس غرض دنیا کی سب چیزیں اس کے مکان میں موجود تھیں - بس فقط کسر اتنی تھی کہ اُسکے گھر میں کوئی عورت نہ تھی - جس کا علاج وہ یہ کرتا تھا کہ مقدمہ والی تو کوئی ہی قسمت والی عورت اُس سے بچکر جاتی تھی اور ایسے ہی قصبہ کی کوئی عورت اُس سے بچی تھی +
نیچے کی منزل میں ہنری نے بھی ایک دالان میں اپنی چارپائی بچھا رکھی تھی اور دو ایک ٹوٹی پھوٹی کرسیاں اور ایک پرانی سی میز بھی پڑی ہوئی تھی +
جب سپاہی ان لڑکیوں کو کوٹھی میں لیگیا - تو کشمیرن کو ہنری کے کمرہ میں بٹھا گیا اور سندری کو اوپر کی منزل میں لیجا کر سونے والے کمرہ میں بٹھا دیا - اور کہا کہ تم یہاں بیٹھو شاید میم صاحب

ہوا خوری کو گئی ہوئی ہیں۔ اب آتی ہی ہونگی یہ یقین ہے۔ تم بہت خوش ہوگی کیونکہ وہ بہت محبت والی اور بڑی رحمدل ہیں +

سپاہی نے کمروں کے لمپ روشن کر دئیے اور سندری کو کہا کہ میں میم صاحبہ کو بلالاؤں۔ تم یہاں ٹھیرو + یہ لا سپاہی ولیم کا بہرہ بنا ہوا تھا اور کٹنا پا بھی کرتا تھا اور ولیم آسامیوں سے اسے کچھ دلوا دیا کرتا تھا۔

سندری پیاری کو اس جگہ بٹھا کر یہ کٹنا مکان سے باہر چلا گیا اور مکان کا قفل لگا دیا +

ولیم اور ہنری شراب کے نشے میں چور اس طرف چلے آ رہے تھے اور مستی کے سبب سے بیتاب ہو رہے تھے خصوصاً ولیم تو بالکل بدمست ہو گیا تھا۔ سپاہی ان کے ساتھ آیا اور مکان کا قفل کھولا +

ولیم :۔ "ول ہمارا لال بی بی کہاں ہے؟"

سپاہی :۔ "حضور اوپر ہے۔ حضور کے سونے والے کمرہ میں"

ولیم :۔ "او خوب خوب۔ سونیوالے کمرہ میں ہے۔ شاباش"

سپاہی :۔ "حضور نے جو حکم دیا تھا"

ولیم :۔ "اچھا شاباش ہے۔ ہاں دوسرا لڑکی کہاں گیا۔؟"

سپاہی :۔ "حضور ہنری صاحب کے کمرہ میں بیٹھی ہے"

ولیم :۔ "او ہمارا سب حکم تعمیل ہو گیا۔ ول شاباش اچھا اب تم رخصت"

سپاہی :۔ "پولیس کے قاعدے کے موافق سلام کر کے روانہ ہونے لگا"

ولیم :۔ "ول شراب کا بوٹل"

سپاہی :۔ "حضور حضور کے کمرہ میں میز پر بوتل اور گلاس دونو رکھ آیا ہوں"

ولیم :۔ "شاباش۔ شاباش۔ تم بہت اچھے والا"

سپاہی باہر چلا گیا اور دوسرا آدمی سے کچھ کھانے کے واسطے مٹھائی وغیرہ لیکر ہنری کو دے گیا۔ ہنری نے مکان کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کنڈی لگا لی +

اب اوپر کی منزل میں ولیم اور سندری تھے اور نیچے کی منزل میں ہنری اور کشمیرن لڑکی +

سندری بڑی دیر سے انتظار کر رہی تھی کہ میم صاحبہ آتی ہونگی۔ اور مجھ پر بہت ترس کھاویں گی۔ اور میں ان سے یوں کہونگی اور دوں کہونگی کہ اتنے میں وہ چرچر کی آواز سے چونک پڑی اور جونہی اس نے ولیم کی شکل دیکھی۔ بڑی التجا سے خدا کی جناب میں دعا مانگ رہی ہے پرمیشر! اس بھتنے سے میری عصمت اور پاکدامنی کو محفوظ اور سلامت رکھیو +

ولیم :- "ول سُندرا ڈیر تم کہاں ہے۔ کم ہیئر مائی ڈارلنگ۔ ہمارا جان ادھر آؤ"

غریب سُندری کے کاٹو تو بدن میں خون نہیں رہا تھا وہ حیران تھی۔ کہ اب میں کیا کروں کبھی آسمان کی طرف دیکھتی کہ اگر پر لگجا دیں تو اوپر اُڑ جاوے اور کبھی چھت اور دیوار کو دیکھتی اگر پھٹ جاویں تو وہیں سما جاوے۔

ولیم :- "ہمارا مسیم صاحب ادھر آؤ۔ تمہارا مسیح کا تم کو خوب خوب گون بنا کر دیگا۔ تم ہمارا جان ہوگا (کم ہیئر مائی ڈارلنگ) یہاں آؤ میری جان"

افسوس ہے کہ دروازے سب بند کئے ہوئے تھے۔ اور کوئی موقع ایسا نہیں تھا کہ سُندری اُس آسنہ سے بھاگ جاوے۔ یا اپنے تئیں چھت سے نیچے ہی پھینک کر گر جاوے +

آخر ولیم کو غصہ آیا اور اُس نے ایک چابک کونہ سے اُٹھالیا اور بھاگتی بھاگتی پیاری سُندری کو سخت زخمی کر دیا +

ولیم شراب میں بدمست تھا اِس واسطے سُندری اُس سے داؤں گھاٹ بچاتی رہی ورنہ ولیم کے سامنے سُندری بیچاری کی کیا حقیقت تھی +

اب اِدھر اُدھر بھاگتی بھاگتی سُندری بیچاری بالکل تھک گئی آخر وہ ایک کرسی سے لگ کر گر پڑی اور ہانپنے لگی۔ ولیم نے جھٹ اُسے آنکر دبالیا۔ غریب سُندری بہتیرا روئی۔ بہتیرا پیٹی۔ سب کچھ دوہائی دی۔ مگر جس شخص کے سر پر حرام سوار ہو وہ کب کسی کی سُنتا ہے قریب تھا کہ سُندری کے شیشہ عصمت کو اِس چمار کے ہاتھ سے صدمہ پہنچے۔ کہ اچانک سُندری کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی اور اُس نے فوراً رونا دھونا موقوف کر دیا۔ اور نہایت پیارے لہجے سے ولیم سے کہا۔

سُندری :- "صاحب! صاحب! تم کیوں پاگل ہو گیا ہے ساری رات پڑی ہے ہم کہیں کو بھاگا تو نہیں جاتا۔ چلو تھوڑی دیر بیٹھیں باتیں کریں۔ مائی ڈیر۔ تم کیوں اس قدر تنگ کرتا ہے۔ ہم تو تمہارا ہے۔ بیشک تمہارا میم صاحب ہے" +

سُندری نے یہ باتیں اس قدر شیریں زبانی سے کیں کہ ولیم موم ہو گیا۔ اور کہا۔

ولیم :- "اکسکیوز مائی ڈارلنگ۔ ہمارا جان ہم کو معاف کرو"

ولیم نے سُندری کو چھوڑ دیا۔ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھانے کے کمرہ میں لیگیا۔ اور ایک کرسی پر بٹھایا۔ وہاں بہت سی کتابیں اور ہندی کی پڑی تھیں سُندری اُن کو اُٹھا کر پڑھتی رہی اور ولیم کو سُناتی رہی۔ یہ معلوم کر کے کہ پڑھ لکھ سکتی ہے ولیم بہت خوش ہوا اور سُندری کی بہت خوشامد کرنے لگا +

غرض سندری نے ایسا باتوں میں لگایا کہ رات کے دس بج گئے۔ مگر جب دیکھا کہ چار کسی طرح اپنی حرکت سے باز نہیں آتا تو اس نے کئی گلاس شراب کے اپنے ہاتھ سے بھر کر ولیم کو پلائے۔ جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ ولیم کسی طرح بیہوش ہو جائے اور میں کوئی تدبیر کر کے اس جگہ سے نکل جاؤں۔ مگر ولیم بڑا شراب خور تھا وہ تو رات بھر میں چار چار بوتلیں اڑا جایا کرتا تھا۔ اسے ان گلاسوں سے کیا ہوتا تھا قریب بارہ بجے شب کے وہ بالکل بدمست ہو گیا۔ اس نے سندری کا ہاتھ پکڑ کر کے اپنی طرف کھینچ لیا اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دئے۔ اور اس کو نیچے کر کے گھٹنے کے تلے داب لیا ٭

ہائے اس وقت جو اس نازک بدن سندری کی قابل رحم حالت تھی۔ اس کا بیان کوئی اس کے دل سے پوچھے۔ میرے قلم میں اس قدر طاقت نہیں کہ لکھ سکوں۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ ایک سانس آتا اور ایک باہر جاتا تھا وہ موت کو یاد کر رہی تھی اور ایسے جینے سے زمین کا پیوند ہونا زیادہ پسند کرتی تھی۔ اس کی طاقت بدن سے بالکل زائل ہو گئی تھی اور اس وقت نہایت عاجزی سے خدا سے دعا کر رہی تھی ٭

تھانہ دار صاحب سندری سے طاقت آزمائی کر رہے تھے کہ باہر سے کئی خوفناک آوازیں آئیں ٭

آوازیں ۔ "داروغہ جی! اجی صاحب بہادر! اجی تھانہ دار جی جلدی آئیے جلدی۔ ڈاکہ پڑ گیا۔ کئی خون ہو گئے۔ ہزارہا روپیہ کا مال چلا گیا"

جس وقت یہ آوازیں ولیم کے کان میں پہنچیں دنگ ہو گیا اور سب مستی اتر گئی۔ خوف کے مارے اس کا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ بستر کے اندر گھس کر لحاف میں منہ چھپا لے۔ مگر اس وقت پولیس کے کئی سپاہی بھی آ گئے تھے۔ اس لئے چار و ناچار ان کے ساتھ مرد بنا ہوا چلا گیا جب سے تھانہ دار ہوا تھا پھولی پھولی کھاتا رہا کام آج ہی پڑا تھا ٭ چلتے وقت اس نے سندری سے کہا "ای ڈارلنگ ہم ابھی آتا ہے تم کچھ خوف نہ کرنا" یہ کہا اور دروازہ کو باہر سے قفل لگا چل دیا ٭

اس کے چلے جانے کے بعد سندری کو ایک گھنٹہ میں ہوش آیا وہ ادھر ادھر دوڑی دروازے سب بند تھے۔ مگر قسمت سے پیچھے کی طرف سے ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی چاہتی تھی کہ وہاں سے اپنے تئیں گرا دے کہ کسی نے آواز دی۔

آواز ۔ "بیٹی۔ ذرا صبر کر۔ گر نہیں"

سندری ۔ "ظالم آ جاوے گا"

آواز ۔ "نہیں ابھی نہیں آتا۔ اپنی جان مفت میں ضائع نہ کر کیونکہ پرمیشر نے تیری عزت بچائی؟"

سندری :- رام کی کرپا سے اب تک عزت تو محفوظ ہے۔ مگر مجھے گرنے دو۔ تم کون ہو اور کیوں منع کرتے ہو؟"

آواز :- "گر کر جان نہ کھو۔ اس طرح پھر اُس کے پالے پڑینگے۔ لے یہ رسّی میں پھینکتا ہوں۔ اسے دروازے سے باندھ دے اور لٹک کر چلی آ"

سندری نے کھڑکی کے دروازے سے رسّی باندھ دی۔ اور اُس کے سہارے سے نیچے اُتر آئی۔ دیکھا کہ ایک شخص قریباً پچاس برس کی عمر کا اُسے بیٹی بیٹی کہکر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ آ میرے ساتھ چلی آ +

سندری :- "نہیں میں تو لاہور جاؤنگی۔ مجھے ادھر کا راستہ بتا دو"

شخص :- "تم کو لاہور ہی پہنچاؤنگے۔ تم کچھ فکر مت کرو۔ میں تم کو بیٹی کہتا ہوں۔ اور ایشور نے چاہا تو بیٹیوں ہی کی طرح تم سے سلوک کرونگا۔ بس اب زیادہ دیر نہ لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارے ساتھ میں بھی پکڑا اور مارا جاؤں۔ بس جہاں تک ہو سکے۔ تم جلدی جلدی چلی آؤ" +

یہ پیر مرد کچھ ایسی محبت کے ساتھ سندری سے پیش آیا کہ سندری اُس کے ساتھ ساتھ ہوئی +

ناظرین حیران ہونگے کہ یہ شخص کون تھا جو اس اندھیری رات میں سندری کی مدد کو آیا اور اُس کو اپنے گھر لے گیا۔ موگا کے تھانہ میں دس بیس برس سے ایک منشی رہتا تھا جس کا نام دھرم چند تھا۔ یہ شخص گو محکمۂ پولیس میں ملازم تھا مگر بڑا خدا پرست دیندار اور انصاف دوست تھا وہ قوم کا برہمن تھا اور ولیم کو رشوت اور بدکاری سے اکثر روکا کرتا تھا۔ چونکہ قوم کا شریف اور آدمی تجربہ کار تھا اس واسطے ولیم اُس سے کنیاتا تھا۔ آخر ولیم نے اُسے نکلوا دیا اور اسکی جگہ للو دھنیری (؟) کو رکھوایا اس موقع پر جب دھرم چند کو خبر لگی کہ ایک برہمن کی لڑکی اس چمار شہوت پرست کا شکار ہوتی ہے تو وہ بہت کوشش کرتا رہا۔ کہ اس معصوم کو اس موذی سے بچائے۔ وہ شام سے ہی مکان کے گرد چکر لگاتا رہا تھا کہ قدرتی سبب ہاتھ لگا۔ اور اُس نے تھانہ میں جا کے اطلاع دی کہ ڈاکہ پڑ گیا ہے۔ اور سپاہیوں کو لایا +

غرض یہ شریف برہمن دھرم چند بیاری سندری کو اپنے گھر لے گیا۔ اور اس جگہ سندری بڑے آرام سے رہی +

دھرم چند نہایت ہی شریف آدمی تھا۔ اُس نے غریب سندری کو نہایت آرام سے کھا اور وہ موقعہ دیکھتا رہتا تھا کہ کسی طرح آرام اور حفاظت کے ساتھ سندری کو لاہور میں پہنچاوے +

مگر ولیم کمبخت ابھی موقعۂ واردات ہی پر تھا کہ اُسکو خبر پہنچی کہ پری کہیں اُڑ گئی وہ بہت رنجیدہ ہوا اور اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ شہر کو نہ کونہ تلاش کر ڈالیں۔ کالے کوسے سارے شہر میں پھیل گئے

بلکہ ہنری کی ہدایت کے موافق بعض غریب ہندو مسلمانوں کے پردہ دار گھروں میں بھی گھس گئے ٭

دھرم چند کو جب یہ معلوم ہوا کہ کارکُن جگہ بہ جگہ سندری کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو اُس کو اپنا بڑا اندیشہ ہوا کیونکہ ولیم پہلے ہی سے اُس سے بدظن تھا۔ اُس نے سندری کو بہت ہی پوشیدہ طور سے رکھا۔ اس ڈاکہ کی خبر فوراً فیروزپور پہنچی۔ اور شام کو صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دوسرے دن صاحب ڈپٹی کمشنر آن پہنچے۔ اور اب ولیم۔ ہنری اور تمام پولیس کے سپاہی وارداتِ ڈاکہ کے کام میں مصروف ہوئے۔ دھرم چند نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کچھ بندوبست کرکے دوسرے دن فیروزپور چلے گئے۔ اور صاحب سپرنٹنڈنٹ ابھی موگا میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ دھرم چند کا ایک رشتہ دار جو فریدکوٹ کی تحصیل میں پیشکار تھا مع اپنے اہل و عیال کے موگا پہنچا۔ اور شب گناری کے ارادہ سے دھرم چند کا مہمان ہوا۔ دھرم چند نے بہت خوشامد درآمد اور چاپلوسی سے اُس سے وعدہ لیلیا کہ بیچاری سندری کو وہ اپنے عیال کے ہمراہ پوشیدہ کرکے فریدکوٹ لیجائے اور وہاں سے اُسے لاہور پہنچا دے ٭

آفرین ہے اس برہمن پر بھی کہ اُس نے خواہ ایک بنی نوع انسان خواہ اپنی ذات اور ہندو دھرم کی لاج سمجھ کر سندری پر اس قدر مہربانی کی۔ اور کچھ روپیہ اپنے کنبہ دار کو سندری کے خرچ کیواسطے نقد دیئے ٭

یہ پیشکار صاحب دوسری صبح کو موگا سے روانہ ہوئے۔ اور شام ہوتے فریدکوٹ جا پہنچے۔ سندری جب تک موگا کے رستہ میں رہی ولیم کا خوف اُسکی چھاتی پر سوار رہا۔ مگر فریدکوٹ پہنچکر اس کو کسی قدر اطمینان ہو گیا۔ اور وہ دھرم چند سے زیادہ پیشکار صاحب کی ممنون ہوئی ٭

سندری تھی بہت عقلمند مناسب نہ سمجھی کہ پیشکار صاحب کو اپنے لاہور روانہ کرنیکی بابت کچھ کہے۔ اُسے خیال تھا کہ جب موقعہ ہوگا۔ وہ خود روانہ کر دینگے۔ اس شکریہ کے عوض میں سندری نے پیشکار صاحب کے گھر کا کاروبار۔ بچوں کی پرورش۔ بال بچوں کا سینا پرونا سب اپنے ذمہ لیلیا ٭

پیشکار صاحب نے جب سندری کا سلیقہ دیکھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لکھ پڑھ سکتی ہے تو اُن کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اُن کی عورت ایک بدشکل بدمزاج۔ اور پرلے درجہ کی پھوہڑ تھی اُسکے ہاتھوں پیشکار صاحب کا ناک میں دم تھا۔ اور بچوں کا اُس کے ہاتھوں بُرا ستیاناس ہو رہا تھا۔ سندری کو آئے ہوئے پانچ چھ روز ہی ہونے تھے کہ گھر کا رنگ بدل گیا۔ جو چیز تھی قرینہ اور سلیقہ کے ساتھ۔ بچے بھی ہاتھ پیر اور کپڑے لتے سے درست اور آراستہ رہنے لگے۔ پیشکار صاحب تو سندری پر ایک جان سے ہزار جان سے

عاشق ہو گئے بات بات میں اس پر اپنا عشق اور محبت ظاہر کرتے موقع بے موقع اس کی طرف طرح طرح کے اشارے کرتے مگر جورو سے ڈرتے تھے اس واسطے کھلم کھلا بات نہ کر سکتے تھے +

ایک دن پیشکار صاحب کی جورو اندر دالان میں تھی اور سندری باہر صحن میں بیٹھی اُن کے بچے کا کرتہ سی رہی تھی کہ پیشکار صاحب سندری کے پاس آئے اور کرتہ کی سلائی دیکھنے کے بہانے سے ایک پرچہ کاغذ پھینک کر چلے گئے +

سندری نے اُس پرچہ کو اٹھا کر جو پڑھا اُس میں یہ لکھا تھا:-

میری جان اور جان سے پیاری معشوقہ!

بعد شوق وصل کے معلوم ہو کہ میں تم پر ہزار جان سے عاشق ہوں اور تمہارے ہی ایک آن کا مرتا ہوں میں تو بس دل و جان سے تمہارا غلام ہو چکا ہوں۔ میرا دل تو تمہارے ہی ہاتھ میں ہے اور میری زندگی تمہاری نگاہ میں۔ تم جلاؤ گی۔ تو جیونگا۔ ورنہ میں تو مرا پڑا ہوں کیا کروں اس چڑیل (اپنی بیوی سے مراد ہے) کے خوف سے تمہارے ساتھ بات بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ اگر تم فرماؤ۔ تو تم کو الگ مکان لے دوں اور وہاں ہم تم دونوں بڑی محبت اور پیار سے رہینگے امید ہے کہ اپنے جواب سے مجھ مرتے ہوئے کو بچالو گی + راقم

تمہارا عاشق زار پیشکار

جب غریب سندری نے اس خط کو پڑھا اُس کا دم سا نکل گیا غصہ کے مارے اُس کا چہرہ تمتمانے لگا اور پھر خوف سے اُس کا چہرہ زرد ہو گیا اُس کی روح پھول گئی +

طرح طرح کے خیالات اُس کے دل میں آنے لگے سینا۔ پرونا۔ کھانا پینا وغیرہ وہ سب کچھ بھول گئی اگلے پچھلے ہیبت ناک خیالات اُس کی آنکھوں میں پھر گئے قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے کہ اتنے میں پیشکار کی جورو اندر سے نکل آئی اور سندری کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہو گئی اُسے پیشکار صاحب کی نظروں سے پہلے ہی شک ہو گیا تھا اور سندری کی یہ حالت دیکھ کر اُس کا شک اور بھی زیادہ ہوا اب غریب سندری پر اور مصیبت نازل ہوئی کہ پیشکار صاحب کی جورو بھی اُس کی جانی دشمن بن گئی اور بات بات پر اُسے کوسنے اور گالیاں دینے لگی اور کھلم کھلا اسکو اپنی سوت کہنے لگی + غریب سندری کو چند روز آرام ملا تھا کہ پھر مصیبت میں مبتلا ہو گئی پیشکار صاحب کی مہربانی کے طعنے اُسے تیر کی طرح لگتے تھے خصوصاً جب اُسے اپنی سوت کہتی تھی تب اُس کا جی چاہتا تھا کہ یا تو مصرانی کا منہ نوچ لے اور یا خود کسی کنوئیں میں گر کر اپنی جان دیدے اس بات اسی ساری

رات پیشکار صاحب کا خوف رہا کہ کہیں اندھیرے اُجالے یا کسی اور وقت میں اُسکی عزت کو لاگو نہ ہو جائیں۔ اور طرح طرح کے خیالات سے اُسکی نیند کوسوں بھاگ گئی۔ کہتی تھی۔ کہ دیکھئے ان مصیبتوں کا کیا انجام ہوتا ہے ✤

آخر اُس کی سمجھ میں آیا۔ کہ گو پیشکار صاحب کی عورت مجھ سے بہت خفا ہے مگر یہ کام بھی اُسی سے نکلیگا یہی تدبیر یہاں سے نکالنے کی کوئی تدبیر کریگی ورنہ پیشکار صاحب تو مری ہوئی کو بھی نہ نکلنے دینگے۔ یہ خیال کرکے اُسے کچھ اطمینان سا ہو گیا اور تھوڑی دیر کو ذرا اُسکی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھتی ہے کہ پیشکار صاحب اُسکے سرہانے کھڑے ہیں اور اُسکے چہرہ پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہتے ہیں "کیوں پیاری تم نے ہمارے رقعہ کا جواب کچھ نہ دیا" یہ دیکھ کر وہ پھر چیخ مار کر اُٹھ بیٹھی۔ مگر وہاں پیشکار کا کچھ پتہ نہ تھا رات کو مصرانی نے اُن کی خوب خبر لی تھی۔ اور اُس کے ڈر سے آج وہ ذرا اُسکے بھی نہیں ✤

دوسرے دن جب مصرانی پیاری سندری کی بری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اُس نے بڑی لجاجت سے کہا:۔

سندری۔ "بہن میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تم مجھ سے خفا نہ ہو۔ یہ جو تمہارے دل میں خیال ہے یہ ٹھیک نہیں میں پیشکار صاحب کو اپنا باپ اور بھائی سمجھتی ہوں"

مصرانی۔ "چل چل ڈھونگ ہو۔ میرے آگے بہت باتیں نہ بنا۔ سب بھائی باپ ہی بنایا کرتی ہیں اور وقت پر خوشی خوشی جورو بنجاتی ہیں"

چونکہ سندری کا کلیجہ پکا ہو گیا تھا اُس کا دل بھر آیا۔ اُس نے زار و قطار رونا شروع کیا اور کہا ہے پرمیشر! آسمان کو گرا دے جس کے نیچے آکر میں دب جاؤں یا زمین پھاڑ دے کہ میں جس میں سما جاؤں یہ لوگ مجھ پر کیسے کیسے الزام لگاتے ہیں۔ ہے رام! اب تو مصیبتوں کی انتہا ہو گئی جلدی مجھے موت دے۔ یا بلاؤں سے نجات بخش ✤

سندری کا یہ بیان سُنکر مصرانی کا بھی دل پسیجا اور اُس نے کہا ✤

مصرانی۔ "بہن سندری مجھے معاف کر میں نے برا کیا"

سندری۔ "بہن تو نے میرا کیا کیا سب کچھ میری ریکھ کا قصور ہے۔ میں تجھے تو برا نہیں کہتی اپنی قسمت کو روتی ہوں"

مصرانی۔ "بہن نہیں نہیں بس کر اب میں تجھے کچھ نہ کہونگی"

سندری۔ "مصرانی۔ تو میری دھرم کی بہن ہے۔ میں نے تیرا کہا سُنا سب معاف کیا۔ پر ایشور کیلئے

کوئی ایسی تدبیر کر۔ کہ میں بہت جلد لاہور پہنچ جاؤں ساری عمر تیرا احسان مانونگی "۔

مصرانی تو اسی بات کی خواہشمند ہوگئی۔ اور کہنے لگی :-

مصرانی :- "ہاں بہن۔ میں خوب جانتی ہوں تیرا کچھ قصور نہیں ہے۔ یہ مردوا ہی بڑا چھلوا ہے خیر پرمیشر اس سے تیری عزت کو بچاوے۔ اچھا اب میں تیری رہائی کی کوئی تدبیر کرتی ہوں "۔

جس محلہ میں پیشکار صاحب رہتے تھے۔ اُس محلہ کی ایک لڑکی بٹھنڈا علاقہ پٹیالہ میں بیاہی ہوئی تھی۔ اور چند ماہ سے اپنے باپ کے گھر آئی ہوئی تھی اُس سے مصرانی جی کا بہناپا تھا وہ دوسرے دن اپنے خاوند کے گھر جانے والی تھی وہاں سے ایک آدمی اُسے لینے آیا ہوا تھا۔ جب وہ مصرانی سے ملنے آئی تو مصرانی نے کہا :-

مصرانی :- "بہن میں تیرے صدقے اس بیچاری غریب ہمنی لڑکی کو اپنے ساتھ لیجا۔ اور اپنے خاوند سے کہکر اُسے لاہور پہنچوا دیجیو "۔

لڑکی :- "اچھا اسے میرے ساتھ کر دو۔ ہمارے ہاں سے تو اکثر آدمی لاہور آتے جاتے رہتے ہیں کسی کسی کے ساتھ اسے وہاں پہنچا دونگی "۔

مصرانی نے اس وقت کچھ روپیہ سندری کو دئے اور اُس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اپنا کہا سُنا معاف کرایا اور اسے اُس لڑکی کے حوالہ کر دیا۔ پیشکار صاحب جب شام کو گھر آئے تو سندری کو نہ پایا۔ مصرانی سے ابھی کچھ پوچھنے بھی نہ پائے تھے کہ اُس نے دس بیس صلواتیں سُنا دیں اور دو چار جوتے بھی ٹکا دئے۔ خیر پیشکار صاحب تو ناچار ٹھنڈے ہوکر رہ گئے ✣

دوسرے دن صبح کو لیتے دیتے ملتے ملاتے اس لڑکی کو دیر ہوگئی۔ اس واسطے قریب دو بجے کے سندری کی بیل گاڑی فریدکوٹ سے روانہ ہوئی۔ اس گاڑی میں ایک وہ لڑکی تھی جو بٹھنڈے بیاہی ہوئی تھی۔ دوسری سندری تھی یہ دو عورتیں تھیں اور گاڑی بان۔ اور ایک مصر جو اس لڑکی کے سسرال سے آیا ہوا تھا یہ دو مرد تھے ✣

اگر بیل گاڑی صبح کو روانہ ہوتی۔ تو کچھ رات گئے تک ضرور بٹھنڈا میں پہنچ جاتی۔ مگر چونکہ وہ دن کے دو بجے روانہ ہوئی تھی جب شام ہوگئی۔ تو گاڑی بان نے بیلوں کو تھاری وغیرہ دی اور ان لوگوں سے کہا :-

گاڑی بان :- "بہتر ہے۔ کہ رات کو یہاں ٹھہر جاویں صبح کو اُٹھ کر چلینگے یہ اٹھنہ میں چور دوں کا ڈر ہے "۔

مصر: "ہاں ہاں۔ یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے"

بہو: "نہیں نہیں۔ یہاں ٹھہر کر کیا کرنا ہے۔ بس چلے چلو۔ راتوں رات گھر پہنچ جاوینگے"

ہر چند گاڑی بان اور مصر نے سمجھایا۔ مگر اس عورت کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور سندری بھی یہی چاہتی تھی کہ کسی طرح جلدی سے کسی ٹھکانے پر پہنچیں۔ اُس نے بھی اس عورت کی ہاں میں ہاں ملائی۔ آخر شام کا کچھ کھانا کھا کر اُن کی بیل گاڑی روانہ ہوئی۔ چاند آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا چاندنی کھل رہی تھی۔ جنگل کا موقع۔ کھلا میدان۔ نیچے صاف ریت۔ روشنی خوب تیز معلوم ہوتی تھی یہ لوگ خوشی خوشی چل رہے تھے۔ اور چاندنی رات کا نظارہ دیکھ کر خوب حظ اُٹھا رہے تھے۔ رات کے دس بجے ہونگے کہ مشرق کی طرف سے ایک ابر اُٹھا۔ اور آناً فاناً میں سارے آسمان پر پھیل گیا۔ بیچارہ گاڑی بان دہشت کے مارے مرا جاتا تھا۔ اور مصر جی کا بھی حلقہ بند ہو رہا تھا۔ اور یہ دو نو لڑکیاں خوف سے آنکھیں بند کئے ہوئے پڑی تھیں۔

کچی سڑک تھی۔ اندھیرے کے سبب سے سڑک کے نام و نشان کچھ دکھائی نہ دیتے تھے۔ گاڑی بان بیلوں کو جلدی جلدی ہانک رہا تھا۔ اور سب امید کر رہے تھے۔ کہ دو ایک گھنٹہ میں گھر پہنچے جاتے ہیں اسی خیال میں عرصہ تین گھنٹہ کا گذر گیا۔ اب تک بٹھنڈے کا میدان نہیں آیا۔ نہ معلوم یہ کیا سبب۔

بہو: "مصر جی۔ مصر جی۔ ابھی بٹھنڈے کا علاقہ نہیں آیا۔ آج کیا ہو گیا۔ میں تو کئی دفعہ آئی گئی ہوں۔ اس قدر دور کا رستہ تو نہیں ہے"

مصر: "بہو جی۔ ابھی تو کوئی نشان معلوم نہیں ہوتا"

بہو: "اس گاڑی بان سے تو پوچھو کہیں رستہ تو نہیں بھول گیا"

گاڑی بان نیند کے جھونکے لے رہا تھا۔ اور بیل اندھا دھند جس طرف چاہتے چلے جاتے تھے۔

مصر: "او چودھری! چودھری! دیکھ رستہ تو نہیں بھول گیا۔ بہو جی کہتی ہیں کہ اب تک گھر نہیں آیا۔ کیا سبب ہے"

گاڑی بان: "مصر جی۔ باٹ ہی باٹ کوئی خالہ جی کا گھر تھوڑا ہی ہے کہ جلدی سے آ جاوے"

مصر: "چودھری۔ چودھری۔ ہوش میں آ کر باتیں کر۔ ذرا آنکھیں تو کھول"

گاڑی بان نے آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو چیخ اُٹھا غضب ہو گیا ہم تو کہیں کے کہیں آ گئے۔ رستہ بھول گئے۔ یہ سنتے مصر تو غش کھا کر گر پڑا۔ اور بہو اور سندری کے ہوش حواس باختہ ہو گئے۔ بارش گو ابھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ابر سیاہ چھا رہا تھا۔ کبھی کبھی بجلی اپنی چمک دمک دکھا کر دلوں کو ہلا دیتی تھی۔ کہ اتنے میں ایسا معلوم ہوا کہ کچھ آدمی گاڑی کی طرف آ رہے ہیں۔

سندری :- بہن بہن دیکھو تو۔ گاڑی کی طرف کون لوگ آرہے ہیں ؟
بہو بیچاری آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اتنے میں بجلی چمکی اور ان لڑکیوں نے اپنی تعاقب کرنے والوں کو کافی طور سے دیکھ لیا۔
بہو :- ہائے میں مر گئی۔ یہ تو کوئی چور ہیں۔ دیکھا بہن سندری۔ یہ بالکل ننگے اور ذرا ذرا سی لنگوٹیاں باندھے ہیں۔ ہائے ہائے کتنی لمبی لمبی لٹھ ہاتھوں میں لئے ہوتے ہیں ؟
سندری :- بہن۔ پرمیشر کو یاد کرو۔ وہی ہمارا رکھوالا ہے ؟
بہو :- مصر جی۔ مصر جی۔ ذرا ہوشیار ہونا۔ پیچھے چور آتے ہیں ؟
چوروں کا نام سنتے ہی گاڑی بان گاڑی و بیلوں کو چھوڑ یہ چیخ مار کر۔ جو بئے پرسے کودپڑا اور اپنی جان بچا کر خدا معلوم کس طرف بھاگ گیا۔
اس کا یہ حال دیکھ کر مصر جی گاڑی سے غش کھا کر گر پڑے اور عورتوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔
اب کیا تھا کہ چوروں کو جو اندیشہ تھا وہ جاتا رہا۔ جھٹ پٹ گاڑی کو گھیر لیا۔ مصر بخت خفتہ کی طرح پڑا سوتا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کے سر پر ایک لٹھ مارا۔ اور مصر جی سسک سسک کر پرلوں کو چل بسے۔
ایک ڈاکو نے جوئے سے بیل کھول لیئے اور جنگل میں ایک طرف کو چلا گیا۔ باقی تین آدمی گاڑی کے پاس آئے اور چھری دکھا کر ان لڑکیوں کو خوب ڈرایا۔ اور جب دیکھا کہ صرف دو کم عمر اور خوبصورت پیاری پیاری لڑکیاں ہیں تو ان کو گاڑی سے نیچے اتار کر لے گئے۔
ایک ڈاکو :- ان کو اس ٹیلے کے پیچھے لے جاؤ ؟
یہاں سے پاؤ میل کے فاصلہ پر ایک ریت کا ٹیلا بڑا اونچا اور بہت گھیر والا تھا۔ دو ڈاکو ان لڑکیوں کو اٹھا کر وہاں لے گئے۔ اور ایک نے جو اسباب وغیرہ ان کے ساتھ گاڑی میں تھا سب سمیٹ لیا۔
ٹیلے کے پیچھے لیجا کر ان ڈاکوؤں نے ان لڑکیوں کی تلاشی لی۔ سندری بیچاری کے پاس دولت حسن کے سوا اور کیا تھا۔ مگر بہو بیچاری اپنے خاوند کے گھر جاتی تھی۔ گوٹے کے کپڑے اور چاندی سونے کے زیور پہنے ہوئے تھی۔
اول بے رحم چوروں نے اس غریب لڑکی کا سارا زیور اتار لیا۔ پھر اسکے سارے کپڑے اتار لئے۔ ہر چند روتی تھی اور کہتی تھی۔ کہ مجھے نہ مارو سب کچھ تم لے لو۔ اور ایک چادر میرے پاس

فقط اپنا بدن ڈھانکنے کے لئے دیدو۔ میں ایک بیچاری عورت ہوں عورت کو مارنا اچھا اور بہادری نہیں ہے"۔

ایک ڈاکو:۔"عورت ہے اسے چھوڑ دو۔ مال تو سب ہاتھ لگ ہی گیا ہے یہ ہمارا کیا کر سکتی ہے اٹھے ہار رو"۔

دوسرا:۔"ابھی تم کو کچھ زیادہ خبر نہیں۔ اس پر رحم کرکے مال تو جاتا رہیگا۔ اور تم بھی پھانسی پاؤ گے اور ہمیں بھی اپنے ساتھ ہی مرواؤ گے۔ قسم ہے ڈاکو پیر کی میں تو اس پر مطلق ذرا رحم نہ کرونگا"۔

یہکر اس نامراد سفاک ڈاکو نے غریب لڑکی کا گلا پکڑ لیا۔ اور دونو ہاتھوں سے ایسا زور کے ساتھ دبایا کہ تھوڑی دیر کرکے اس عاجز لڑکی نے اُسی وقت جان دیدی۔ ڈاکوؤں نے اُسے زمین پر پھینک دیا۔ اُس کا جسم مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ بیرحم ڈاکو نے ایک لٹھ اُس کی کھوپری پر ایسے زور سے مارا کہ بیچاری کی کھوپری دو ٹکڑے ہوگئی۔ اور غریب دُلہن جو اپنے خاوند سے ملنے کی خوشی میں اور آرام میں فرق نہ جان کر بیتابانہ چلی جارہی تھی۔ اور جس کے دل میں شوق نے اپنے پیارے خاوند کی امید سال میں طرح طرح کے خیالات پیدا کر رکھے تھے تڑپ تڑپ کر حسرت و ارمان اپنے دل میں لئے اسی جگہ ٹھنڈی ہوگئی۔

سندری اس خوفناک سین کو خوف کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اور اب اُس کی باری تھی۔ اُس کے پاس تھا ہی کیا۔ جو چھینتے اور کپڑے بھی اسکے پھٹے پرانے تھے۔ اُس کے پاس ایک دولت حسن اور مایہ عصمت تھی جس کی اُس نے بہت ہی حفاظت کی تھی اور اس وقت بھی اُسے زیادہ تر اُسی کا فکر تھا۔ وہ اپنی جان کو بالکل ناچیز سمجھتی تھی اور بڑی دیر سے مرنے پر تیار بیٹھی تھی۔ مگر چاہتی تھی کہ کسی طرح اُسکے شیشہء عصمت کو داغ نہ لگے۔ اُس کے عصمت پر دھبہ لگنے کے بجائے جان کا دیدینا لاکھ درجہ بہتر معلوم ہوتا تھا۔ مگر کسی کا مقولہ ہے "خوبصورتی تباہی کی جڑ ہے"۔ آہا! کیسا عمدہ مقولہ ہے باغ میں تم سیر کو جاؤ۔ گل بوٹوں کو دیکھو۔ تم کسی کو نہ چھیڑو گے۔ مگر جو پھول خوبصورت ہوگا اُسے ضرور توڑلو گے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ سب سے خوبصورت ہے۔

ہزارہا جانور ہواؤں میں اُڑتے پھرتے ہیں مگر پکڑے وہی جاتے ہیں جو کہ خوبصورت ہیں۔ اور جو اپنی خوبصورتی اور خوبی سے دلوں کو لبھاتے ہیں۔

لاہور میں راوی کی۔ اور دہلی میں دریائے جمنا کی صبح صبح سیر کرو۔ اور پھر حسینان نوعمر کا تماشا دیکھو۔ یقین ہے کہ بس حسینوں کو تم ہی چاہو گے کہ اُن کو اپنے سامنے بٹھا کر باغ حسن کی بہار دیکھا کرو۔ کیوں اور بھی تو لوگ ہیں۔ یہی تمہیں کیوں پسند آئے۔ ان کے درپے آزار تم کیوں ہوئے۔ ان کو کیوں زنجیر محبت میں باندھنا چاہتے ہو۔ اس لئے کہ وہ حسین ہیں۔

ناظرین! اگر تم متاعِ حُسن کے خریدار ہو۔ اگر جوہر خوبی کے جوہری ہو۔ تو سچ کہنا کہ جب تم کسی معدنِ حُسن اور مخزنِ خوبی کو دیکھتے ہو۔ تو تمہارا دل کیا کہتا ہے کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اُس سے اپنے دامنِ امید کو بھر لو۔ اگر تم میں یہ لو نہیں تو میں تو یہی کہونگا کہ تم درجۂ انسانیت سے خارج ہو +

خواہ کیسا ہی بڑا امیر ہو خواہ کیسا ہی ذلیل فقیر۔ خواہ کیسا ہی جلیل القدر عالم ہو۔ خواہ کیسا ہی اجڈ جاہل۔ لیکن خوبصورتی پر سب کے سب مر مٹتے ہیں۔ حُسن پر سب جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری عاجز سندری کا حُسن اُس پر کیا آفت برپا کرتا ہے +

ابھی تو اندھیرا تھا مگر چاند بھی ماہ رُخ کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہو رہا ہے۔ بادلوں سے چھپ چھپکر سندری پیاری کو دیکھتا ہے +

دیکھو کبھی ذرا اُجالا ہوتا ہے۔ اس ذرا سے اُجالے میں ڈاکوؤں کی نظر سندری کے حُسن خداداد پر پڑتی ہے۔ اُن کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں +

ایک ڈاکو:۔ "اوہو۔ یہ لڑکی تو غضب کی حسین ہے"۔

دوسرا:۔ "ہاں اسکی خوبصورتی پر نہ مرنا۔ نہیں تو پھر پھانسی موجود ہے"۔

پہلا:۔ "خواہ کچھ ہی ہو۔ اوبے رحم میں اسے تو نہ مارنے دونگا قسم ہے ڈاکو پیر کی ایسی عورت تو میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی بھی نہیں دیکھی"۔

دوسرا:۔ "دیکھو میں تم سے کہتا ہوں کہ اس خوبصورتی کے جال میں پھنسو ورنہ ہم سب مارے جاوینگے"۔

پہلا:۔ "بھائی تم پہاڑ میں جاؤ۔ میں تو اُسے اپنی جورو بناؤنگا۔ اور اسے دیبی بناکر اسکی پوجا کرونگا"۔

دوسرا:۔ "نہیں تیری کیا حقیقت ہے۔ میں ابھی اس کا کام تمام کرتا ہوں"۔

پہلا:۔ "تیری کیا طاقت ہے۔ آ پہلے مجھے مار لے۔ پھر اسے ماریو"۔

چاند اچھی طرح نکل آیا تھا اور چاندنی میں سُندری کا گلزار حُسن خوب بہار دے رہا ہے۔ ڈاکو اُس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بیقرار ہو رہا تھا۔ دوسرا ڈاکو سندری کو مارنے کیلئے آگے بڑھا۔ اور پہلے نے اُسکے ایک لٹھ مارا۔ یہ ڈاکو لٹھ کھاتے ہی ایک طرف بھاگا اور اب ایک ڈاکو اور سندری اکیلے رہ گئے +

ڈاکو سمجھتا تھا کہ اُس نے سندری پر بہت مہربانی کی ہے۔ اور اب سُندری خود ہی اُسکے قدم چومیگی۔ وہ بہت خوشی سے سندری کی طرف بڑھا اور اُس کو بغل میں لینے کیلئے ہاتھ بڑھایا +

مگر پیاری سندری صرف حسین ہی تھی! اللہ تعالےٰ نے اُسے دولتِ عصمت بھی ساتھ عطا کی تھی ڈاکو کی اس حرکت کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ مگر عورت ذات بے بس بیکس کیا کر سکتی تھی

روتی ہوئی اُس جگہ سے بھاگی۔ اور پرے ہٹ کر کہنے لگی :-

سُندری :- "بھگوان کیلئے مجھے ہاتھ نہ لگا۔ میں ایک برہمن کی بیٹی ہوں مجھ پر رام کیلئے رحم کر۔"

ڈاکو :- "برہمن کی بیٹی۔ آہا! پہلے بھی ایک برہمن کی لڑکی سے میری آشنائی رہ چکی ہے۔ میں پجاری نہیں تو تجھ پر مرتا ہوں۔ بس مجھے اب تنگ نہ کر۔"

سندری :- "اے ظالم ڈاکو۔ پرمیشر سے ڈر۔ اور میری عزت کا لاگو نہ بن۔ دیکھ میں تجھے گالی دیتی ہوں۔"

ڈاکو :- "ہائے میری معشوقہ! تو نے میری کچھ قدر نہ کی۔ تو نے ابھی نہیں دیکھا کہ تیرے کارن میں نے کس قدر مصیبت اپنے اوپر لی ہے۔ بس میری جان! اب دیر نہ کر۔ آ گلے سے لگ جا۔ ہم دونو یہاں سے بھاگ چلیں۔ ورنہ دیکھ جو ڈاکو لٹھ کھا کر گیا ہے۔ وہ اور اور ڈاکو آیا ہی چاہتے ہیں۔ مجھ کو اور تجھ کو دونو کو مار ڈالینگے۔ اے جان مجھ پر ترس کھا۔"

سُندری :- "ظالم ڈاکو تو مجھے مار ڈال اور اپنے گروہ میں جا مل مجھے تیرے ساتھ جانے سے مرنا اچھا ہے۔"

ڈاکو :- "بس۔ بس کر۔ آ جان! اب مجھ میں اپنے تئیں روکنے کی زیادہ طاقت نہیں۔ اب میں تجھ کو زبردستی بھی پکڑ لونگا۔ تو جانتی نہیں۔ کہ میں کیسا زبردست جوان ہوں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا تھا کہ میں نے ایک لٹھ میں تیرے ساتھ جو آدمی تھا۔ اُس کا کام تمام کر دیا تھا۔ اور ایک لٹھ میں زبردست ڈاکو کو بھگا دیا۔"

ناظرین! جو حال اس وقت پیاری سندری کا تھا۔ اس کا لکھنا تو ہمارے واسطے بہت ہی مشکل ہے تم عصمت اور عفت کا خیال دل میں رکھو۔ اور پھر دیکھو کہ اگر ایسے موقع پر تم (خدا نخواستہ اگر فتار ہو۔ تو تمہارا کیا حال ہو۔

ہاں جوش عصمت و غیرت نے اُس میں ایک تازہ جان پھونک دی تھی وہ اس وقت بالکل مر جانے پر آمادہ تھی۔ اور مثل مشہور ہے "مرتا کیا نہ کرتا" وہ اس وقت اُس بہادر سپاہی کیطرح جو تفنگ میں توپ و تفنگ کے آگے مرنے پر تیار کھڑا ہو ڈٹی ہوئی تھی۔ جس وقت ڈاکو نے اُسکو زبردستی پکڑ لینے کی دھمکی دی تھی عورت ذات وہ بہت ہی گھبرائی۔ اور کڑک کر جواب دیا :-

سندری :- "او بے ایمان۔ بدبخت۔ بدمعاش ڈاکو۔ خبردار جو تو نے مجھے ہاتھ لگایا۔ اسی وقت آپ بھی مر جاؤنگی۔ اور تجھے بھی مار ڈالونگی۔ دیکھ یہ یونہی جھوٹ موٹ چاقو میرے پاس ہے اس سے تیرا پیٹ پھاڑ ڈالونگی۔"

ڈاکو :- "بس۔ بس۔ اب مجھ میں تاب نہیں۔ اور اب میری موت بھی قریب آ گئی ہے ڈاکو آیا ہی چاہتے ہیں۔ اچھا تو میری موت کا باعث تو ہو گی ہی۔ مگر میں بھی تجھے کورا تو کبھی نہیں چھوڑونگا۔"

یہ کہکر نامراد ڈاکو آگے بڑھا۔ اور غریب سندری اُس دیو کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بھاگی۔

سُندری آگے آگے تھی۔ اور ڈاکو پیچھے پیچھے تھا۔ مگر کہاں ایک حسین نازک گلبدن سیمین لڑکی۔ اور کہاں ایک چالاک زبردست ڈاکو۔ ایک لمحہ میں اُس نے سُندری بیچاری کو پکڑ لیا۔ اور چاہتا تھا کہ اُس کا مُنہ پکڑ کر کوئی بوسہ لے کہ سُندری نے تڑپ کر اپنے تئیں اُس سے چھڑا لیا۔ اور نہایت غصہ سے اُسکے مُنہ پر تھوک دیا۔
اب ڈاکو سمجھا۔ کہ سُندری ملائمت سے قابو نہیں آتی۔ سختی کے ساتھ اُسے بس میں لانا چاہا۔ غریب لڑکی کو زمین پر گرا دیا۔ اُسکے سینہ پر ایک گھٹنا رکھ کر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا:-

ڈاکو:- "اب بول جان نکال دوں۔ اب تو مجھ سے نہیں بھاگیگی۔ بول۔ میری عورت بنے گی"۔

سُندری (نہایت دھیمی آواز سے) "تجھے بھگوان کی مار۔ عورت بنا تُو اپنی ماں کو۔ جلدی میرا دم نکال۔ کہ روز روز کے عذاب سے چھوٹوں"۔

ڈاکو:- "ہاں ابھی تک تیرا نخرہ سیدھا نہیں ہوا"۔

یہ کہکر ڈاکو نے ایک رسی کا پھندا نکالا۔ اور بیچاری بیکس اور غریب سُندری کے گلے میں ڈال دیا۔

درحقیقت ڈاکو کا ارادہ ابھی اسکے مارنے کا نہیں تھا۔ وہ سُندری بیچاری کو موت کا کنارہ دکھا دکھا کر ڈرا رہا تھا۔ مگر سُندری تو عصمت اور عفت کی پوری تھی۔ بہ نسبت عصمت کے جان کا کھویا جانا اُسکے نزدیک زیادہ آسان تھا۔

ڈاکو نے پھندے کو زیادہ تنگ کیا۔ اور کہنے لگا۔

ڈاکو:- "کیوں اب بھی اگر راضی ہو۔ تو چھوڑ سکتا ہوں"۔

سُندری:- "او حرامخور۔ جلدی میرا دم نکال"۔

ڈاکو نے پھندے کو اور بھی تنگ کیا۔ اور وہ کمبخت پتھر جیسا ہی اُس نازک بدن سُندری کو بھی سمجھے ہوئے تھا کہ لوہا ہے یا کاٹ ہے یا مٹی ہے۔ مگر وہ تو شیشہ کے موافق نازک۔ اور موم کی مانند نرم۔ اور جالی کی مثال باریک تھی۔

اب سُندری پیاری کا دم گھٹنے لگا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں میں سنسنیاں چھوٹنے لگیں۔ وہ نہایت مدھم آواز سے جیسے کوئی کنوئیں میں بولتا ہے کچھ کہتی تھی۔ کہ سُننے والوں کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ہاں ڈاکو نے جو کچھ سمجھا۔ وہ یہ تھا:-

..... پیارے ...... کارن ...... نے ...... مصیبت ...... اب
..... تمہارا ...... میں ...... جانی ...... دیدار
..... باقی ہے:-

مُبتلائے عشق

افوہ! ہم کہاں سے کہاں نکل آئے۔ کس کا بیان کر رہے تھے۔ اور کیا بکنے لگے۔ ناظرین! گھبراؤ نہیں۔
اب ہم سندری پیاری کو یہاں چھوڑتے ہیں۔ اور اپنے ہیرو مبتلائے عشق شام کی خبر لیتے ہیں +
آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا ہیرو شام مرزا جبار بیگ کے پاس مدد کو گیا تھا۔ اور انہوں نے حسب وعدہ
اُسکی مدد بہت عمدہ طرح سے کی تھی۔ بلکہ خود بھی موقعہ واردات پر تشریف لے گئے تھے۔ مگر شام کچھ ایسا
غائب ہوا کہ پھر اُس کا پتہ نہیں لگا۔ مرزا صاحب بھی حیران تھے۔ اُنہوں نے مجرموں کو پکڑ بھی لیا تھا۔
طرفہ یہ کہ پاربتی کی لاش کا بھی پتہ نہیں تھا۔ تمام جنگل چھان مارا۔ دریا میں جال ڈلوائے لیکن کہیں بھی
لاش کا پتہ نہ ملا۔ اور جوگی لاش کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کو بھی زمین آسمان کھا گیا۔ مرزا صاحب
خود حیران تھے۔ مجرم گرفتار تھے نہ تو مقدمہ ہی بن سکتا اور نہ اُنہیں خالی ہی چھوڑا جا سکتا تھا۔ چند
تلاش اور بہتیرا جستجو کیا۔ مگر نہ شام کا پتہ لگا۔ اور نہ لاش اور نہ جوگی کا +
رام پرشاد اور تمام دوست شام کو الگ ڈھونڈتے تھک گئے تھے اور آخر تار دیکر اور خط لکھکر
چُپ ہو گئے۔ حیران تھے کہ شام کو کیا ہو گیا۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ ہر وقت شام اُن کی نظروں میں
رہتا تھا۔ اُس کا خوبصورت چہرہ۔ اُسکی شریفانہ وضع اُس کا دوستانہ تعلق اُسکے دوست یاد کر کر کے
روتے تھے۔ اور دعا مانگتے تھے کہ پھر بھی اُس کو خیریت سے دیکھیں +
جس شخص کی محبت میں دوستوں کا یہ حال ہو۔ اُسکی جدائی میں اُس کے والدین کا کیا حال ہوگا
ناظرین! ذرا تم اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو +
شام نرائن ۱۹ برس کا جوان تھا خوبصورتی میں لاثانی نہیں تو کسی سے بُرا بھی نہیں تھا وہ اپنے باپ کا
دوسرا بیٹا تھا۔ اُس کا پہلا بھائی مر چکا تھا۔ اُس کے ماں باپ ابھی جوان تھے باپ کی عمر چالیس اور ماں کی سینتیس
برس کی تھی۔ جب سے کہ شام نرائن پیدا ہوا۔ بعد ازاں اس کی والدہ کے ہاں کوئی اور بال بچہ پیدا ہونا
موقوف ہو گیا تھا۔ بس شام ہی تھا جو اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا +
ایسی حالت میں خیال ہو سکتا ہے کہ شام کی جدائی سے اس کے والدین کو کس قدر رنج ہوگا۔ جوان خوبصورت
لائق ہونہار لڑکا۔ آگے اولاد کی امید منقطع۔ گھر کے اندر دولت بیشمار +
شام کی والدہ نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی۔ ہر وقت روتی رہتی تھی اور شام ہی کا وظیفہ پڑھتی تھی۔

اُس کا والد اپنے عہدہ سے رخصت لیکر چلا آیا تھا۔ اور بہت ہی افسوس کرتا تھا اور اپنی جورو کی یہ حالت دیکھ کر چھپایا جاتا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر شہر دہلی میں اُسے ڈھونڈنے گیا۔ دوستوں کو خط لکھے۔ مگر شام کہیں ہو۔ تو پتہ لگے ٭

شام کا گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ دور دور سے آدمی اُسکی عیادت کو آتے تھے۔ اور شام کی والدہ تو عنقریب مرنے والی ہو گئی تھی۔ ہائے ہائے اولاد کی جدائی کس قدر دشوار چیز ہے۔ اور پھر اولاد بھی شام نرائن جیسی ٭

شام نرائن کا خالو الہ آباد میں ملازم تھا۔ اور اُسکے عیال و اطفال ساتھ ہی رہتے تھے جب اُن کو متواتر خبریں پہنچیں کہ شام نرائن کہیں گم ہو گیا ہے۔ اور اُسکی والدہ اُسکی جدائی میں قریب المرگ ہے تو اُسکی خالہ بیقرار ہو گئی۔ اور مع اپنے خاوند اور بال بچوں کے عیادت کیواسطے دہلی آئی۔ دو بہنیں ملکر اِس قدر روئیں کہ آنسوؤں کے دریا بہ گئے۔ شام کی والدہ پہلے ہی سے کمزور تھی۔ روتی روتی غش کھا کر گر پڑی اور ہچکیاں لینے لگی۔ گھر کے سب لوگ شام نرائن کو بھول گئے۔ اور اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُسی وقت حکیم عبد الحمید خاں اور سول سرجن بلائے گئے ٭

سول سرجن نے فرمایا کہ نقاہت بہت ہے کچھ فکر نہ کرو۔ ابھی مرنے کا وقت نہیں ہے ٭

حکیم صاحب نے کچھ دل کو تسکین دینے والی دوائیاں لکھ کر دیں۔ فوراً نسخہ تیار کروایا گیا۔ اب پوچھے کون۔ اُس غریب کے تو دانت بھچے ہوئے تھے سیاقس پاؤ پاؤ گھنٹہ تک نہیں آتا۔ بہتیری تدبیریں کر رہے تھے۔ کچھ بن نہ پڑتا تھا۔ سب زندگی سے مایوس ہو گئے تھے کہ اتنے میں ڈاک والے نے دروازے پر آواز دی۔ "لالہ جی خط لیجاؤ"

رام نرائن کے پاس اکثر خطوط دوستوں کے شام نرائن کی بابت آیا کرتے تھے۔ اور اِن سے سوائے اسکے کہ اسکو جواب لکھنے کی تکلیف ہو اور کیا فائدہ تھا۔ نوکر نے لاکر ڈاک دی۔ اور اُس نے معمولی طور سے دیکھ کر رکھ دی۔ کیونکہ جب سب خط دوستوں کی طرف سے تھے شام نرائن کے خالو نے کہا کہ بھائی صاحب اِن خطوں کو پڑھو تو شائد کسی میں کچھ شام کی خبر ملے ٭

باپ: "بھائی صاحب یہی پوچھا ہوگا۔ کہ شام کا پتہ لگا یا نہیں پوچھنے والے سب ہیں۔ بتانے والا کوئی نہیں"

خالو: "تو بھی خط کو پڑھ تو لینا چاہیئے"

اس کے کہنے سے رام نرائن نے خط کھولے۔ سب میں وہی مضمون تھا جس کا اسکو خیال تھا۔ ایک خط

باقی رہ گیا۔ اُس نے جلکر اُس خط کو پرے پھینک دیا +

خالو :۔ "بھائی صاحب اس خط کو بھی تو پڑھو"

باپ :۔ "اجی چولھے میں ڈالو۔ میرا تو اب دل ٹھکانے نہیں"

خالو :۔ "مجھ کو اجازت ہے۔ مَیں پڑھ لوں"

باپ :۔ "شوق سے"

شام نرائن کے خالو نے خط کھولا۔ اور پڑھنے لگا۔ اندر کمرہ میں سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ اور شام کا خالہ زاد بھائی روتا روتا اپنے باپ کے پاس دوڑا دوڑا آیا کہ ..... (خالہ) کا دم نکل رہا ہے۔ رام نرائن اُس طرف دوڑ کر چلا گیا۔ دیکھا تو بیوی بیجان پڑی ہے۔ بیہوشی سے اُس کا ہاتھ پیر ٹل گیا تھا۔ عورتوں نے جانا کہ دم نکلنے لگا۔ باہر آیا تو شام کے خالو نے پہلی حال پوچھا۔ اور پھر کہا :۔ "مبارک ہو شام مل گیا"

یہ سُنتے ہی رام نرائن نے بیتاب ہو کر خط لے لیا۔ اور پڑھتے پڑھتے غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں کو بڑا فکر ہُوا۔ اسی وقت بہت عمدہ خس کا عطر سونگھایا گیا منہ پر پانی کے چھینٹے دئے۔ کیوڑا اور بید مشک گھولکر اُس کے حلق میں چوایا۔ پانی کا اندر جانا تھا کہ رام نرائن کو ہوش آیا۔ وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور اپنے نوکر کو کہا کہ اندر خبر پہنچا دو شام نرائن ملگیا۔ آناً فاناً میں یہ خبر اندر پہنچ گئی شام کی والدہ بالکل بیہوش پڑی تھی۔ سب نے اُس کی خالہ کو مبارکبادیں دینی شروع کیں +

یہ آوازیں جونہی شام کی والدہ کے کانوں میں پہنچیں تو وہ فی الفور ایکدفعہ چونک کر اُٹھ بیٹھی اور کہنے لگی :۔

والدہ :۔ "کہاں ہے میرا شام پیارا"

یہ دیکھ کر لوگوں نے اُسے مبارکبادیں دینی شروع کیں مگر وہ پھر غش میں جا پڑی اور بیہوش ہو گئی۔ اُس وقت اسکی حالت پہلے سے کچھ بہتر تھی حکیم صاحب جو دوائی دیگئے تھے وہ اُس کے منہ میں روئی سے اسکی بہن نے چوائی۔ اور رفتہ رفتہ دو گھنٹے میں اُسے ہوش آیا۔ رام نرائن کو جب خبر ہوئی۔ اندر گیا۔ اور اپنی جورو کی نبض دیکھی۔ اور کہا۔ کہ آج میرے پاس امرتسر سے ایک خط آیا ہے۔ جو ایک دوست نے بھیجا ہے یہ دوست ہمارے دہلی کے رہنے والے ہیں۔ اور امرتسر میں صاحب ڈپٹی کمشنر کے سررشتہ دار ہیں +

بیوی (دھیمی آواز سے) :۔ "اے ہے اُس میں لکھا کیا ہے؟"

خاوند :۔ "لو مَیں تم کو خط پڑھ کر سُناتا ہوں"

خط پڑھنا شروع کیا۔

مشفق و مہربان جناب لالہ صاحب جی زاد لطفہٗ!

تسلیم نیاز کے بعد عرض ہے کہ کل دربار صاحب میں میرا جانے کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص جوگیہ کیسے کپڑے پہنے نوجوان خوبصورت پھر رہا ہے۔ اور نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور نہ کچھ کہتا ہے۔ مگر جو عورت کہ دربار میں جاتی ہے اُسکی طرف خوب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے اور خراب سا منہ بنا کر ہٹ جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو تلاش کرتا ہے اور جب اُس کے مطلب کا آدمی نہیں ملتا۔ تو ناراض ہو کر منہ بنا بنا لیتا ہے +

میں بہت دیر تک اس شخص کو غور سے دیکھتا رہا کیونکہ مجھے کچھ شبہ سا معلوم ہوا۔ آخر میں اُس کے پاس گیا۔ اور اُس سے اُس کا نام نشان پوچھا۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور میں نے اُسے اپنے ساتھ لانا چاہا مگر نہیں آیا +

مجھے کامل یقین ہے کہ یہ نوجوان جوگی شام نرائن ہے۔ اب میں نے اپنا نوکر اُسکی نگرانی میں چھوڑ دیا ہے مگر بذریعہ تار جلدی مجھ کو اطلاع دیجئے کہ شام نرائن گھر ہے یا نہیں۔ مجھے بہت تشویش ہے +

آپ کا نیازمند

مشتاق احمد دہلوی

سررشتہ دار عدالت۔ ضلع امرتسر

بیوی :- ہائے ہے لالہ جی جلدی سے تار دو جلدی۔ بس بس وہ میرا شام ہے۔ ضرور میرا شام"

خاوند :- ہاں تار تو میں ابھی بھیجتا ہوں کہ اُسکی سخت نگرانی رکھیں۔ اُسے لینے میں خود جاؤں یا کسی نوکر کو بھیجوں"

بیوی :- اے ہے لالہ جی تم کیسے بیرحم ہو۔ اس کام کو نوکروں پر بالکل نہ چھوڑو۔ تم خود جاؤ"

خاوند :- بہو جی میرا تو یہی جی چاہتا ہے۔ کہ پر لگا کر اُڑ جاؤں مگر تمہاری بیماری کے سبب تم کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا"

بیوی :- لالہ جی خاطر جمع رکھو میں نہیں مرتی بھگوان کے لئے میرے شام کی خبر مجھے جلدی لا دو"

خاوند :- بہو جی شام کی جدائی کا تو سخت رنج تھا مگر تمہاری بیماری کا تو بہت ہی افسوس ہے۔ لو میں ابھی تار بھیجدیتا ہوں۔ اور آج شام کو لاہور روانہ ہو جاتا ہوں پیاری پرمیشر تمہارا رکھوالا ہے"

بیوی :- ہاں تم مجھے بھگوان کی مرضی پر چھوڑ جاؤ۔ مگر رام کیلئے میرے شام کو جلدی سے مجھے ملا دو"

رام نرائن نے کمرہ میں ادھر اُدھر دیکھا اُس کے اندر آنے کی خبر پاتے ہی لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ کمرہ میں کوئی مخل صحبت نہ تھا اُس نے نہایت محبت سے اپنی بیوی کو گلے سے لگایا۔ اور بڑی الفت اور شوق کے ساتھ اُسکے خوبصورت رُوز رد رُخساروں کو چوما۔ اور کہا:-

خاوند۔ "بیوی جی بھگوان تمہیں تندرستی دے پیاری بہت رنج نہ کرنا ایشور نے چاہا تو کل تار کے ذریعہ سے تم سب کو حال لکھ بھیجوں گا۔ اور پرسوں نہیں تو ترسوں ضرور وہاں آ پہنچونگا۔ لو جانی پرمیشر تمہارا نگہبان ہے۔ بس اب بہت خفا نہ کرنا"

بیوی۔ "پرانا جی تم میری طرف سے تو بالکل بے فکر رہو اور یقین رکھو کہ میں بھی ہرگز نہیں مرتی"

خاوند۔ بھگوان نہ کرے پیاری تم یہ کیا کہتی ہو۔ اچھا اچھا۔ بس بس اب ایسی باتیں کرو میرا جی گھبراتا ہے بھابھی صاحب اور تمہاری بہن یہاں تمہارے پاس ہیں اور آج شام کو میں ہوکو روانہ ہو جاتا ہوں کہو اور کچھ وہاں کی چیز منگوانا تو نہیں +

بیوی۔ "نہیں کچھ نہیں۔ بس میرا شام لادو۔ بس لا اجی ہی۔ بس لا ایسی ہی مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے"

اپنی بیوی سے رخصت ہو کر رام نرائن اپنے ہمزلف کے پاس گیا اور اپنے سفر کی بابت اُس سے ذکر کیا اُس نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور دونوں نے مشورہ کر کے اُس مضمون کا تار دیا:-

"دوہ قیقر شام نرائن سے سخت نگرانی رکھو۔ آج شام کو میں بھی امرتسر ضرور روانہ ہونگا"

رام نرائن بہت ہوشیار آدمی تھا۔ نہایت چست و چالاک اور دانشمند تھا۔ اگرچہ اُسکی عمر چندان زیادہ نہ تھی۔ مگر پھر بھی اُس کا تجربہ بڑھا ہوا تھا اُسکی اپنی بیوی کی صلاح بہت پسند آئی۔ اُس نے بہت جلد سفر کی تیاری کی اور حسب ضرورت سامان سفر لیکر شام کو اسٹیشن پہنچا اُس کا ہمزلف اور چند رشتہ دار اُسے ریل پر پہنچانے آئے۔ اور گاڑی روانہ ہونے تک اُسے تاکید کرتے رہے کہ وہاں پہنچکر بعد دریافت کل حالات فوراً تار بھیجنا۔ اور وہ بھی چلتے چلتے یہ کہتا رہا کہ شام نرائن کی والدہ کا بہت خیال رکھنا +

گاڑی چلنے والی ہی تھی کہ اُس کا بھتیجا جے نرائن جو شام کا بہت گاڑھا دوست تھا دوڑتے ہوئے گاڑی میں آن بیٹھا اور کہنے لگا:-

جے نرائن۔ "چچا جان میں بھی چلتا ہوں افسوس آپ نے مجھے اطلاع تک بھی نہیں کی"

غرض یہ دونو چچا بھتیجا امرتسر کی طرف روانہ ہوئے اس ہول تا دلی میں رام نرائن کو اپنے بھتیجے جے نرائن کا خیال نہیں آیا۔ مگر اب اسکو جے نرائن کا ساتھ ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا جے نرائن عمر میں بیس

سال کا نوجوان تھا۔ خوبصورت وضعدار۔ پڑھا لکھا چست و چالاک۔ ادب قاعدے و تحفہ قانون سے
خبردار۔ ملنسار اور دوستوں کا دوست۔ بزرگوں کا خادم۔ وہ دہلی سے انٹرنس پاس کر کے دو سال
تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پاتا رہا تھا۔ پنجاب کے ہر ایک حصہ میں اُسکے دوست موجود تھے اور
امرتسر تو اس کے دوستوں سے بھرا پڑا تھا +

پس خیال ہو سکتا ہے کہ ایسے آدمی کا ساتھ ہونا کس قدر مفید ہے۔ دوسرے اس کو شام نرائن سے بہت
محبت تھی علاوہ چچازاد بھائی اور ہم عمر ہونے کے دس بارہ سال سے ایک ہی ساتھ تعلیم پاتے تھے +

ریل گاڑی رات کے ۹ بجے دہلی سے روانہ ہوئی اور دوسرے دن ایک بجے امرتسر پہنچ گئی۔ یہ دن
اتوار کا روز تھا۔ مولوی مشتاق احمد صاحب سٹیشن پر موجود تھے۔ وہ ان دونو مہمانوں کو اپنے گھر لیگئے۔
اور رواج کے موافق اُن کی خاطر تواضع حد سے زیادہ کرنے لگے +

رام نرائن:۔ "مولوی صاحب برائے خدا اس قدر تکلیف نہ کرو۔ بس آپکا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ شام کا
پتہ بتا دیں"

مولوی صاحب:۔ "منشی صاحب خاطر جمع رکھئے شام اب کہیں نہیں جا سکتا۔ میرا آدمی رات دن
اُسکے ساتھ رہتا ہے۔ کھانا تیار ہے۔ پہلے کھانا کھا لیجئے"

رام نرائن:۔ "کھانا تو سب جگہ آپ کا ہی کھاتا ہوں۔ ہمنے ریل میں کھا لیا تھا۔ برائے خدا شام کا جلدی پتہ دو"

مولوی صاحب:۔ "منشی صاحب۔ اس قدر بیقرار نہ ہوجئے شام اب آتا ہے"

مولوی مشتاق احمد صاحب چونکہ سب سامان درست کر کے ریل پر گئے تھے۔ اس واسطے رسوئی فوراً
تیار تھی۔ اس عرصہ میں رام نرائن نے اپنے گھر کی سب مصیبت مولوی صاحب کو سُنائی۔ ان کو سُنکر بہت
افسوس ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ ایک دن اتفاق سے ہی میں نے شام نرائن کو دیکھا۔ اور دیکھا
بھی کئی سال کے بعد۔ مجھے تو شک ہی سا تھا۔ کہ شاید کوئی جوگی ہو۔ مگر اُس سے باتیں کرنے سے میرا شک
یقین سے بدل گیا۔ آپ اطمینان سے کھانا کھا لیجئے۔ میں نے آدمی بھیج رکھا ہے وہ شام کو لیکر
اب آیا ہی ہوگا +

دونو مہمان کھانے میں مشغول ہوئے۔ مگر ان کو تو شام کی بھوک تھی طعام سے ان کی بھوک نہیں جا
سکتی تھی۔ اُن کو اپنے لخت جگر اور نور بصر کی زیارت منظور تھی۔ مولوی صاحب کی خاطر سے کچھ تھوڑا
بہت کھا کر جلدی فارغ ہو گئے۔ اتنے میں ایک نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ وہ جوگی دربار صاحب میں
تالاب کے کنارے بیٹھا ہے۔ نور اُس کے ساتھ ہے۔ ہم دونوں نے ہر چند بلانا چاہا مگر وہ نہیں آتا +

سب نے ملکر یہی تجویز کی۔ کہ چلو ہم خود ہی اُس کے پاس چلیں۔ سارا شہر پھرا پر کہیں شام کا پتہ نہیں لگا۔
بابا اٹل اور سارے سر تالاب دیکھ بھالے۔ سارے شہر میں چھان مارا۔ مگر شام کہیں غائب ہو گیا اور مولوی صاحب
کا نوکر جو اُس کے ساتھ وہ بھی نہ ملا۔ یہ ہم راہی بہت پریشان ہوئے۔ مگر مولوی صاحب نے کہا کہ مت گھبراؤ
وہ کل صبح کو مل جاویگا۔ میرا نوکر سایہ کی طرح اُسکے ساتھ رہتا ہے۔ یہ لوگ رات کے دس بجے تھک تھکا کر
ٹھنڈے سانس بھرتے ہوئے اپنے مکان پر واپس آ گئے ۔

حسینوں کا جمگھٹ اور رسیلا جوگی

ہم اپنے ناظرین کو امرتسر کے دربار صاحب کا نظارہ دکھاتے ہیں پنجاب کے رہنے والے اور خاصکر امرتسر کے
نزدیک شہروں کے لوگ خوب جانتے ہیں۔ کہ دربار صاحب کیا چیز ہے۔ وہ اُس کی رونق اور اُسکی کیفیت
کو بخوبی جانتے ہیں اغلباً جبکہ وہ ہمارا یہ باب ملاحظہ فرماینگے۔ تو اُن کے دلوں میں شوق کی ولولے
اُٹھینگے اشتیاق کے شعلے بھڑکینگے۔ مگر اُن لوگوں کے واسطے جو ہندوستان کے دور دراز مقامات
میں رہتے ہیں اور دربار صاحب کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اُنکو اس نظارہ کا دکھانا بہت مشکل ہے۔
یہ نظارہ قابل شنید نہیں ہے بلکہ قابل دید ہے۔ ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ نقشہ نہیں بلکہ خاکہ ہے ۔
دربار صاحب سکھوں کا ایک معبد ہے جو امرتسر کے عین درمیان واقع ہے ایک بہت عالیشان حوض ہے
جس کی چاروں طرف اونچے اونچے بنگلہ (مکانات) بنے ہوئے ہیں۔ حوض کے بیچوں بیچ ایک عظیم الشان مکان
بنا ہوا ہے جو اندر باہر سے سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ حوض کے گرد سنگ مرمر کا
حاشیہ ہے جہاں عموماً ہندو اور خصوصاً سکھوں کی نہانے کیواسطے چبوترے بنے ہیں کیونکہ اُن کے اعتقاد
کے موافق اس تالاب میں نہانے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس مندر کے اندر سکھوں کی مقدس کتاب
گرنتھ صاحب رکھی ہے ہمیشہ چند آدمی بھجن (توحید) گاتے رہتے ہیں۔ ہر وقت کڑاہ پرشاد
(حلوا) تقسیم ہوتا ہے۔ صبح کے ۴ بجے سے شام کے آٹھ بجے تک لوگ اُس کی زیارت کو آتے
ہیں چڑھاوے چڑھتے ہیں نذرانے دیے جاتے ہیں اول تو امرتسر ایک مشہور شہر ہے تجارت کی
منڈی اور پنجاب کی ناف۔ اور پھر سکھوں کا مقدس مقام۔ مقام بھی ایسا کہ اپنی وضع میں بے نظیر ۔
بہت سے لوگ تو اسکی خوشنمائی پر فدا ہو کر اُس کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور خاص امرتسر کا تو یہ حال ہے
کہ وہاں کی ہندو عورتیں جب تک علی الصباح دربار صاحب کی زیارت نہ کر لیں۔ پانی نہیں

لیتیں پنجاب کا حسن ہندوستان میں مشہور ہے۔ اگر تم اس حسن کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو صبح منہ اندھیرے منہ دربار صاحب کی سیر کرو +

صبح کے چار بجے سے حسینوں کے جھگمٹ آنے شروع ہوتے ہیں اور دربار صاحب کے تالاب میں غوطہ لگا کر اپنے روح اور جسم کو پاک کرتے ہیں +

توحیدی مناجاتوں کو سنکر۔ اور مندر کا تبرک لیکر فکر عافیت سے نچنت ہو جاتے ہیں +

برسات کا موسم ہے رات کو کسی قدر بارش ہو چکی ہے۔ موسم خوشگوار ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے امرتسر کے دربار صاحب میں حسن کا گلزار کھلا ہوا ہے۔ شہر کے محلہ محلہ سے ماہرویان سیمتن و معشوقان گلبدن اشنان کے واسطے چلی آتی ہیں آپس میں ہنستی ہیں بولتی ہیں چہل پہل کرتی ہیں عاشقوں کے دل چھینتی ہیں متاع حسن کے خریداروں کے سر پر لوٹتی ہیں جن لوگوں کو خدا نے انسانی دل بخشے ہیں اپنی معبود کی یاد میں صبح اٹھتے ہیں عبادت کرتے ہیں اور اسکی خدائی کے کرشمے دیکھنے دربار صاحب میں تشریف لاتے ہیں۔ اور بتان دلفریب کو دیکھ کر صانع حقیقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں +

ان لوگوں میں مبتلائے بلائے عشق اور نہایت ہی خوش وضع و خوبصورت ایک نوجوان جوگی ہے جو اپنے حسن سے ان حسینوں کو حسد دلا کر پرے بٹھاتا ہے۔ اٹھتی جوانی ہے جسم مضبوط اور سڈول ہے۔ آنکھوں میں محبت عشق جوش مار رہی ہے چہرہ بڑا ہی دلفریب ہے۔ اگر میں یہ کہدوں کہ گنھیا جی اپنی گوپیوں میں پھر رہے ہیں تو بیجا نہیں۔ اور زیادہ تعریف و بیان کی ضرورت نہیں رہتی اور قسم خدا کی یہ تعریف ہمارے نوجوان جوگی کے واسطے بالکل ٹھیک اور درست ہے +

ہمارا نوجوان جوگی تالاب کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اس کا رخ بھی الٹا ہے جدھر سے اور لوگ آتے ہیں اور خصوصاً عورتیں وہ اس طرف جاتا ہے۔ ہر ایک حسین کو توجہ سے دیکھتا ہے۔ اور ہو۔ اصل حسن کی بہار تو وہی لیتا ہے کیسی مزے سے معشوقان خوبشکل کے چہروں کو گھورتا ہے تعجب ہے کہ عورتیں بھی اس جوان جوگی پر اس قدر فریفتہ ہیں جیسے شمع پر پروانے اگر وہ کسی سے نہیں بولتا تو خود اس کو آن کر چھیڑتی ہیں +

اللہ اللہ!! جوگی کیا ہے۔ کوئی فرشتہ ہے۔ باوجودیکہ اس کو بھڑکانے والی۔ اسکی نفسانی خواہشوں کو اکسانے والی اس قدر دلبر موجود ہیں۔ مگر وہ اپنا مقدس چلن نہیں چھوڑتا ہے۔ بیشک وہ حسینوں کو غور سے دیکھتا ہے کسی کی طرف سے تو جلدی منہ بنا کر ہٹ جاتا ہے ایک وہ معشوقہ کھسیانی ہو جاتی ہیں اور دوسری سہیلیاں اسپر قہقہہ لیتی ہیں بعضوں کی طرف وہ نہایت

توجہ سے دیکھتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے:- "کیا پیاری پاربتی تمہیں ہو"
اسپر ساتھ والیاں اسے چھیڑتی ہیں! اور وہ خود بھی آنکھیں شرم سے جھکا لیتی ہے یا اگر عیارہ ہے
تو جوگی رسیلے کو چٹکیوں میں اُڑاتی ہے! اور سہیلیوں کو ہنساتی اور پھڑکاتی ہے یہ رسیلا جوگی ان حجابات
پری وش میں گوپی چند بنا ہوا ہے +

یہ جوگی کون ہے؟
یہ ہمارا بہادر شام ہے جو کہ اپنی پیاری معشوقہ کی تلاش میں سرگردان پھرتا ہے اور جس نے اُسکی فراق
میں زندگی کا لطف اور حیات کا مزہ چھوڑ دیا ہے آہا سچا عشق بھی کیا چیز ہے +
یہ رسیلا جوگی حیستان عابد فریب کو پرکھ رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کی کوئی پھڑلی! اور اس
زور سے پکڑا کہ اُس کا دم بند ہو گیا +
جوگی "آہا! پاربتی پیاری تم آگئیں! دھو۔ بھگوان کی قسم تم تو غضب کی طاقتور ہو گئی ہو"
آواز "بھائی شام نرائن ہوش کرو میں ہوں جے نرائن"
جوگی "جے نرائن۔ جے نرائن۔ کون جے نرائن! مجھے تو پاربتی درکار ہے؟"
جے نرائن "بھائی صاحب ہوش میں آؤ۔ ہوش میں۔ وہ چچا جان بھی تم کو تلاش کرتے کرتے
آگئے ہیں"
جوگی "تم کون ہو! اور کیا بتاتے ہو کون چچا جان کیا پیاری پاربتی؟"
جے نرائن "ہیں ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ذرا ہوش کرو تمہارے باپ تم کو تلاش کرتے کرتے
آرہے ہیں یعنی تمہارے لالہ منشی رام نرائن تحصیلدار"
جوگی "میرا باپ! میرا باپ!! اوہو میں نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ بس بس مجھے نہ ستاؤ"
جے نرائن "لو۔ وہ آگئے"
رام نرائن "جے نرائن۔ جے نرائن!! کیا یہ شام ہی ہے؟"
جے نرائن "جی ہاں شام بھائی ہے"
رام نرائن "بیٹا شام نرائن۔ بتاؤ تو سہی تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی جو تم نے جوگ اختیار
کیا میاں سے منہ موڑا ہم سے رشتہ توڑا کیا ہم نے تم کو اسی دن کے واسطے پرورش کیا تھا کہ ہم کو صدمہ
پہنچاؤ۔ ہائے تمہاری ماں نے تم کو اسی واسطے جنا تھا۔ کہ جب تم جوان ہو جاؤ۔ تو اسکے جان لیوا ہو۔
شام نرائن ذرا غور تو کرو۔ تم کو کس بات کی تکلیف ہے کھانے کی پینے سے دیکھو تو میں نے تم کو پڑھایا لکھایا

پچاس پیہ پیار تمہارے جسم پر کو بیتا رہا۔ باپ کا رشتہ جانے دو کہ آج کل کی اولاد اُسے کچھ حق نہیں سمجھتی تو آیا اس احسان کا یہ صلہ ہے کہ آج کئی روز سے تمہاری تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ کلیجہ پر پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ اُدھر تمہاری والدہ تمہارے فراق میں جاں بلب ہے۔ کیا عجب کہ گور ہوگی۔ یا مرجائیگی "

یہ کہکر رام نرائن رونے لگا۔ اور جوگی بھی ایسا ڈاڑھیں مار کر رویا کہ پاس کھڑے رہنے والوں کے دل ہل گئے۔ دور دور سے مرد اس تماشے کو دیکھنے آتے تھے اور نرم دل تو بھی پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ حسینان تو پشکن جا بھی جوگی سے تھیں رہی تھیں اس سین کو دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئیں۔

شام نرائن بہت شریف اور مہذب لڑکا تھا۔ باپ کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اُسکی شکایت کو سن کر رو پڑا اور جب روتے روتے تھک گیا۔ تو سر جھکا چپکا سا کھڑا ہو گیا۔ ہر چند رام نرائن نے اُسکو دل کی کیفیت معلوم کرنی چاہی۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔

آخر مولوی مشتاق احمد صاحب اُسی اپنے مکان پر لے گئے۔ منشی رام نرائن جی جو کچھ کپڑے لیکر آئے تھے وہ اُسے پہنائے مہذب شکل بنائی اور بہت سی دلجوئی کی باتیں اُس سے کیں۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ مولوی صاحب نے اُس کے کھانے کے واسطے بہت منت سماجت کی اور بہ مشکل اُس نے تھوڑا سا شکستہ دلی سے کھایا۔ اور پھر فرش پر ایک طرف لیٹا۔ اور سو گیا۔

رام نرائن " بیٹا جے نرائن۔ اس کا کچھ احوال نہیں معلوم ہوتا "

جے نرائن " چچا جان۔ ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ مگر سمجھتا ہوں کہ کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہے "

رام نرائن " عشق میں عورت کے عشق میں کچھ تعجب بھی نہیں کیونکہ جوانی دیوانی ہوتی ہے "

جے نرائن " ہاں چچا جان آپ گھر تار بھیجیں اور میں اس کا پتہ لونگا۔ شام بھائی آپ سے شرماتا ہے یقین ہے مجھ سے ظاہر کر دیگا "

رام نرائن تار دینے کے واسطے تار گھر چلا گیا۔ اور جے نرائن شام کے پاس آیا اور چپکے سے کہا لو میاں پروانے اُٹھو تمہاری شمع پاربتی آگئی ہے یہ سنتے ہی شام اچھل کر اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا:-

شام " بڑا احسان کیا۔ میری پاربتی کا کہاں سے پتہ لگا۔ کہاں ہے۔ کدھر ہے "

جے نرائن " ہیں ہیں۔ بس ہے۔ گھبراؤ نہیں یقین کر لو۔ کہ ہے یہاں مردانے میں تو نہیں آنے کی زنانے میں ہے "

شام " نہ چھیڑو ہمیں اُلٹے ستائے ہوئے ہیں
جدائی کی صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں "

جے نرائن " بھائی شام وہ کون ہے جسکی جدائی میں تمہارا یہ حال ہے۔ کوئی جوگن ہے یا کوئی پری ہے۔

یا کوئی آسمانی پیدائش ہے ہمیں تو بتاؤ"
شام :- "میرا معشوق قابل دید ہے۔ نہ قابل شنید"
جے نرائن :- "معشوقانِ پنجاب تم کو کچھ پسند آتے ہونگے لمبی لمبی چوٹیاں۔ موٹے موٹے پیٹ نہ کوئی ادا۔ نہ کوئی ناز۔ نہ کوئی نخرہ۔ بس زرد زرد رنگ دیکھ لو۔ ہم کو تو ایک آن ایک ادا بھی اُنکی پسند نہیں آتی"
شام نرائن :- "پانچوں اُنگلیاں یکساں نہیں نہ پنجاب کے سب معشوق بدوضع ہوتے ہیں۔ اور نہ ہند کے سب محبوب وضع دار"
جے نرائن :- "ہاں یہ سچ ہے۔ مگر خبر نہیں تم اس قدر کیوں دلدادہ ہو۔ میں تو پنجاب کے کسی اچھے سے اچھے معشوق کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اُس پر اپنی زندگی برباد کیجائے"
شام نرائن :- "لیلےٰ را بچشم مجنوں باید دید"
جے نرائن :- "بس بھائی صاحب بس کرو۔ ایسے عشق کو چھوڑو۔ چلو دہلی چلو۔ تمہاری ماں بہت خراب حالت میں ہے"
شام :- "منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو ناصح آگ لگے اس تیرے سمجھانے کو"
جے نرائن :- "جی بس دیکھ لیا۔ تمہارا عشق وہ اچھا ہے کہ تمام گھر کو حیران کر رہے ہو۔ واہ۔ تم نے خاندان کو بھی خوب لاج لگائی"
شام :- "میرے پیشر کے لئے مجھ ننگ خاندان کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ بیشک میں اپنے خاندان میں رہنے کو لائق نہیں ہوں۔ بس بس مجھے دستاؤ"
یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں رام نرائن آ گیا۔ شام فوراً چُپ ہو گیا۔ اور جے نرائن اٹھ کر اپنے چچا کے پاس آیا۔ اور چپکے سے کہا۔ کہ پورا پورا حال تو نہیں معلوم ہوا۔ مگر ہاں شام کسی عورت پر عاشق ہو گیا ہے کہ جس کا نام پاربتی ہے۔ گو اس وقت وہ اس کے عشق میں بہت محو ہے۔ مگر امید ہے کہ گھر جا کر چند روز میں سب کچھ بھول جائیگا"
رام نرائن :- "بس تو آج شام کو گھر جلد بھیجنا چاہئے"
جے نرائن :- "جی ہاں ضرور جس قدر جلد ہو اچھا ہو"
رام نرائن :- "ہاں تمہاری چچی کی بیماری کا بھی تو خیال ہے"
جے نرائن :- "ہاں بھائی جلدی لیجانا شام کے حق میں اچھا ہے۔ وہاں پہنچکر ضرور اس کا خیال ہٹ جاویگا"

رام نرائن :- مولوی صاحب فرما گئے تھے کہ چار بجے دفتر سے آوینگے۔ پھر اُن ہی اجازت لے لیں۔ اُن بیچاروں نے ہم پر بڑی مہربانی کی ہے۔ ریل تو سات بجے جاتی ہے۔ تم بھی ساتھ ہی چلو گے؟"

جے نرائن :- جی ہاں ریل تو دہلی کی طرف سات بجے جاتی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ دو ایک روز کے واسطے لاہور ہو آؤں۔ یہاں تک تو آگیا ہوں۔ اب تو ایک سبب نکل آیا ہے۔ پھر کب کب آنا ہوتا ہے۔ شام بھائی تو مل ہی گیا ہے۔"

رام نرائن :- اچھا بھئی ہو آؤ۔ اگر مجید اس وغیرہ ملیں تو اُن کو کہدینا کہ میں اُن کا بہت ہی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ اور شام مل گیا ہے۔"

چار بجے کے بعد مولوی مشتاق احمد صاحب دفتر سے آئے۔ اور دیکھ کر حیران ہوئے کہ اُن کے مہمانوں نے سفر کی تیاری کر لی ہے۔ اُنہوں نے ہرچند روکنا چاہا۔ مگر رام نرائن نے بمنت اُن سے اجازت لے لی +

شام کو مولوی صاحب اُن کو ریل پر رخصت کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ رام نرائن شام نرائن اور اُن کا نوکر تو دہلی کو روانہ ہوئے اور جے نرائن لاہور کی طرف۔ رام نرائن نے مولوی صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور روانہ ہوتے وقت مولوی صاحب نے کہا کہ دہلی پہنچکر خیریت کا خط ضرور لکھیئگا۔ اور رام نرائن نے وعدہ کیا۔ کہ انشاءاللہ بسر و چشم +

ریل روانہ ہوئی۔ رام نرائن اور شام نرائن نے سیکنڈ کلاس میں اپنی اپنی سیٹ سنبھال لی۔ شام لیٹ گیا۔ اور اپنے خیالات میں ایسا غرق ہوا۔ کہ تھوڑی دیر میں مردوں سے باتیں کرنے لگا۔ رام نرائن کو بھی ہرچند نیند آئی۔ مگر وہ شام کی حفاظت کے سبب نہ سو سکا +

برسات کا موسم تھا۔ بارہ بجے کے قریب بارش ہونے لگی۔ اور ایک بجے کے قریب جب راجپورے سے گاڑی روانہ ہوئی۔ تو رام نرائن گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ کھڑکی میں سے جھانک کر جنگل کے نظارہ کو دیکھنے لگا۔ وہ حیران ہوا جب اُس نے دیکھا کہ اُسکے سامنے سفید ریت کا میدان معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ہرچند خیال کیا۔ مگر اس کو یہ بات عجیب ہی معلوم ہوئی۔ انجن برابر چلا جا رہا تھا۔ رام نرائن نے دیکھا کہ انجن اس سفید ریتہ کے اندر گھس گیا۔ وہ ذرا سنبھلنے نہ پایا تھا کہ اس کو نہایت زور سے ایک پانی کا دھکا لگا۔ اور وہ اُس کے لخت جگر پانی کے اندر گر پڑے۔ انجن سر ہو گیا۔ گاڑیاں اُلٹ گئیں۔ لوگ پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرنے لگے۔ ذرا سی دیر میں کچھ کا کچھ ہو گیا۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

طغیانئ دریا

جس سال کا ہم ذکر لکھ رہے ہیں اُس سال تمام ہندوستان میں اس قدر بارش ہوئی کہ دریا سمندر اور نالے دریا بنگئے بیسیوں ندیوں کے پل ٹوٹ گئے سینکڑوں گاؤں برباد ہوگئے۔ ہزاروں جانوں اور لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا +

انبالہ سے کچھ فاصلہ پر راجپورہ کے نزدیک ایک ندی ہے جسے گھگر کہتے ہیں۔ یہ برساتی ندی پہاڑ سے آتی ہے۔ اور پٹیالہ کے نزدیک سے گذرتی ہوئی جنگل کو سیراب کرتی ہے اور وہیں خشک ہوجاتی ہے +

اس سال دفعۃً گھگر میں اس قدر طغیانی آئی کہ دور تک پانی ہی پانی ہوگیا۔ ریل کی سڑک بہ گئی کمزور درخت جڑ سے اُکھڑ گئے۔ بہت سے نزدیک کے گاؤں صاف بہ گئے۔ کسانوں کے کارآمد اور قیمتی مویشی اور اُن کے پیارے بچے اور وہ خود بےرحم اور غضبناک پانی میں بہ گئے۔ پٹیالہ قریباً آدھا بہ گیا +

یہ وہ دن تھا جس روز رام نرائن اور شلم نرائن امرتسر سے چلے تھے۔ شام نرائن سویا ہوا تھا مگر رام نرائن جاگ رہا تھا جس وقت گاڑی راجپورہ سے روانہ ہوئی۔ رام نرائن نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا کہ اس کو سامنے ایک سفید ریت کا میدان معلوم ہوا۔ مگر وہ درحقیقت ریت کا میدان نہ تھا بلکہ دریائے گھگر کی طغیانی تھی۔ جو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے اونچے درخت چوٹیوں تک اُس میں ڈوبے ہوئے تھے ریل کی سڑک بالکل اُس میں چھپی ہوئی تھی دریا کی رو بڑی زور سے بہ رہی تھی۔ رام نرائن بہت متعجب تھا اور اُس کی حیرانی اور بھی زیادہ ہوتی تھی جب وہ خیال کرتا تھا۔ کہ نہ تو ڈرائیور اس کی پرواہ کرتا ہے نہ گارڈ۔ وہ اسی خیال میں تھا کہ انجن پانی کے اندر گھس گیا۔ اور تھوڑی ہی دور گیا تھا۔ کہ پانی کا ایک زور سے ریلا آیا۔ گاڑیاں اُلٹ گئیں۔ مال۔ اسباب۔ چھوٹے بڑے سب پانی میں جا پڑے بچوں اور عورتوں کے دردناک نالے سنائی دئیے مردوں کی ہولناک چیخیں نکلیں۔ مگر وہاں کیا ایک دم میں سب آدمی پانی کے اندر غوطے کھانے لگے۔ رام نرائن بھی اسی طغیانی کے بھینٹ ہوگئے +

ہم بیان کر چکے ہیں کہ شام نرائن جب امرتسر سے چلا تھا۔ وہ اپنے خیالات میں ایسا غرق ہوا تھا

کہ فوراً سو گیا تھا۔ اور اُس کا باپ اُسکی نگرانی کر رہا تھا۔ جس وقت کہ اہل گاڑی طغیانی دریا کی نذر ہوئے
ہمارا بہادر شام سویا ہوا پڑا تھا۔ اُس کو ایک وحشتناک خواب دکھائی دے رہا تھا۔ کہ راوی کے کنارے
جنگل میں کھڑا ہے۔ کچھ لوگ ایک لاش کو لائے اور لکڑیاں سُلگا کر مردہ کو پھونکنے لگے ہیں کہ اتنے
میں مردہ جاگ اُٹھا ہے۔ اور نہایت عاجزی سے کہتا ہے کہ مَیں تو زندہ ہوں مجھے نہ پھونکو اور
آواز پاربتی کی سی معلوم ہوتی ہے۔ شام جلدی سے بھاگ کر چتا کے پاس گیا۔ اور جب اُس نے
دیکھا کہ واقعی وہ لاش پاربتی ہی کی ہے۔ اور پاربتی ہی چیخ رہی ہے۔ کہ مجھے نہ جلاؤ۔ تو وہ
حیران ہو گیا۔ اور بے اختیار آگے بڑھا۔ پاربتی نے شام کو پہچانا۔ اور کہا شامی جی پرمیشر کے
لئے جلدی پہنچو۔ ورنہ مَیں چلی +

شام یہ کلمہ سُنتے ہی پروانہ کی طرح بیتاب آگ کی طرف جھپٹا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب کہ
اُس نے پانی کے اندر غوطہ کھایا۔ اور جب اوپر اُبھرا۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ نہ تو وہ جنگل اور چتا
اور نہ پاربتی ہی ہے۔ اور وہ خود ایک مخمصہ میں پھنسا ہے اور پانی اُسے بہائے لئے جاتا ہے +

شام نراین ڈاکٹری جوان تھا وہ تیرنا بھی خوب جانتا تھا۔ اطمینان سے تیرنے لگا۔ بہاؤ کی
طرف جانے میں اُسے اور بھی آسانی معلوم ہوا۔ وہ بے اختیار بہاؤ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ کہ کوئی چیز
کالی کالی اُس کے پاس تیرتی معلوم ہوئی۔ شام نے اُس پر ہاتھ مارا۔ معلوم ہوا کہ وہ یکّہ گاڑی کی گدیلا ہے
شام نے پکڑ کر اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اُس کو اپنے پیٹ کے نیچے داب کر اپنے تئیں دریا کے
رحم پر چھوڑ دیا۔ اس وقت اندھیرا ہو رہا تھا۔ اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی شام نراین آنکھیں بند
کئے دریا کے بہاؤ کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اُس کو خبر نہیں تھی۔ کہ اُس کا انجام کیا ہوگا
گو اُس کو اپنے دل میں اطمینان تھا۔ کہ مَیں ڈوبتا نہیں۔ سہارا بہت مضبوط تھا وہ سمجھتا تھا
کہ اگر اس وقت میں جد وجہد کرونگا۔ تو اس غضبناک دریا کا مقابلہ نہ ہو سکیگا۔ ورنہ میں
ضرور ڈوب جاؤنگا +

اُس کو یہ خبر نہیں کہ کون دریا ہے۔ وہ سمجھتا تھا۔ خبر نہیں بیاس ہے یا ستلج یا جمنا ہے
اس واسطے وہ نہنگ وغیرہ سے اکثر ڈرتا تھا۔ مگر پھر کہدیتا تھا۔ اچھا جب پاربتی پیاری
نہیں تو مجھے زندہ رہکر کیا کرنا ہے +

شام بہتا رہا۔ دن نکل آیا۔ دنیا کا چہرہ روشن ہو گیا شام نے آنکھیں کھولدیں۔ دریا نے
غارتگری کے آثار ہر طرف نظر آنے لگے۔ مردہ جانور اور آدمی اور انکے اسباب پانی میں

بہے جا رہے۔ اُن کو دیکھ دیکھ کر شام نرائن سوچتا تھا کہ دیکھئے کہ میرا انجام کیا ہو۔ جب سے صبح ہوئی تھی کچھ قدرتاً اور کچھ شام کی تدبیر سے اُس کا گدیلا کنارہ کی طرف ہٹ رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے کا وقت ہوگا کہ گدیلا کچھ شمت سا ہوگیا۔

شام نرائن دل میں ڈرا۔ کہ کہیں پانی سے بھیگ کر گدیلا ڈوب نہ جائے۔ مگر پھر کچھ سوچنے لگا اور گدیلا کو ہاتھ سے مضبوط پکڑ کر ٹانگوں سے کچھ ٹٹولنے لگا۔ اور وہ کس قدر خوش ہوا۔ جب اُس کو معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک گز پانی میں کھڑا ہے۔

اُس نے کنارہ کی طرف دیکھا۔ وہاں سے کنارہ بہت دور تھا۔ بیچ میں پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں کہا:۔

شام "ممکن ہے کہ کنارہ تک پانی تھوڑا تھوڑا ہو۔ اور ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی ٹیلہ ہو۔ مگر اس طرف پانی کا زور نہیں معلوم ہوتا۔ ہم تو جانیں پانی تھوڑا ہی ہوگا۔ اچھا میں اپنی قسمت آزماؤنگا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ کہ ڈوب جاؤنگا۔ ڈوبا ہوا تو ہوں ہی"

یہ کہکر اُس نے اپنے گدیلے کو تھپکی دی اور کہا:۔

شام "پیارے گدیلے! تم نے مجھ کو یہاں تک پہنچایا ہے اب تم ہی مجھے کسی کنارہ پر لگاؤ گے۔ بس اب اِس طوفان خیز دریا میں مجھ غریب اور بے بس شام کا تمہارے سوا اور کوئی مددگار نہیں ہے"

ہمارا بہادر شام کنارے کی طرف جانے لگا۔ خوش قسمتی سے پانی تھوڑا ہی تھوڑا تھا۔ وہ گدیلا کو دھکیلتا چلا اور ایک دو گھنٹہ کی کوشش میں کنارے جا پہنچا۔ اُس نے اپنی چاروں طرف دیکھا مگر سوائے ریت اور کیکر اور آک کے درختوں کے اُسے اور کچھ نظر نہ آیا۔

دھوپ خوب چل چلا کر پڑ رہی تھی۔ اور شام کو بھوک بھی خوب کڑاکے سے لگ رہی تھی وہ حیران تھا کہ کیا کرے۔ آک اور کیکر کے پتے انسان کی کوئی خوراک نہیں۔ گو وہ ڈاکٹری میں پڑھ چکا تھا کہ انسان صرف گوشت خور ہی نہیں ہے۔ بلکہ سبزی کھانے والا بھی ہے۔ اس کوشش میں شام اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ کہ چند جنگلی بیتھروں کی طرف اس کی نظر پڑی وہ بہت خوش ہوا۔ جیسا کہ نعمت کا خوان آسمان سے اُسکی واسطے اُتر آیا۔ بڑے شوق سے اُس طرف گیا اور جنگلی بیتھروں سے اپنی آتشِ گرسنگی کو بجھایا۔ پھر وہ ایک کیکر کے درخت کی طرف گیا۔ کپڑوں کو اُتار کر بچھایا اور سایہ کے تلے لیٹ رہا۔ چونکہ وہ بہت ہی تھکا ماندہ تھا جھٹ دوسرے جہان کی سیر کرنے لگا عالم رویا میں ہی خواب اُسے نظر آیا کہ پاربتی پیاری کو اُس نے آگ سے بچایا ہے۔ اور اول دونو کمال محبت سے آپس

میں ملے ہیں۔ پھر خوب روئے ہیں اور اپنی مصیبت کی جدا جدا ایک دوسرے کو داستان سُنا رہے ہیں کہ پاربتی اپنا حال سُناتی سُناتی غش کھا گئی ہے اور شام اُسے سونگھانے کے لئے ایک مٹی کا ڈلا لینے دوڑا ہے کہ اُس کی آنکھ کھُل گئی +

یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ ضرور خدا کا مجھ سے کوئی کام لینا ہے کہ میں اس پانی کی مصیبت سے زندہ رہا یہ خواب سچے خواب معلوم ہوتے ہیں مگر خبر نہیں پاربتی کس جگہ کس مصیبت میں رہائی دو ہائے غریب جانی۔ پاربتی!

یہ کہکر اُس نے اپنے کپڑے پہنے اور جنگل میں جس طرف منہ اُٹھا اُس طرف روانہ ہوا شام ہو گئی چلتے چلتے تھک گیا۔ مگر انسان کا پتہ نہیں سنسان جنگل نہ آدم نہ آدم زاد۔ جنگلی جانوروں کا خوف نہ تلوار پاس نہ بندوق۔ اول شام تو وہ چلتا رہا۔ مگر جب گیدڑوں اور لومڑیوں کے بولنے کی آواز یں آنے لگیں اور سانپوں کے پھنکارے سنائی دینے لگے اور کہیں کہیں بھیڑیئے کا شُبہ ہوا تو وہ ایک کیکر کے درخت پر چڑھ گیا اور ایک تنہ کو مضبوط پکڑ کر خدا کی یاد اور پاربتی کے دھیان میں بیٹھ رہا +

بھلا ایسے شخص کو نیند کس طرح آسکتی ہے وہ ساری رات اونگھتا رہا خدا خدا کر کے صبح ہوئی ایک گڑھے میں کچھ پانی بھرا ہوا تھا وہاں سے ہاتھ منہ دھویا اور اپنے ناک کی سیدھ میں ایک طرف چلدیا اور جب چلتے چلتے حیران ہو گیا۔ تو بولا:۔

شام:۔ یا الٰہی! بس اس جنگل میں یونہی بھٹک کر مر جاؤنگا۔ یا کہیں پہنچونگا بھی دیکھئے۔ میرا انجام کیا ہوگا۔ میری لاش کو چیل۔ کوّے کھائینگے۔ یا گیدڑ بھیڑیئے کا طعمہ بنونگا۔ یا پرمیشر! اب تو ہی میرا حامی ہے“

دن کے گیارہ بجنے والے تھے اور اس پر بھوک اور پیاس کا غلبہ شدت سے ہو رہا تھا۔ مگر وہ اپنی ان تھک رفتار سے برابر چلا جا رہا تھا اور دل میں طرح طرح کے خیالات پکا رہا تھا کہ سامنے اُسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ اس وقت شام نرائن پر شادی مرگ کی حالت طاری ہونے ہی والی تھی کہ اُس نے اپنے تئیں سنبھالا اور اس شخص کو زور سے آواز دی +

شام نرائن کی حالت اس وقت عجیب بنی ہوئی تھی۔ کرتہ۔ پاجامہ۔ انگرکھا پہنے ہوئے تھا۔ پاؤں میں بہت عمدہ پاپوش تھا۔ مگر سر سے بالکل ننگا تھا۔ کیونکہ اُس کی ٹوپی پانی میں کہیں بہ گئی تھی اُس آدمی نے اُسکی طرف دیکھا اور کچھ خوف زدہ ہو کر آگے آگے بھاگنے لگا +

شام :۔ او بھئی میاں جانے والے۔ بھگوان کے لئے بات سن لے"۔
جانیوالا (بھاگتا ہوا) جانتا ہوں۔ جانتا ہوں۔ تو چھلیڈا ہے چھلیڈا میں تیرے دم میں آونگا"
شام :۔ ارے بھئی! ادھر تو دیکھ۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان ہوں"
جانیوالا :۔ ہاں تیری طرف دیکھوں۔ کہ تو مجھے ابھی کھا جاوے۔ جا۔ جا کسی اور کو یہ چھل دے"
شام :۔ او لالہ۔ میاں ذرا تو ٹھہر! اگر تو مسلمان ہے تو تجھے اپنے خدا کی قسم! اور اگر ہندو ہے تو تمہیں اپنے بھگوان کی قسم"۔
جانیوالا :۔ اگر اپنا بھلا چاہتا ہے۔ تو بھاگ جا۔ ورنہ ایسا منتر مارونگا۔ کہ تو ابھی بھسم ہو جاویگا"
شام (دل میں) یا الٰہی اس کمبخت گنوار کو کیا ہو گیا ہے مجھے چھلاوا سمجھتا ہے یا بھوت جانتا ہے۔ اب کیا کروں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے چلا چلوں"۔
آگے آگے یہ جانیوالا گنوار جا رہا تھا۔ اور پیچھے پیچھے شام۔ شام کے پیچھے پیچھے آنے کی آواز سنکر بیچارے گنوار کا دم نکلنے لگا۔ اور آخر کار وہ سیدھا بھاگا۔ اور شام بھی اُس کے پیچھے بھاگنے لگا اب تو گنوار کو کامل یقین ہو گیا کہ یہ بھوت ہے جو اُسے کھانے کے واسطے پکڑنا چاہتا ہے وہ بھاگتا جاتا تھا۔ اور چیختا جاتا تھا۔ کہ "ارے اس بھوت نے مجھے کھا لیا کوئی بچائیو۔ بچائیو"۔
شام نرائن بیچارہ بھوکا اور تھکا ہوا تھا۔ گنوار کی اس ہیبت کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اور اس قدر ہنسا کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ آخر اُس نے ذرا دم لیا۔ اور گنوار نظروں سے غائب ہو گیا تھوڑی دیر دم لیکر شام آگے بڑھا اور اس گنوار کے نقش پا پر جانے لگا۔ قریب جا پہنچے شام کے کیا دیکھتا ہے کہ چند جاٹ ہاتھوں میں لٹھ لئے چلے آ رہے ہیں۔ اور شام کو دیکھ کر
ایک جاٹ بھیا رے یہ ہے رے۔ یہی وہ بلا ہے جو میرے پیچھے دوڑی تھی"۔
دوسرا :۔ ارے یہ تو انسان ہے۔ بے وقوف ناحق تم نے ہم کو حیران کیا"۔
شام :۔ بھائیو میں مصیبت زدہ انسان ہوں۔ ذرا ٹھہرو۔ میری بات تو سن لو۔ بھگوان کے لئے رام کے لئے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تو تمہاری مدد کا محتاج ہوں"۔

ہیں!!! یہ کس کی آواز ہے

شام نے ان گنواروں کی بہت ہی خوشامد کی۔ گو اب تک اکثر نوجوان جاٹ اس کو بھوت ہی

کھینچتے تھے۔ مگر ایک بوڑھا آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

بڈھا :۔ "ارے تو کون ہے رے! اور یہاں کہاں سے آیا ہے؟"

شام :۔ "ارے بھئی میں آدمی ہوں آدمی مصیبت کا مارا ہوں۔ کمبخت دریا مجھ کو یہاں لایا ہے"

بڈھا :۔ "دریا تم کو یہاں لایا ہے۔ کونسی دریا؟"

شام :۔ "یہ دریا جو یہاں سے اس طرف بہتا ہے"

بڈھا :۔ "گھگا رے گھگا رے یہ تو برساتی ندی ہے۔ یہ تمہیں کس طرح لائی؟"

شام :۔ "نہ صرف مجھ کو اُس نے تو ساری ریل تباہ کر دی سینکڑوں گاؤں بہا دیئے۔ ہزاروں مویشی لاکھوں کا مال بہتا چلا آ رہا ہے"

بڈھا :۔ "ارے سچ کہتا ہے رے؟"

شام :۔ "ہاں ہاں بابا۔ بالکل سچ کہتا ہوں۔ میں بھی تو ریل ہی میں سے اُلٹ گیا ہوں۔ اور میرا مال اسباب کچھ خبر نہیں کہ کہاں گیا"

گنواروں نے کچھ صلاح کی۔ اور چند نوجوان دریا کی طرف راتوں رات چلے گئے۔ اغلباً وہ مال جمع کرنے کی فکر میں گئے ہونگے یا لوگوں کو اس مصیبت سے بچانے کے واسطے۔ یہ نیت اُن کی خدا جانے۔

بڈھا جاٹ شام کو لیکر اپنے گاؤں میں گیا۔ مکئی کی سوکھی روٹی شکر اور مکھن اور لسّی شام کو کھانے پینے کو دئیے۔ اوہو کس حلاوت سے شام نے کھانا کھایا ہے۔ ہم نے تو اب تک ہونٹ چاٹتے دیکھا ہے۔ واللہ ایسا مزہ تو اُسے کبھی زردے میں آیا ہوگا نہ پلاؤ میں۔ نہ متنجن نہ بریانی میں۔

مہماں نواز بڈھے نے شام کو سونے کے واسطے ایک چارپائی دی اور اپنی حیثیت کے موافق ایک میلا سا اوڑھنا بچھونا بھی دیا۔ آہا! وہ شام کے واسطے اُس وقت راجہ اندر کی سیج سے بھی اچھا تھا اور غریب شام! بہادر شام!!

رات کے دو بجنے والے تھے اور شام تھکا ماندہ دل اور تن دونوں سے زخمی بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ کہ جاٹ کے گھر میں سے رونے پیٹنے کی آواز آنے لگی۔

شام اس شور کی آواز سے فوراً اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ یا الٰہی۔ یہ کیا مصیبت ہے۔ یہ لوگ کیوں روتے ہیں کہیں بھوت سمجھ کر مجھے نہ مار ڈالیں۔ خیر تو ہے اُن کا کوئی آدمی مر تو نہیں گیا۔

شام کو خوف تھا کہ اگر کوئی مر گیا۔ تو گنوار کہینگے اس بھوت نے مار دیا۔ اور پھر میرا اچھا نہ حال معلوم ہوتا ہے۔ آخر اُس نے بڑا سخت دل ہو کر بڈھے جاٹ کو بلایا اور سبب پوچھا۔

معلوم ہوا کہ اس بڈھے جاٹ نے ایک جوان عورت سے شادی کی ہوئی ہے۔ اور اس سے ایک ڈیڑھ برس کا بچہ پیدا ہوا ہوا ہے جس سے اس بڈھے کو بہت محبت ہے وہ بچہ شام سے بیمار ہو گیا ہے اور اس وقت اُس نے اپنے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے کرتے ہیں اور آنکھیں پھیر لی ہیں۔ اس واسطے اُس لڑکے کی ماں اور بڈھے کی پہلی بیوی سے بیٹیاں رو رہی ہیں۔ اور سب یہی کہتی ہیں کہ شام (بھوت) کا اثر ہے +

شام:۔ "اُس بچہ کو مجھے تو دکھاؤ؟"

بڈھا:۔ "اچھا آؤ۔ تم بھی دیکھ لو"

عورت:۔ "نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں میں اپنے بچے کو بھوت کے منہ میں نہ دونگی"

بڈھا:۔ "ارے کیوں بکے ہے کُتی۔ یہ بدوان ہیں دیکھ لینے دے"

عورت:۔ "ہائے یہ بھوت میرے بچے کو کھا جاویگا۔ ہائے میرا بچہ!!"

غرض بڈھا شام کو بچہ کے پاس لے گیا شام تو بڑا عمدہ ڈاکٹر تھا تعلیم تو اُس کی قریب الاختتام تھی۔ اور دو سال سے ہسپتال میں ڈیوٹی کرنے سے اُس کا تجربہ بھی بڑھ گیا تھا۔ ایسے کیس (بیمار) اُس نے بہت سے دیکھے ہوئے تھے۔ اور اُس کے علاج اُسے کئی یاد تھے۔ مگر اُس گاؤں میں کیا رکھا تھا آخر اُس نے کہا:۔

شام:۔ "چودھری۔ اسے کوئی بڑا بھوت چمٹا ہوا ہے۔ تو جلدی سے پانی گرم کر۔ میں ابھی اس بھوت کو جلائے دیتا ہوں"

وہاں دیر ہی کیا تھی جھٹ ایک برتن میں پانی گرم کرکے شام کے پاس لے آئے۔ شام نے ایک تسلا منگایا۔ اور اُس میں پانی ڈالا اور پانی کو معتدل کرکے بچہ کو جھٹ اُس میں بٹھا دیا +

گنوار لوگ شام کی اس کارروائی کو بڑی حیرانی اور تعجب کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اور بچہ کی ماں تو شام کو بہت ہی بری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے خیال میں تو شاید شام ہی بھوت تھا وہ اپنے لخت جگر کو گرم پانی میں بیٹھا دیکھنے سے بہت ناراض ہو رہی تھی اور شام کو علانیہ گالیاں دے رہی تھی۔ مگر دیکھو جب یہ حال تھا شام نہایت استقلال سے بہ تن بچہ کے معالجہ میں مصروف تھا۔ پانچ منٹ میں بچہ نے آنکھیں کھول دیں۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کر دئے۔ اور بڑی محبت کی آواز سے اپنی ماں کو پکارا +

اُس وقت فی الفور تمام گھر کے آدمی شام نرائن کو بڑی محبت۔ عزت اور ادب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے خود بچہ کی ماں۔ جو ابھی ابھی بکمال غیظ و غضب گالیاں سنا رہی تھی شام کی طرف احسانمندی کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اور بڈھا جاٹ تو اُس کی بہت ہی خوشامد کرنے لگا +

اوہو! اس وقت تو شام ان لوگوں میں ایک شیو جی بنا ہوا تھا۔ بچہ تھوڑی دیر میں بالکل ہوشیار ہو گیا۔ اور صبح کو حسب معمول خوب کھیلنے کودنے لگا۔ بڈھا جاٹ اُسے شام کے پاس لایا۔ اور چونکہ وہ بہت پیارا پیارا بچہ تھا شام کو اُس پر محبت آئی۔ اور اُس نے بچہ کو بہت پیار کیا۔ بس پھر کیا تھا شام تو دوسرے ہی دن سارے گاؤں میں مشہور ہو گیا۔ بیسیوں عورتیں اُس سے تعویز لینے آتیں۔ بیسیوں بچے اُس سے دم کراتے۔ کوئی کچھ علاج پوچھتا۔ کوئی کچھ غرضکہ سب گاؤں کے آدمی اُس سے محبت کرنے لگے۔ دو چار دن تو شام کو بالکل پتہ نہ لگا کہ یہ کونسا گاؤں ہے اور کس شہر کا علاقہ ہے۔ مگر جب وہ اُن لوگوں میں رل مل گیا تو اُسے معلوم ہوا کہ یہی گاؤں پٹیالہ کے علاقہ کا ہے۔ جسے ناصد گڑھ کہتے ہیں ✣

شام کو اُس گاؤں میں آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اب یہاں سے رہائی پاؤں۔ اتنے میں گاؤں کا ایک جاٹ اپنے لڑکے کی کسی دوسرے گاؤں سے شادی کر کے لایا۔ اور اُس نے جہاں اپنی برادری کے لوگوں کو بلایا شام کو بھی اُن کے ساتھ رات کو ضیافت میں شریک کیا ✣

کھانا وغیرہ کھا کر جاٹ ناچنے گانے لگے۔ اور دولہا دولہن کو گرمی کے سبب سے اپنے مکان کی چھت پر سلا دیا۔ آدھی رات تک تو یہ جاٹ خوب اچھلتے کودتے رہے۔ اور پھر تھک کر اور مست ہو کر وہیں زمین پر لڑھک رہے ✣

شام بھی ایک چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ اور اپنی گذشتہ حال اور آیندہ حالت پر غور کر رہا تھا۔ اور سوچتے سوچتے اُس کی فوراً ہی آنکھ لگی تھی کہ اُس کو پھر پاربتی خواب میں دکھائی دی کہ اس کی چاروں طرف آگ جل رہی ہے اور کپڑوں میں لگنی شروع ہو گئی ہے۔ اور وہ بڑی التجا سے شام کو اپنی مدد کے واسطے بلا رہی ہے ✣

شام عالم خواب میں پاربتی کی مدد کو آگے بڑھنے والا ہی تھا۔ کہ چور چور کی آواز سے یکبخت جاگ پڑا۔ جاٹ سارے سوئے ہوئے پڑے تھے۔ چھت پر سے ایک عورت کی نازک سی آواز آ رہی تھی۔ "چودھری چودھری"۔

شام سمجھا کہ نوجوان جاٹنی اپنے خاوند کو شراب عیش چکھانے کے واسطے یہ ناز و انداز کر رہی ہے چپکا ہو گیا۔ اوہو۔ تھوڑی ہی دیر میں عورت کی آواز بند ہو گئی۔ اور مرد بڑے زور سے چیخنے لگا "اوئے چور لوٹ لے گیا۔ لوٹ لے گیا۔"

شام نے پاس کے چند آدمیوں کو اٹھایا اور اس بات کو تحقیق کروایا۔ تو معلوم ہوا کہ جس وقت دولھا دولہن چھت پر چڑھ کر سوتے تھے۔ کوئی چور ان کی گھات میں لگا ہوا تھا جب وہ تھک تھکا کر بیہوش پڑ گئے۔ تو چور نے عورت کے ہاتھ پاؤں۔ بازو گلے کا سب زیور اتارا اور ناک کی نتھ اتارنے لگا تھا۔ کہ عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور برابر ایک گھنٹہ بھر تک اس سے کشتی لڑتی رہی۔ اور چور چور کرتی رہی مگر اسکے بیوقوف امر بے خبر خاوند کو ذرا بھی ہوش نہ آئی۔ آخر عورت نے چور کو اپنے خاوند پر دھکا دیا۔ اور اس سبب سے وہ جھٹ پٹ اٹھ بیٹھا مگر بجائے اس کے کہ وہ چور کو پکڑتا۔ حیران اور پریشان ہو کر دیکھنے لگا۔ خاوند کو اٹھا ہوا دیکھ کر عورت کو کچھ شرم سی آئی اور اس نے ڈھیلا ہو کر چور کو چھوڑ دیا۔ چور چھوٹتے ہی فی الفور پچھواڑے کی طرف چھلانگ مار گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا +

بہادر دولھا کو جس وقت ہوش آیا اور دیکھا کہ پیاری سرا پا عیش خون میں بہتر ہے اور مدد کیلیے چیختی رہی۔ مگر اس نے نہ سنا اور اس وقت بھی چور کو بچ جانے دیا۔ آتش غضب سے کانپ اٹھا اور ایک موٹا لٹھ سی لیکر چور چور کہتا ہوا خود بھی پچھواڑے سے چور کے پیچھے چلدیا +

شام اگرچہ گو جاٹ نہیں تھا مگر دلاوری اور بہادری میں وہ جاٹوں سے بھی بہت بڑھا ہوا تھا اس بہادر نوجوان جاٹ کی اس ہمت کو دیکھ کر اسے بڑا جوش آیا اور ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر خود بھی اس کے پیچھے اسکی مدد کو گیا اور کہا شاباش۔ جوان چلا چل۔ میں تیری مدد کو موجود ہوں +

چاندنی رات تھی اور چور برابر چلا جاتا معلوم ہوتا تھا۔ مگر جیسے یہ تیز دوڑ رہے تھے۔ وہ بھی دوڑ رہا تھا۔ پہلے تو برابر معلوم ہوتا تھا۔ مگر جب ایک بڑے سیاہ بادل کے ٹکڑے نے چاند کو ڈھانپ لیا۔ تو چور نظروں سے غائب ہو گیا +

نوجوان جاٹ اور بہادر شام چور کو ادھر ادھر تلاش کر رہے تھے کہ گاؤں کے اور آدمی انکی مدد کو آن پہنچے۔ ان کو سامنے ایک اونچا سا ٹیلا معلوم ہوا۔ سب ملکر اس طرف گئے۔ اس وقت چاند خوب کھل کر نکلا ہوا تھا چاندنی خوب کیفیت دے رہی تھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ چور یہاں ملا تو ہاں ضرور اسی جگہ ہی گڑھا ہوا ملیگا۔ چاندنی نکل آئی ہے آؤ چلیں دیکھیں +

سب ملکر ٹیلے کی طرف گئے اور ادھر ادھر زمین کے نشان دیکھ رہے تھے کہ شام نے ایک آواز سنی +

"شامی پیارے جانی تمہارے کارن میں نے کس قدر مصیبت اٹھائی۔ اب بھگوان تمہارا رکھوالا ہے

پیارے میں جان سے جاتی ہوں۔ بس پیارے تمہارے درشن کا اشتیاق فقط باقی ہے"۔
شام:۔"ہیں!!! یہ کیا آواز ہے۔ کس پری کے منہ سے نکلی ہے۔ اوہو کیسی دھیمی ہے۔ اے بھگوان میں یہ خواب دیکھ رہا ہوں یا ع

"میں جاگتا ہوں کہ سو رہا ہوں خیال میں ہوں یا کہ خواب میں ہوں"

آواز بہت مدھم ہو گئی۔ اور اب کراہنے کی سی آواز آنے لگی۔ اوہو! یہ کیا آواز ہے۔ جس نے بجلی کا سا اثر شام کے دل پر کیا۔ وہ اُس آواز کے پیچھے بھاگا۔ معلوم ہؤا کہ سنڈ مسٹنڈ آدمی کسی چیز کو جو اُس نیلیتن کے آگے نرغالہ معلوم ہوتی ہے دابے بیٹھا ہے۔ شام نرائن نے کہا:-
شام:۔"اوہو۔ میں تو خوب موقع پر آیا۔ پچھلا رخ ہے۔ اب چھوڑونگا"۔
شام نرائن ایک دم میں آگے بڑھا۔ اور جست کر کے اس نیلیتن کو پکڑ لیا جس طرح کہ مکھی کو مکڑی پکڑ لیتی ہے +

یہ شخص جو اپنے شکار کو دابے ہوئے پڑا تھا۔ خود شکار ہو گیا۔ اور حیران ہو گیا۔ کہ کس نے اُس کو پکڑ لیا۔ چاہتا تھا کہ کھڑا ہو کر اپنے تئیں چھڑائے۔ مگر شام نے سر سے بلند کر کے اُسے ایک ایسا پٹخنا دیا۔ اور ایک پہلوانی داؤ سے ایسا گانٹھا کہ وہ سِسک بھی نہ سکا۔ پیچھے سے دو منٹ میں شام کے حمایتی بھی آن پہنچے۔ اور چور کو خوب مضبوط باندھ لیا +

اب شام نرائن اپنے شکار کی طرف مشغول ہؤا۔ اوہو! وہ کس قدر خوش اور کیسا حیران ہؤا جب اُس کو معلوم ہؤا۔ کہ شکار اُسکی اپنی ..... اپنی معشوقہ جان نواز اور محبوبہ دلبند ہے۔ قریب تھا کہ شام نرائن پر حالتِ شادی مرگ طاری ہو۔ مگر اُس نے بڑے استقلال سے اپنے تئیں سنبھالا کیونکہ پاربتی پیاری کی آواز کڑا رہی تھی۔ اُسکی آنکھیں پھرنے لگی تھیں۔ اُس کا گلا گھٹ رہا تھا +

شام کی نظر پاربتی کے گلے میں جو پھانسی کا پھندا پڑا ہؤا تھا اُس پر پڑی۔ اُس نے بہت جلدی سے اُس پھندے کو کھولا۔ اور بیتاب ہو کر کہا:-
پاربتی:۔"ہائے ذرا سا پانی لاؤ۔ ورنہ میری جان چلی"۔
جو جاٹ کہ شام نرائن کے ساتھ تھے اُن میں سے ایک دوڑا گیا۔ اور ایک گڑھے میں سے تھوڑا سا برساتی پانی لایا۔ شام نے گلے اور ہاتھ پاؤں کو آہستہ آہستہ ملا۔ اور نبض ہاتھ میں لیکر دیکھا۔ معلوم ہؤا کہ خون کا دورہ جو رک گیا تھا۔ وہ پھر آہستہ آہستہ بدن میں جاری ہو گیا ہے۔ شام نے منہ کھولکر تھوڑا سا پانی ڈالدیا۔ پاربتی نے آنکھیں کھولدیں۔ اور کہا:-

پاربتی:۔ "او ظالم کیوں دیر لگائی ہے۔ جلدی دم نکال۔"

اوہو! عاشق صادق کب تک برداشت کرے۔ شیام اس دردناک آواز سے چیخ مار کر بیہوش ہوکر گر پڑا۔ جو جاٹ کہ پانی لینے گیا تھا۔ دیکھ حیران ہو گیا۔ اُس نے تھوڑا سا پانی شیام کے منہ پر چھڑکا۔ شیام نے آنکھیں کھولدیں اور کہا:۔

شیام:۔ "پیاری پاربتی جیتی ہے کہ مر گئی؟"

جاٹ:۔ "جی جلدی اُٹھو جلدی دیکھو نا کہیں مر نہ جائے۔"

شیام فوراً اُٹھ بیٹھا نبض کو دیکھا پہلے سے بہت اچھی تھی۔ ہاتھ پاؤں اور گلے کی رگوں کو ملتا رہا۔ تھوڑا تھوڑا پانی منہ میں چوایا۔ اب غریب پاربتی میں ذرا سی جان آنے لگی۔

شیام دل میں کہتا تھا۔ کہ اب میں کہدوں کہ تمہارا شیام حاضر ہے اور شاید اِس طرح پر نسبت جسمانی علاج کے روحانی علاج اس پر زیادہ اثر کرے۔ اور کبھی خیال کرتا کہ ایسا نہ ہو اس کمزور حالت میں اُس پر شادی مرگ طاری ہو جاوے۔

آخر کچھ عرصہ کے بعد اُسکی یہ رائے قرار پائی کہ چونکہ وہ اچھی طرح ہوش میں نہیں ہے اس لئے ابھی ہی جتا دینا اچھا اور مناسب ہے۔ اور اُمید ہے کہ جتا دینے سے اُسکی حالت کچھ کچھ ضرور سنبھل جائیگی۔ اور رفتہ رفتہ اُس کی سمجھ میں آجائیگا۔ اور اس طرح حالت شادی مرگ اُس پر طاری نہ ہوگی۔ یہ سوچکر اُس نے پاربتی کو گلے سے لگایا۔ اور بڑی محبت اور پیار سے اُسکی لبوں کا بوسہ لیا اور کہا:۔

شیام:۔ "پیاری پاربتی۔ تمہارا شیام حاضر ہے۔"

یہ سُنتے ہی پاربتی نے آنکھیں کھولدیں اور حیران ہو کر کہنے لگی۔

پاربتی:۔ "ہیں! پیارے شیام تم ہو۔ نہیں تم کہاں۔"

یہ کہکر پھر آنکھیں بند کرلیں اور خاموش ہو گئی۔ شیام کو بڑا فکر ہوا جھٹ نبض اور دل کی حرکات کو دیکھنے لگا۔ اُسے معلوم ہوا کہ اس قدر روحانی تدبیر سے پاربتی کی حالت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ شیام نے پھر اُسے نہایت محبت کے ساتھ گلے لگایا اور اب کی دفعہ اُسکے لب اور رخسار کا بوسہ لیکر کہا:۔

شیام:۔ "پیاری پاربتی۔ تم آنکھیں تو کھولو۔ تمہارا شیام حاضر ہے۔"

پاربتی نے فوراً آنکھیں کھولدیں اور کہا:۔

پاربتی:۔ "ہیں شامی جی پیارے! تم ہو۔ تم کہاں۔ آہا! میں کیا خواب دیکھ رہی ہوں۔"

یہ کہکر نہایت زور سے ایک ٹھنڈا سانس کھینچا۔ اور پھر بیہوش ہوگئی *
شام نے بڑے اطمینان سے اسکی نبض اور دل کو دیکھا۔ اور اُسکی حالتِ صحت کو رُوبترقی پاکر پھر پاربتی کو سینہ سے لگایا۔ اور کہا:۔

شام:۔ "پیاری پاربتی تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو۔ واقعی تمہارا شام ضب ہے۔ اب تم کو کچھ خوف نہیں ہے"

آنکھیں کھول کر پاربتی نے کہا:۔

پاربتی:۔ "سچ سچ۔ پیارے شامی تم ہی ہو۔ مگر تم کہاں۔ او شیطان! مجھ کو تو ہرگز دھوکا نہ دے"
یہ کہا اور مایوس سی ہو کر ایک طرف کو گردن پھیر لی۔ شام نے دیکھا کہ اس وقت پاربتی بیہوش نہیں ہوئی۔ اُس نے بڑی محبت سے اُسے اپنی طرف کھینچا اور پھر لبوں اور رخسار کا بوسہ لیکر کہا:۔

شام:۔ "ہیں پیاری پاربتی! ابھی سے مجھے بھول گئیں۔ غور سے تو دیکھو شیطان نہیں بلکہ تمہارا سچا عاشق شام ہے"

یہ سُنکر پاربتی نے کہا:۔

پاربتی:۔ "شام پیارے پیارے شام۔ تم ہی ہو۔ کیا سچ مچ تم ہی ہو۔ اوہو۔ یہ خواب نہیں ہے یہ شیطان نہیں ہے"

پھر شام بولا اور کہا:۔

شام:۔ "ہاں پیاری میں ہی ہوں تمہارا شام۔ پیاری ہوشیار ہو جاؤ تمہارے قاتل کو میں نے پکڑ لیا ہے اب تم ہرگز ذرا خوف نہ کھاؤ۔ انشاء اللہ تمہارا شام اب تم کو ذرا بھی تکلیف نہ ہونے دیگا"
یہ سُنتے ہی پاربتی نے شام کے چہرہ کو غور سے دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر اُسکے گلے میں ڈالدیئے اور بین کر کرکے اس قدر روئی کہ شام سے برداشت نہ ہوسکا۔ اور وہ بھی زار و قطار رونے لگا۔ گویا کہ ساون بھادوں مل رہے تھے۔ اُنکی دردناک آوازوں کو سُن کر ڈاکو اور ساتھ کے جاٹ بھی رونے لگے *

چرند پرند بھی اُنکی دردناک گریہ و زاری سے جاگ اُٹھے۔ گیدڑ کھیت کھانا بھول گئے۔ لومڑیاں اور بھیڑیئے حیران ہو کر تعجب سے دیکھنے لگے۔ سانپ اپنے سر ٹپکنے لگے *

یہ وقت صبح کا وقت تھا۔ دن کی روشنی جنگل میں پھیلنے شروع ہوگئی تھی۔ ہوا پہلے سے سرد چل رہی تھی۔ مگر ان دو عاشق و معشوق کا رونا شکر کھڑی ہوگئی تھی تاہم بڑی بھینی بھینی تھی *

شام اور پاربتی کو روتے روتے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا مگر ابھی! اُنکے دلکی بھڑاس ابھی نہ نکلی تھی کہ سامنے سے کچھ لوگ آتے ہوئے دکھائی دئیے اور جب غور سے دیکھا۔ تو دو انگریز۔ ایک تھانہ دار۔ اور کچھ پولیس کے آدمی تھے +

بدکار چمار کو سزا

پہلے پہل جس وقت نوجوان اور بہادر دولھا لٹھ لیکر چور کے پیچھے دوڑا تھا۔ اکیلا شام اُسکی مدد کے واسطے پیچھے پیچھے گیا تھا۔ مگر تھوڑی دیر میں اور بھی کئی منچلے اُسکی مدد کو پہنچ گئے اور جب صبح تک لوگ گاؤں میں واپس نہ آئے۔ تو آدھے سے زیادہ اناحدگڑھ اُس موقع پر پہنچ گیا۔ اور اناحدگڑھ کے نوجوانوں نے قاتل ڈاکو کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا +

یہ ڈاکو بڑا لمبا چوڑا جوان تھا۔ اُس کا بدن خوب فربہ اور گٹھا ہوا تھا! اس کے ہاتھ پاؤں بڑے لمبے لمبے اور مضبوط تھے۔ اُسکی آنکھیں مشعل کی طرح چمکتی تھیں اُسکے منہ پر ڈاڑھی نہیں تھی۔ مگر اُسکی لمبی لمبی اور نوکدار مونچھیں اُسکی بیرحمی اور غضبناک جرأت کو ظاہر کرتی تھیں۔ اس کا خط و خال پشاوریوں سے ملتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں بالکل ممیز تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان +

اناحدگڑھ کے آٹھ دس نوجوان اس قوی تن ڈاکو کو پکڑے ہوئے تھے۔ تب بھی وہ اُن کے قبضہ میں سے نکلا جاتا تھا۔ سب لوگ شام کی تعریف کر رہے تھے کہ وہ غضب کا مضبوط اور پہلے درجہ کا دلیر اور بڑا ہی حمدل ہے۔ بعض کہتے تھے کہ اُس کے بھوت تابع ہیں اور بعض کہتے تھے۔ کہ نہیں یہ بڑا یادان ہے +

مگر وہ جو اس عورت سے گلے ملکر رو رہا ہے اس کا کیا سبب ہے کیا وہ عورت اس کی کوئی دوست ہے۔ یا کوئی رشتہ دار۔ یا

اتنے میں سب کی توجہ اُن انگریزوں اور پولیس والوں کی طرف ہو گئی۔ جو اُن لوگوں کو دیکھ کر گھوڑے دوڑا کر دبا دب چلے آ رہے تھے +

اِن انگریزوں اور پولیس والوں نے آتے ہی فوراً سب کو گھیر کر قابو کر لیا۔ بیچارے گنوار حیران ہو کر خوف زدہ ہو گئے۔ مگر شام نے اُن کو تسکین دلایا کہ تم خاطر جمع رکھو۔ تم کو ذرا گزند نہ پہنچیگا۔ چنانچہ شام نرائن انگریزوں کی طرف بڑھا اور انگریزی میں انہیں سلام کر کے سب حال سنایا +

صاحب ڈپٹی کمشنر:۔ "ول تم خوب انگلش بولتا ہے تمہارا کیا نام ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟"

شام:۔ "حضور میں میڈیکل کالج کا طالب علم ہوں پانچ سال سے لاہور میں رہتا ہوں اور دہلی کا باشندہ ہوں"

صاحب ڈپٹی کمشنر:۔ "ول۔ پھر تم یہاں کس طرح سے آیا۔؟"

شام:۔ "حضور میرا قصہ بہت لمبا ہے جب حضور کو فرصت ہوگی۔ بیان کرونگا مختصر یہ ہے کہ بارش کے سبب سے ایک دریا کا پل ٹوٹ گیا۔ اور میں بہتا بہتا یہاں تک آن پہنچا"

صاحب ڈپٹی کمشنر:۔ "یہ عورت کون ہے جو رو رہی ہے؟"

شام:۔ "اس کا طول طویل قصہ بہت دردناک ہے اور سارا مجھے معلوم بھی نہیں مختصر یہ ہے کہ میں نے اس ڈاکو کے پنجے سے اسے چھڑایا ہے جب کہ وہ قریب المرگ تھی اور اس کے گلے میں پھانسی ڈال رکھی تھی"

ڈپٹی کمشنر:۔ "اچھا اسے ورے بلاؤ"

شام پاربتی کو آگے لایا۔

ڈپٹی کمشنر (نہایت مہربانی سے) "بی بی۔ تم کون ہو۔ ہم جانتے ہیں۔ تم اس طرف کے علاقے کی نہیں ہو"

پاربتی نے ان لوگوں کی طرف نہایت غور سے دیکھا اور ہیبتناک چیخ زور سے مار کر کہا:۔

پاربتی:۔ "شامی جی بچانا۔ میں مری"

صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس اور خود شام نرائن حیران تھے۔ کہ کیا ماجرا ہے۔

سب نے اُسے دلاسے سے کہا او بی بی مت ڈرو مت ڈرو۔ ہم تم کو مطلق کچھ نہیں کہتے۔

شام نے اس سے کہا۔ کہ پیاری پاربتی۔ ہرگز کچھ خوف مت کھاؤ۔ سب حالات بیان کرو۔ ایسا ظالم کو سزا ملیگی۔ اور تمہاری مصیبتیں تمام ہوگئیں۔

پاربتی نے ان انگریزوں کے پیچھے کی طرف دیکھ کر کہا:۔

پاربتی:۔ "شامی جی بھگوان کیلئے بچاؤ۔ ورنہ یہ قصائی مجھے مار ڈالیگا۔ میری عزت برباد کریگا"

یہ کہکر پاربتی بیہوش ہوگئی۔ سب کی توجہ اسطرف لگ گئی کہ اتنے میں صاحب سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ جو ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھا کانپ کر گھوڑے سے گر پڑا! اور اس کا گھوڑا ادھر ادھر بھاگنے لگا اب لوگوں کو ضرور خیال ہوگیا۔ کہ یہ کچھ بھید ہے +

شام نے پاربتی کو تھوڑا سا پانی پلایا۔ جب اسے ہوش آیا۔ تو کہا:۔

شام:۔ پاربتی۔ پیاری اب کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا"

صاحب ڈپٹی کمشنر ہمہ تن اس طرف مصروف تھے پاربتی کے ہوش میں آنے سے وہ بہت خوش ہوئے! اور شام سے کہا:۔

صاحب ڈپٹی کمشنر:۔ اس عورت سے پوچھو کہ یہ ایسی خائف کیوں ہوئی ہے؟"

شام نے پاربتی سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں۔ اور پھر شام نے صاحب ڈپٹی کمشنر سے کہا:۔

شام:۔ حضور اس ڈپٹی انسپکٹر نے اس پر بڑا ظلم کیا ہے"

شام نے کچھ مختصر حال بیان کیا صاحب ڈپٹی کمشنر نے اسی وقت سپرنٹنڈنٹ صاحب سے گفتگو کی! اور انہوں نے اسی وقت اس کی وردی چھین کر اس کمبخت کے ہتھکڑیاں ڈال لیں + یہ دیکھ کر شام نے کہا:۔

شام:۔ ہائے تیرے چمار کی ایسی کی تیسی"

ناظرین حیران ہوئے ہونگے کہ یہ ڈپٹی انسپکٹر کیوں کانپ کر گھوڑے سے گر پڑا اور کس واسطے ان بے رحم انگریزوں نے اس کمبخت ظالم کی وردی چھین کر اسکے ہتھکڑیاں ڈالدیں + ناظرین! آپ حیران نہ ہوں! اور ان جملہ اور منصف انگریزوں کو بے رحم بالکل نہ کہیں ایسے ہی انگریز ہیں جن کے سبب سے سلطنت انگلشیہ نے ہند میں اس قدر جڑ پکڑی ہے۔ اگر بعض انگریزوں کی طرح سارے سفلہ پرور خوشامد پسند اور ظلم دوست تھے تو سلطنت انگلستان کبھی کی غارت ہو چکی ہوتی +

یہ شیطان کا بچہ چمار کا زائیدہ کلو چمار ہے جو عیسائی ہو کر ولیم بن گیا تھا! اور پادریوں کی سفارش سے ضلع فیروز پور میں موگا کا تھانہ دار ہو گیا تھا۔ یہ وہی حرامخور بدذات ہے جس نے ملو چوہڑے کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ یہ وہی بدمعاش رشوت خور ہے جس نے رشوت لیکر بدھو شودل کو چھوڑ دیا تھا! اور جس بدکار نے پیاری عفت و عصمت والی سُندری کو جس کا

حصّی نام پاربتی تھا اپنی خواہش نفسانی کا شکار بنانا چاہتا تھا اور شراب پی کر اور مکان کے دروازے بند
کر کے شہوت میں مست بیچاری سندری نہیں نہیں پیاری پاربتی کے پیچھے پیچھے دوڑتا پھرا
تھا اور اس کو گرا کر نیچے داب لیا تھا اور اُس کے شیشۂ عصمت کو چور کرنے والا ہی تھا
کہ خدا کی مدد نے اُسے بچا لیا +

ہمارے قصّہ کے ناظرینو! دو چار باب پیچھے ہٹ جاؤ اور اُس بے مروّت سین کو خیال کرو
جبکہ یہ حرامی چمار زادہ اُس خوبصورت اور نازک اندام لڑکی کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔
اور جس نے کہ محض رحم دلانے کی نیت سے اپنے تئیں برہمن کی بیٹی کہا تھا اور اپنا نام بجائے
پاربتی کے سندری بتایا تھا۔ ہائے سُندری کیا پیارا نام تھا۔ کیوں بے چمار! اگر تجھے برہمن ہندو
ذات پر ترس آیا تھا۔ تو اُس پیارے نام پر بھی کچھ رحم نہ آیا تھا +

پس ناظرین! اس سین کا خیال فرماویں اور سوچیں۔ کیا وہ سین وہ خوفناک سین وہ ہیبتناک
وہ چھاتی پھاڑنے والا سین اس قابل نہ تھا کہ پاربتی جیسی جمیلہ اور نازک اس شیطان چمار کو دیکھ کر
بیہوش نہ ہو جائے؟ بیشک تھا۔ بیشک تھا +

ایسے اچھا رشوت کا لینا۔ اور بردہ فروشوں کا چھوڑ دینا اور زنا بالجبر کی کوشش کرنا۔ اور پھر
آدمی کی طرف سے جو قانون کی حمایت کے واسطے مقرر ہے ایسا کام نہ تھا کہ یہ کیسے کا بچہ ڈپٹی انسپکٹر
اپنی قربانی کو سامنے دیکھ کر اور حکام اعلیٰ کے سامنے اپنا راز فاش ہوتے جان کر کانپنے نہ لگے اور
ہوش و حواس نہ کھو بیٹھے۔ خیر وہ تو شرافوں کی عزتیں برباد کرتا تھا لیکن اب اس کا خمیازہ بھی
خوب کھینچے گا +

او ہو! ہم کیا کہنا چاہتے تھے اور کیا کہنے لگے۔ جب پاربتی نے دیکھا کہ ظالم قاتل کے ہتھکڑیاں
پڑ گئی ہیں اور انگریز لوگ اُسکی طرف نہایت مہربانی سے متوجہ ہیں۔ تو اس کی جان میں جان آئی +

صاحب ڈپٹی کمشنر اس لڑکی (پاربتی) کے مفصل حالات سننے کیلئے بے چین ہو رہے تھے۔
اُنہوں نے شام کو کہا کہ خدا کے واسطے ہمیں اس لڑکی کے حالات سُن لینے دو شاید اُس سے
اُس ڈاک کا بھی پتہ لگ جائے کہ جس کے واسطے بہت ہی تشویش میں ہیں +

شام نے پاربتی سے کہا۔ کہ صاحب بہادر تمہارے مفصل حالات سننا چاہتے ہیں بھلا غریب پاربتی
میں اس قدر جان اور طاقت ہی کہاں تھی۔ کہ اپنی مفصل کہانی سُناتی اُس نے کچھ مختصر سا حال
سُنایا۔ اور دوسرے ڈاک کا پتہ دیا۔ جو کہ پچھلی رات کو اُس جنگل میں واقع ہوا تھا اور

جس میں ایک دولہن اور اُس کا برہمن مارا گیا تھا +
صاحب ڈپٹی کمشنر:- دوسرا ڈاکہ۔ اسی جنگل میں غضب غضب ایک عورت
ماری گئی۔ عورت! ایک مرد بھی۔ چلو چلو۔ فوراً وہاں چلو! اور لاشوں کا پتہ لگاؤ"۔
ڈاکو اور چمار صاحب کو چند سپاہیوں کے پہرہ میں چھوڑا! اور سب کے سب لاشوں کو دیکھنے گئے۔
اوہو۔ یہ لاشیں نزدیک ہی پڑی ہوئی تھیں۔ خون بہ کر چکٹے کے چکٹے جم گئے تھے۔ اوہو
غریب دولھن تو ایسی معلوم ہوتی تھی۔ کہ گویا میٹھی نیند میں سوئی پڑی ہے +
صاحب ڈپٹی کمشنر اور صاحب سپرنٹنڈنٹ بڑے رحمدل آدمی تھے! ان لاشوں کو دیکھ کر رونے
لگے۔ ان کو روتے دیکھ کر شام کے دل پر۔ ہائے صدمات اٹھائے ہوئے دل پر بڑی چوٹ لگی
وہ زار و قطار رونے لگا +
پاربتی کو شام اُس بڈھے جاٹ کی حمایت میں چھوڑ آیا تھا! اور خود انگریزوں کے ساتھ ساتھ
ہو لیا تھا شام کی چیخوں کی آواز جب پاربتی کے کان میں آئی! اگرچہ وہ مردہ ہو ہی تھی مگر
ہائے محبت سچی محبت پیاری محبت نے اُسمیں بجلی کی سی تاثیر کی۔ وہ چیخیں مارتی آواز
کے پیچھے دوڑی! اور جب شام کے نزدیک پہنچی تو اُس کی نظر غریب دولھن کی لاش پر پڑی
ہائے محسن لڑکی تمہاری لاش دیکھ کر۔ تمہاری جدا ماندہ رفیق سُندری۔ پیاری پاربتی آنسو کیوں
نہ بہائے +
پاربتی ایک خوفناک آہ کھینچکر بیہوش ہو گئی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس سین کو دیکھ کر حیران
رہ گئے۔ وہ بڈھے جاٹ اور سپاہیوں پر خفا ہوئے کہ پاربتی کو یہاں کیوں آنے دیا +
تھوڑی دیر میں بٹھنڈے کا ناظم اور مہاراجہ پٹیالہ کا پولیس بھی پہنچ گیا +
اور جب بٹھنڈے خبر پہنچی۔ تو اس غریب مصیبت کی ماری۔ ہائے گذشتہ قہر خدا کا خاوند
اور اُس کے رشتہ دار بھی پہنچ گئے۔ اوہو! جو قیامت اس جنگل میں برپا ہوئی ہے! اُس کے
بیان کرنے کے واسطے میں کہاں سے دل اور حوصلہ لاؤں۔ میرا تو کلیجہ پھٹا جاتا ہے! اور ناظرین!
میں تمہارا کلیجہ پھاڑنا پسند نہیں کرتا۔ تم سب باتوں سے اپنے دل کو فارغ کر کے اِس
ہیبتناک نظارہ کا خود ہی خیال کر لو +

غم و مصیبت کی داستانیں

موگہ میں جس رات ڈاکو پڑا اُس کی صبح کو صاحب ڈپٹی کمشنر فیروزپور جو رعایا پرور اور بڑے عدل گستر تھے موگہ پہنچے اور ڈاکہ کی تحقیقات میں ہمہ تن بذاتِ خود مصروف ہوئے۔ اُن کو معلوم ہوا کہ ڈاکو فریدکوٹ اور پٹیالہ کے علاقہ میں چلے گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اِن ریاستوں کے فرمانرواؤں سے اُن کے گرفتار کرانے میں مدد مانگی ؛

چونکہ یہ فرمانروا خود صاحب عدل و انصاف ہیں۔ اُنہوں نے لکھ بھیجا۔ کہ مجرموں کو گرفتار کرنے میں ہر ایک طرح سے امداد دیجاویگی۔ اور آپکے تشریف لانے سے ہم مشکور ہونگے۔ چنانچہ صاحب ڈپٹی کمشنر فیروزپور مجرموں کی تلاش میں فریدکوٹ ہوتے ہوئے جب بھٹنڈے پہنچے۔ تو اُس وقت پٹیالہ پولیس کی گارد اُن کے ساتھ تھی۔ اور جب ناظم پٹیالہ کو خبر ہوئی تو وہ فوراً موقعہ پر حاضر ہوا۔ ڈیرہ خیمہ کھڑے کر دئے گئے ریاست کی طرف سے مہمانی کا بندوبست کیا گیا ؛

اس موقع کی خبر ناظم بھٹنڈا نے فوراً پٹیالہ بھیجی اور وہاں سے منشی نامدار خاں ممبر کونسل پٹیالہ شاموں شام موقع پر پہنچے۔ اور صاحب ڈپٹی کمشنر کو مہاراجہ پٹیالہ کی چٹھی دی۔ جس میں لکھا تھا کہ کل صبح کو ہم بھی آتے ہیں ؛

دوسرے دن صبح کو صاحب ڈپٹی کمشنر ابھی خیمہ سے باہر نکلے ہی تھے۔ کہ مہاراجہ صاحب جگہ پر پہنچ گئے صاحب بہادر نے مہاراجہ صاحب کا استقبال کیا۔ اور نہایت محبت کے ساتھ مہاراج کو اپنے خیمہ میں لے گئے۔ اور اُن کی مہمان نوازی کا بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے بعد کل کے دلچسپ واقعات کا ذکر کیا ؛

مہاراج : " میں چاہتا ہوں۔ کہ اِن حالات کو اُن لوگوں کی زبان سے سنوں "

صاحب ڈپٹی کمشنر : " بیشک اُن کی زبان سے سُننا بڑا دلچسپ ہے۔ اور خصوصاً اس لڑکی (پاربتی) سے امید ہے کہ آج وہ کچھ بہتر ہوگی "

مہاراج : " کیا آپنے سب حالات انہیں کی زبان سے سُنے ہیں ؟ "

صاحب ڈپٹی کمشنر : " ہاں جو کچھ سُنا ہے اُنہیں سے سُنا ہے۔ مگر بہت تھوڑا سُنا ہے۔ کیونکہ کل وہ لڑکی بیچاری مصیبت کی ماری بہت ہی ضعیف اور تنگ تھی "

مہاراج: تو اُمید ہے کہ آج وہ لوگ اپنے مفصل حالات ضرور بیان کرینگے۔"

صاحب ڈپٹی کمشنر: "ہاں امید تو ہے۔ اچھا ہم کو اب اپنی کارروائی شروع کرنی چاہئے۔"

خیمہ کے باہر کرسیاں بچھائی گئیں۔ سب لوگ آن کر جمع ہو گئے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کے علم سے شام نرائن آگے آیا اور مہاراجہ کو آدابِ شاہی سے سلام کرنے کے بعد اپنے غم کی کہانی یوں بیان کرنے لگا:۔

شام: "حضورِ عالی!

میں قوم کا کھتری ہوں۔ ڈلہی دیل کے کٹڑے کا رہنے والا ہوں۔ میرا نام شام نرائن ہے میرا باپ (رام نرائن) میرٹھ میں تحصیلدار ہے۔ عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ دہلی سے انٹرنس پاس کر کے لاہور کے میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم پاتا ہوں اور عنقریب ڈاکٹر (اسسٹنٹ سرجن) بننے والا ہوں۔

چند روز کا عرصہ ہوا کہ میرے پاس دہلی سے خط آیا جس میں لکھا تھا کہ ایک جگہ میرے والد نے میری شادی کی تجویز کی ہے۔ اگرچہ وہ لوگ خاندانی اور عزت والے ہیں۔ مگر لڑکی ابھی کل چار برس کی ہے۔ اس بات سے میرے دل پر اس قدر صدمہ ہوا کہ مجھ سے کھانا تک نہ کھایا گیا رات کو نیند مطلق نہیں آئی۔ صبح ہوتے دل کو تسلی دینے کی نیت سے میں دریائے راوی کی طرف گیا رستہ میں مجھ کو دو لڑکیاں ملیں۔ جن میں سے ایک اپنی شادی کی بابت ذکر کر رہی تھی۔ اور مجھ کو سنکر کسی قدر تعجب ہوا جب میں نے معلوم کیا۔ کہ اُس دلفریب اور ہواں عنا لڑکی کا باپ ایک چھ برس کے بچے سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا جس کو اُس نے نہایت حقارت سے کہا۔ کہ کاش میں چھوٹے بچے کو گود میں کھلاتی۔ اُس وقت بے اختیار یہ شعر میرے مُنہ سے شعر نکل گیا۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو ۔ خوب گذریگی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو

یہ سنکر وہ دو لڑکیاں چونک پڑیں بڑی (دُکرپی) نے مجھے بہت کچھ برا بھلا کہا۔ مگر چھوٹی (پاربتی) نے جو درحقیقت دردمند تھی۔ آہ! اسی پیاری پاربتی نے جس کو میں نے ڈاکو کے پنجۂ ظلم سے چھڑایا ہے جب میری طرف دیکھا تو ہم دونو ایکدوسرے کے عاشق و معشوق ہو گئے۔

تین روز تک ہم متواتر اسی طرح ملتے رہے۔ اور دن بدن پاک محبت کا اظہار زیادہ زیادہ ہوتا گیا اور ہم نے صلاح کی کہ ملک کی رسم و رواج کے مطابق ہم دونو کی شادی ہو جائے اس طرح

سے کہ ہمارے والدین اور خویش اقارب بھی ناراض ہوں۔ یہ بات بہت مشکل تھی۔ گو ہم نے بہت کچھ تدبیریں سوچی تھیں۔ تیسرے دن جب کہ ہم پاک محبت کے بازار میں بڑے سرگرم تھے۔ ایک برہمن ہمارا مخل ہوا اور اُس نے مجھے مارنا چاہا۔ مَیں نے اس ظالم کو خوب سیدھا کیا۔ اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہیں جکڑ دیا +

دوسرے دن ایک انگریز کا بھیس بدلکر مَیں جائے ملاقات پر پہنچا۔ مگر میری معشوقہ کا پتہ نہ لگا۔ اور وہی برہمن اور چند بدمعاش جو ہاتھوں میں لکڑیاں لیکر مجھے مارنے کے ارادہ سے آئے تھے۔ ایک انگریز کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ مَیں نے سب طرف دیکھا لیکن اپنی جان کو کہیں نہ پایا۔ شام کے وقت ایک فقیر کا بھیس بدلکر مَیں اپنی محبوبہ کی گلی میں گیا۔ اور دو عورتوں سے سُنا کہ میری پیاری پاربتی کے باپ نے اس کو مار کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے ہائے یہ گرمی اور تنگ کوٹھڑی +

بعدہٗ تین روز تک مَیں تلاش کرتا رہا اور کچھ پتہ نہ لگا۔ اور چوتھی صبح کو ایک ساہوکار کا بھیس بدلکر مَیں چونے منڈی پہنچا۔ اور وہاں کی چوہڑی (حلال خوری) سے سُنا کہ میری محبوبہ قید اور بھوک سے آج صبح کو (پہر بری لیکر) مرگئی +

(جب شام اس طرح اپنی داستان بیان کر رہا تھا۔ پاربتی اسکو تعجب سے دیکھ رہی تھی اور سننے والے حیران ہو کر کبھی اُسے اور کبھی اسے دیکھتے تھے۔ اس موقع پر پہنچکر شام نے بے اختیار رو دیا۔ اور اُسکے ساتھ ہی سب لوگ بھی آہیں مارنے لگے۔ ہاں پاک محبت! تجھ میں یہی اثر ہوتا ہے) +

آہ! مجھے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ پیاری پاربتی کو زہر دیا گیا! اور اب تجویز ہے۔ کہ بہت جلد لیکن شام کے وقت اندھیرے میں اُسکی لاش کو پھونک دیں +

اوہو! جب مَیں اس وقت کا خیال کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے پرمیشر سے دعا کی کہ اے بھگوان مَیں اپنی پیاری کا آخری دیدار تو دیکھ لوں! اوہو! میرا بدلہ لینے کا خیال کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ مَیں نے اس حال کی اطلاع انسپکٹر پولیس کو دی۔ اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اُس وقت مجرموں کو پکڑیں۔ جب کہ وہ لاش پھونکنے کو تیار ہوں۔ اُس وقت مَیں نے ایک بڈھے جوگی کا بھیس بدلا۔ اور مرگھٹ میں جا پہنچا۔ شام کے قریب لوگ ارتھی کو وہاں لے گئے۔ اور لاش کو ایک طرف رکھکر چتا بنانے لگے۔ مَیں لاش کے پاس آیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میری جان مری بالکل نہیں ہے۔ البتہ اُس کا تنفس نہایت ہی کمزوری کے ساتھ چل رہا ہے۔

اوہو! کس قدر ضعیف کہ ایک کال ڈاکٹر ہی اُسے سُن اور سمجھ سکتا ہے میں نے اُن لوگوں سے درخواست کی۔ کہ اس لاش کو مجھے دکھادو۔ اس کا ابھی کچھ بگڑا نہیں۔ بہت سے رحم دل مجھے دکھادینے پر طیار تھے۔ مگر اُس کمبخت مصر نے کہا۔ کہ نہیں یہ کیا کر یگا دیر ہوتی ہے جلدی لاش کو پھونک دو۔ آہ! میری جان تو فوراً جلکر راکھ ہوجاتی۔ مگر سامنے سے پولیس دکھائی دیا جو اُن کی طرف چلا آرہا تھا۔ پولیس کو دیکھ کر وہ لوگ حواس باختہ ہوکر بھاگنے لگے۔ اور پولیس کا شبہ یقین کے درجہ پر پہنچگیا وہ اُنکے پیچھے پیچھے بھاگے۔ مجھ کو موقع ملا۔ میں نے لاش کو امتحان کیا مجھے معلوم ہوا۔ کہ صرف کمزوری ہے۔ آہا! وہ کیسا خوشی کا وقت تھا جبکہ میں اپنی پیاری محبوبہ کو اُٹھاکر وہاں سے ورایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں جو کسی کی سمادھ یا مقبرہ تھا چلا گیا۔ اور ہمہ تن مصروف ہوکر اپنی جان کو ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا +

(اوہو جب شام نے کہا۔ کہ بوڑھا جوگی میں ہی تھا جو پاربتی کو چتا پرسے لیگیا تھا تو پاربتی بالکل حیران ہورہی تھی۔ اور وہ شام کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور لوگوں کو وہ دونو ایک عجیب حالت میں معلوم ہوتے تھے)

خدا خدا کرکے میری کوششیں کارگر ہوئیں۔ میری جان کو ہوش آیا۔ وہ مجھ سے شرمانے لگی اور خوف زدہ سی معلوم ہوئی۔ مگر میں نے سب اُسکے حالات سُنائے۔ آہا! اُس محبت کی کلمے کو میں کبھی نہ بھولونگا جب اُس نے ہوش آنے کے ساتھ ہی کہا تھا کہ "مجھے شام کو بخشکے پاس پہنچادو"۔ ہاں پاک محبت تو مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے +

کئی روز تک اُسی بھیس میں میں اپنی جان کی پرورش کرتا رہا۔ ہر روز شہر جاتا اور وہاں سے کچھ کھانے پینے کے واسطے لاتا۔ اور اپنی جان کو اسی مقبرہ میں چھوڑ جاتا۔ ایک دن جبکہ میں شہر جانے لگا میری جان نے مجھ سے پوچھا کہ اگر تم کہو۔ تو ذرا دریا کے کنارے بیٹھ کر عالم آب کی سیر کروں۔ میں نے کہا کہ اچھا۔ آہ! جب میں واپس آیا تو وہاں میری پیاری جان کا پتہ نہیں تھا۔ ہر طرف دیکھا۔ ہر جگہ ڈھونڈا۔ بہت چیخا اور نہایت چلایا۔ مگر کچھ پتہ نہ پایا۔ ساری رات تلاش کرتا رہا۔ صبح کے وقت کچھ نقش پا معلوم ہوئے۔ اور میرے دل نے گواہی دی کہ جو لوگ یہاں سے گذرے ہیں وہ ہی میری روح رواں کو کہیں لے گئے۔ میں اُن کے نقش قدم پر چلتا رہا +

آہ! کچھ دور جاکر وہ نقش بھی غائب ہوگئے۔ اور میں اپنی جان کی تلاش میں تا دکھ بھر تا مر تسر پہنچا۔ سارا امرتسر ڈھونڈ مارا مگر اپنی محبوبہ کا پتہ نہ لگا۔ اس وقت میں نے جوان جوگی کا

بھیس بدلا ہُوا تھا۔ صبح کو ہر روز دربار صاحب کے حسینوں میں اپنی پیاری کی تلاش کرتا۔ دن بھر گلی گلی بھیک کے بہانے اپنی جان کو ڈھونڈتا پھرتا۔ کئی دن اسی طرح گذر گئے۔ اور میرا ارادہ تھا کہ لاہور کو واپس جاؤں کہ ایک صبح کو دربار صاحب میں کسی نے مجھے کولھے سے مضبوط پکڑ لیا۔ اوہو۔ میں نے جو پھر کر دیکھا۔ تو وہ میرا چچازاد بھائی تھا اور اسکے پیچھے میرے والد کھڑے ہوئے تھے +

کیسی مایوسی کس قدر نا امیدی میرے اوپر چھائی۔ جب کہ وہ مجھے پکڑ کر لے گئے اور اُسی شام کو مجھے ریل پر سوار کر دہلی روانہ ہوئے۔ میں نے ہر چند خیال کیا اور چاہا کہ ریل پر سے اُتر کر کہیں غائب ہو جاؤں۔ مگر والد صاحب نے میری سخت نگرانی کی۔ میں اپنے خیال میں ایسا غرق ہُوا کہ ساری رات پاربتی پیاری کے ہی خواب دیکھتا رہا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا۔ نہ ریل ہے نہ میرے والد ہیں نہ مسافر ہیں نہ اسباب ہے نہ مال نہ گاڑی ہے اور نہ انجن۔ میں پانی میں غوطے کھا رہا ہوں اوہو! وہ کیسا خوفناک نظارہ تھا۔ پانی بڑے زور سے بہہ رہا تھا۔ پانی کے رحم پر اب میں نے اپنے تئیں چھوڑ دیا۔ اتفاق سے ایک ریل کا گدیلا مجھے مل گیا۔ اور اُسکے سہارے میں چلتا رہا۔ اوہو! صبح ہوتے کیسا خوفناک نظارہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ غارت گر دریا کے ظلم ستم ہر طرف نظر آ رہے تھے۔ قریب بارہ بجے دریا سے باہر نکلا۔ بھوک۔ پیاس سے بیتاب تھا۔ جنگلی جھنیریوں نے میری رفاقت کی۔ رات ایک درخت پر چڑھ کر گذاری۔ دوسرے دن ایک گنوار ملا شاید وہ مجھے بلا سمجھ کر بھاگا۔ اور میں اُسکے پیچھے بھاگا۔ اور ان کے گڑھ پہنچا۔ اول اول لوگ مجھ سے خائف تھے۔ مگر جب میں نے ایک بچے کا علاج کیا اور خدا نے اُسے شفا دی اُس دن سے گاؤں والے مجھ سے بڑی محبت کرنے لگے۔ پرسوں جاٹوں میں شادی تھی مجھ کو بھی بلایا تھا۔ سب جاٹ ناچ کود کر سو گئے۔ رات کے وقت چور آیا۔ اور دُلھن کا زیور اُتار کر بھاگ گیا۔ دُولھا جو اپنی دُلھن کے ساتھ سو رہا تھا۔ جب ہوشیار ہُوا تو لٹھ لیکر دوڑا اور میں بھی اُس کے ساتھ دوڑا +

چور ہم سے کچھ آگے تھا۔ اور ہم اُسکے پیچھے چلے جا رہے تھے کہ چاند پر ایک سیاہ بادل کا ٹکڑا آ گیا۔ اور اندھیرے کے سبب چور ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ جب ہم تلاش کرتے کرتے اس ٹیلے کے پاس پہنچے۔ تو میں نے ایک آواز سُنی۔ اوہو! اس آواز نے مجھ میں بجلی کا سا اثر کیا اور جب میں اُس طرف گیا۔ تو دیکھا کہ ایک بزغالہ کو ایک دیو نے دبا رکھا ہے۔ اور کراہنے کی آواز آ رہی ہے۔ اس دیو کو میں نے پکڑا۔ اور اس (اشارہ کرکے) بہادر دولھا کے حوالے کیا۔ اور پھر جو اس قربانی کو دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ تو میری پیاری جان پاربتی ہے۔ قریب تھا کہ

خوشی کے سبب مجھے شادی مرگ ہو جائے۔ مگر میں نے اپنے تئیں سنبھالا اور اپنی پیاری کے علاج میں مصروف ہوا۔ اسکے گلے میں رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس پھندے کو کھولا۔ خون کا دوران جو رک گیا تھا۔ پھر بدن میں جاری ہوا۔ آخر میری لگاتار کوشش سے صبح کے وقت اسے ہوش آیا۔ اور یہ وہ وقت تھا جبکہ صاحب ڈپٹی کمشنر اور پولیس موقع پر پہنچ گئے اور ہم سب کو گھیر لیا"

مہاراجہ:- "آہا! شام کیسا عاشق صادق ہے"؟

ڈپٹی کمشنر:- "اس نے اپنے عشق کے پیچھے بڑی تکلیف اٹھائی"

مہاراجہ:- "اخیر موقع خوب خدا نے ان کی مدد کی"

ڈپٹی کمشنر:- "دنیا میں اکثر ایسے اتفاق ہوتے ہیں"

مہاراجہ:- "ہاں وہ عورت (پاربتی) کہاں ہے۔ اس کا حال بھی سننا چاہیے"

ڈپٹی کمشنر:- "پاربتی کو بلاؤ"

صاحب ڈپٹی کمشنر نے شام کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہا کہ پاربتی کو سمجھا دو کہ خوف نہ کرے اور اپنا سب مفصل حال بیان کرے جہاں تک میرے بس میں ہے میں اسکی مدد کرونگا اور تم دونو کا جب تک میں انڈیا میں ہوں ہر طرح دوست اور خیر خواہ ہوں اور تمہارے فائدے پہنچانے میں ہر طرح کوشش کرونگا ◆

پاربتی آگے آئی اسکے کپڑے بڑے میلے اور پھٹے پرانے سے تھے مگر اسکی خوبصورتی غضب ڈھا رہی تھی اگر ہم یہ کہدیں کہ وہ لعل تھا جو گودڑی میں چھپا ہوا تھا تو ہمارا مطلب ادا ہو جاتا ہے اس نے ایک لمبا سا گھونگٹ نکال لیا اور مہاراجہ اور صاحب ڈپٹی کمشنر کو سلام کر کے اپنا دکھڑا یوں بیان کرنا شروع کیا:۔

پاربتی:- حضور عالی!

میں لاہو کی رہنے والی ہوں۔ میرے باپ کا نام ہر بھگوان ہے وہ ایک آسودہ ساہوکار ہے جو نئے منڈی میں رہتا ہے۔ ایک دن جب کہ میں دریائے راوی پر نہانے جا رہی تھی راستہ میں اتفاقاً شام سے میری ملاقات ہوئی اسکی محبت آمیز باتیں اور اسکی خوبصورت جوانی میرے دل پر اثر کر گئی اور ہم نے آپس میں ارادہ کر لیا۔ کہ قوم کے قاعدہ کے موافق باہم شادی کر لیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ کوئی تدبیر ایسی ہو کہ برادری والے میرے والدین کو طعنہ نہ ماریں ◆

ایک دن ہمارے پروہت (برہمن) نے مجھ کو اپنے پیارے شام نرائن سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا

اور میرے باپ سے سب ماجرا بیان کیا۔ میرے باپ نے مجھ کو بہت سا مارا! اور ایک کوٹھری میں بند کر کے اوپر سے قفل لگا دیا۔ مَیں تین چار روز تک بیحس و حرکت اندر کوٹھری میں بند پڑی رہی! اور کمزوری اس قدر غالب ہو گئی کہ مطلق ہوش تک نہ رہی ہاں جب مجھی ہوش آیا۔ تو میں نے اپنے تئیں ایک بڈھے جوگی کے پاس پایا۔ افوہ! وہ جوگی کیسا مہربان تھا وہ کس محبت سے مجھے پرورش کرتا کیسی دلسوزی سے میری خدمت اور خاطرداری کرتا تھا۔ کہ مَیں حیران تھی۔ اُس وقت مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ وہ جوگی کون ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ جوگی میرا پیارا میری آنکھوں کا تارا جانی شام ہی تھا۔ ہائے اگر مجھے اُس وقت خبر ہوتی کہ شامی جی وہ بڈھے جوگی تم ہی تھے تو میں تم کو مہادیو سمجھ کر تمہاری پوجا کرتی +

(یہ فقرہ سنکر مہاراجہ صاحب ڈپٹی کمشنر دونو ہنسنے لگے پاربتی ایک کنواری لڑکی تھی اُسے شرم بھی بدرجۂ غایت تھی مگر لگاتار مصیبتوں نے اُسے خوب باتونی دیا گل، بنا دیا تھا)

یہ جوگی جی مہاراج ایک دن کچھ کھانے پینے کیلئے شہر کو گئے۔ اور مَیں لبِ دریا سیر کر رہی تھی! بہہ گیا تھا۔ ہوا سخت تند و تیز چل رہی تھی۔ میں اپنے خیالات میں غرقاب عالم دریا کی سیر کر رہی تھی کہ اتنے میں ایک ڈیونی (گوجری) میرے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اُس کو دیکھ کر مَیں نے اپنا مُنہ چھپا لیا۔ اُس نے مجھے گرا دیا! اور کچھ دوا میرے ناک سے لگائی۔ جس سے مَیں بالکل بیہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں ایک گدھے پر لدی ہوئی تھی۔ دو مرد اور ایک عورت ہمارے ساتھ تھی! اور دو خوبصورت سی لڑکیاں میری طرح گدھوں پر لدی ہوئی تھیں۔ مگر وہ اُن لوگوں سے زیادہ ملی جلی تھیں۔ ایک شخص شہر کی طرف سے آیا۔ اور ان لوگوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں۔ پھر سب خوف زدہ ہو کر آگے چلے۔ اور ایک چھوٹے سے اسٹیشن سے ریل پر سوار ہوئے! اور جالندھر جا کر اُترے۔ اور وہاں ٹھیرے یہاں ان لوگوں نے ایک شخص (کٹار سنگھ) کو بلا کر ہم تینوں لڑکیوں کو دکھایا +

(اس موقعہ پر پاربتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور صاحب ڈپٹی کمشنر نے اسے تسلی دی کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا! اب تم خاطر جمع رکھو۔ ہم مجرموں کو ہرگز نہ چھوڑینگے)

افسوس کوئی شخص بھیڑوں کو بھی اس طرح نہیں دیکھتا ہے۔ جس طرح اُس کمبخت نے میرے ساتھ والی لڑکیوں کو دیکھا! اُن کے تمام بدن پر اس نے ہاتھ پھیرا۔ تعجب ہے کہ وہ لڑکیاں خوشی خوشی سب کچھ کرواتی رہیں۔ جس وقت وہ نامراد میری طرف آیا۔ مَیں چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اور وہ یہ کہکر کہ "یہ بیچاری تو قریب المرگ ہے" وہ میری طرف سے ہٹ گیا! اور کچھ روپیہ دیکر ہمارے ساتھ کی ایک جوان کشمیرن لڑکی کو لیگیا۔ اوہو! وہ کیسی کیسی خوشی خوشی اُس کے ساتھ گئی تھی +

دوسری صبح کو یہ لوگ کچھ خوف زدہ سے معلوم ہوئے۔ اور جوتوں کرکے وہاں سے یکہ کرایہ کرکے بھاگے۔
اور تیسرے دن موگا گے شہر میں داخل ہوئے ✤

(اس وقت پاربتی کے لہجے میں خوف آگیا۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اُس کا
بدن تھرانے لگا۔ اور اُس نے رو رو کر اپنا قصہ بیان کرنا یوں شروع کیا)

اِسجگہ (موگا) میں ہم ایسے میں ٹھیرے ہوئے تھے کہ چند سپاہی ہم کو پکڑکر تھانے لے گئے
وہاں تھانے دار اور اُسکے منشی نے ہمارے اظہار لیئے۔ اور افسوس ہے کہ دونو نے کچھ رشوت لیکر دو تو مردوں
اور تیسری عورت کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور شام کے وقت مجھ کو اور دوسری کشمیرن لڑکی کو ایک سپاہی
ایک مکان میں لے گیا۔ اور ہم سے کہا کہ تھانہ دار صاحب کی میم صاحبہ تم کو دیکھنا چاہتی ہیں چونکہ میں
مشن کے مدرسہ میں پڑھتی رہی تھی میں نے دیکھا۔ کہ عیسائی عورتیں ہم عورتوں سے بہت ہمدردی
کیا کرتی ہیں۔ اِس لیئے میں سمجھی کہ میم صاحبہ سے اپنی مصیبت بیان کرونگی۔ اور اُمید ہے کہ اُن کی سفارش
سے میری خلاصی جلدی ہو جائیگی۔ وہ سپاہی کشمیرن لڑکی کو تو نیچے چھوڑ گیا۔ اور مجھ کو اوپر کی
منزل میں لے گیا ✤

تھوڑی دیر بعد وہ تھانہ دار اور منشی آیا۔ منشی نیچے رہگیا اور تھانہ دار اوپر چڑھ آیا اُس نے
سب طرف کے دروازے اور کھڑکیاں بند کردیں۔ پھر مجھ کو اپنے پاس بُلایا۔ میں بہت حیران ہو رہی تھی کہ
کیا کروں کمبخت تھانہ دار شراب میں بدمست تھا۔ ہرچند میں نے اُسے فریب دیئے مگر اُس پر حرام
سوار تھا۔ اُس نے زبردستی سے مجھ کو پکڑنا چاہا۔ میں آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے تھا۔ جب میں
تھک کر رہ گئی تو ناچار گر پڑی۔ اور اس وقت اِس سنگدل (اشارہ سے) تھانہ دار نے مجھے زمین پر گرا دیا۔
اور قریب تھا کہ میری عزت کو یہ حرامی برباد کر دیتا۔

(جس وقت پاربتی نے تھانہ دار کی طرف اشارہ کیا اُسکے کلام میں اور بھی رقت پیدا ہو گئی
اور اخیری فقرہ اُس نے ایک دردناک چیخ مار کر ادا کیا۔ اِس وقت مہاراجہ صاحب اور
صاحب ڈپٹی کمشنر کو بڑا غصہ آیا۔ اور شام نرائن تو غصہ اور آتش غیرت سے جلکر
دیوانہ کی طرح ہو گیا۔ اور وہ ایک سپاہی کی تلوار لیکر اُس چمار کی طرف چلا۔ کہ
صاحب ڈپٹی کمشنر نے اُسے روک لیا کہ شام جیشک تم کو اشتعال ہے۔ مگر تم اپنے تئیں مجرم
نہ بناؤ۔ ہم قانون کے موافق اِس بے ایمان شخص کو سزا دیگا)

کہ باہر سے "داروغہ جی ڈاکہ۔ داروغہ جی ڈاکہ" کی آوازیں آنے لگیں۔ اِس وقت یہ شخص کانپنے لگا اور

ایسا ہوش باختہ ہوگیا۔ کہ جیسے موت سے ڈر جاتا ہے۔ اور بڑی مشکل سے گھر سے نکل کر گیا۔ مگر بے ایمان
دروازے سب بند کر گیا۔ میں نے ایک تاکی کھولی۔ اور قریب تھی کہ اوپر سے نیچے گر پڑوں کہ اتنے میں
ایک شخص زرگر منش نے مجھ کو ایک رسی کے ذریعہ اوپر سے اُتارا۔ اور نہایت مہربانی سے اپنے گھر لے گیا۔ چند
روز تک بڑی الفت سے اُس نے مجھ کو اپنے پاس رکھا۔ اور پھر ایک شخص کے ہاتھ جو فرید کوٹ میں ملازم اور
پیشکار کہلاتا ہے۔ اس تھانہ دار کے خوف سے بھیج دیا۔ اور اُس کو کہدیا کہ جب موقع ہو اسے اُس کے گھر پہنچا دینا
وہ پیشکار صاحب پہلے تو بہت عنایت کرتے رہے۔ مگر بعدہ بقول شخصے

کہ از چنگال گرگم در ربودی
چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

حضرت پیشکار صاحب خود میرے لئے گرگ بن گئے۔ انکی نظر عنایت دیکھ کر اُن کی بیوی مجھ سے سخت
نفرت کرنے لگی اور پہلے پہلے تو مجھ کو بہت تنگ کرتی تھی۔ مگر جب میں نے اُسے کہا۔ کہ مجھے
جس طرح ہو سکے لاہور پہنچا دے۔ اور میری طرف سے تو ہرگز کچھ خوف نہ کر۔ تو اُس نے میری رہائی
کے واسطے کوشش کی اور ایک لڑکی کے ساتھ جو بٹھنڈے بیاہی ہوئی تھی مجھے روانہ کر دیا +

(اس وقت پھر پاربتی کو خوف چھا گیا اور وہ خوف کے مارے پھریریاں لینے لگی جس قدر
مرد و زن اسجگہ اکٹھے ہوگئے تھے۔ اُسکے حالات سنکر زار زار روتے تھے۔ اور ہمارا
تمام پیشکار کے اوپر غیرت کے دانت پیس رہا تھا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کہا۔ بی بی مت
خوف کرو۔ آگے سُناؤ)

جب ہم فرید کوٹ سے چلے اُس وقت نو بجے تھے۔ ہرچند گاڑی بان نے کہا کہ رستہ پرخطر ہے۔
شب پڑاؤ پر بسر کرنی چاہیے۔ مگر پُرارمان بیوی جو اپنے خاوند پر جان قربان کرتی تھی اور جس نے اپنے
خاوند کے خیال میں جان دے بھی دی۔ اُسے میرے پیشتر وہ ہرگز راضی نہ ہوئی۔ اور کہا کہ نہیں جس طرح
ہو۔ چلے چلو۔ اور راتوں رات بٹھنڈے پہنچو۔ چاندنی رات تھی اور چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی کہ اتنے
میں بجلی نے ور شور کا ایک طرف سے ابر اُٹھا اور تھوڑی دیر میں تمام عالم تیرہ و تار ہو گیا۔ ہماری گاڑی کا بان
رستہ بھول گیا۔ اور خبر نہیں کہاں کا کہاں اور کس طرف جانے لگا۔ چلتے چلتے مدت گذر گئی۔
مگر گھر کا نام و نشان مطلق معلوم نہ ہوا۔ ابر خوب سیلہ ہوتا گیا۔ اور ہم نے گاڑی کے پاس کچھ غیر آدمیوں
کی آہٹ سُنی۔ بجلی چمکی اور اُس کی روشنی میں ہے میرے بھگوان (چہرے کو ڈھانپ کر) کئی
لمبے لمبے آدمی دکھائی دئیے جو ہاتھوں میں لٹھ لئے ہوئے ہماری گاڑی کے گرد ہو رہے تھے۔ ہمارا
گاڑی بان اُنہیں دیکھتے ہی فی الفور چیخ مار کر کہیں بھاگ گیا۔ اور میرے حج اس پر حسرت بی بی کے

ساتھ تھا۔ ڈر سے رونے لگا۔ چوروں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے نیچے کھینچا (پھر ریکی)
اور ایک لٹھ سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ ایک چور بیل کھول کے روانہ ہو گیا۔ اور دوسرا ہمارا اسباب لیکر
اور تین ہم دونوں کو گاڑی سے اتار کر اُس (اشارہ سے) ٹیلی کے پاس لیگئے۔ اُن نامراد چوروں نے
اُس پیاری محبت والی نامراد بی بی کا زیور اور کپڑے اُتار لئے۔ اور پھر ایک کمبخت ظالم نے اُس کا گلا گھونٹ
دیا۔ اور ناشاد و نامراد بیوی حسرت و ارمان دل میں لیکر تیں قبیں کرتی دوسرے جہان کو سدھاری ✣

(اس موقع پر پاربتی ڈھاڑھیں مار کر روئی اور اس عورت کا خاوند اور رشتہ دار
اور تماشائی۔ یہاں تک کہ خود مہاراجہ صاحب اور ڈپٹی کمشنر بہادر اپنے تئیں ضبط نہ کر سکے
اور لوگوں کی پر خوف چیخوں سے تمام جنگل گونج اُٹھا)

اب اس بدنصیب کی باری تھی۔ ہائے میرے پاس کیا رکھا تھا۔ جو مجھ سے کوئی لیتا چاندنی
ذرا نکلی اور اس سفاک ڈاکو کی نظر میرے سر پر پڑی اُس نے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اسے نہ مارو۔
میں اُسے دشرم سے اپنی عورت بناؤنگا۔ مگر دوسرے نے کہا کہ نہیں۔ اگر جیتی رہی تو ہم سب کے
سب پکڑے جاوینگے۔ اس ڈاکو نے لٹھ مار کر دوسرے کو بھگا دیا یہی ڈاکو تھا جس نے ایک
لٹھ سے مصر کا کام تمام کر دیا تھا ✣

(اس وقت پاربتی کی آنکھوں میں پھر اندھیرا چھا گیا۔ اور آواز میں زیادہ رقت
پیدا ہو گئی وہ ہچکی ہو ہی۔ اور کسی قدر تامل کیا۔ اوہو! اُس کا چپ ہو جانا مہاراجہ صاحب
اور ڈپٹی کمشنر بہادر کو کس قدر شاق معلوم ہوا۔ مہاراجہ نے کہا۔ ہاں چھوٹی اور
پیاری لڑکی۔ مت خوف کرو۔ اور سُناؤ پھر تم پر کیا بیتی۔)

اب چور اور میں تنہا رہ گئی۔ اس بدبخت کم ذات نے اپنی خواہش نفسانی پورا کرنے کو اسکے
درخواست کی۔ ہائے میرے پیشر! میں ایسی مصیبتیں اُٹھانے کیلئے کیوں پیدا ہوئی تھی۔ میں نے
اُسے بہت بُرا بھلا کہا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چور نے مجھے نیچے گرا دیا۔ میرے سینہ پر اُس نے اپنا گھٹنا رکھا
اور گلے میں پھندا ڈالکر آہستہ آہستہ تنگ کرتا گیا۔ اور پوچھتا رہا۔ کہ اگر اب بھی راضی ہو تو چھوڑ دیتا
ہوں۔ ہائے میری سخت جان نہ نکلی اور مجھے نہایت تکلیف معلوم ہوئی۔ اور آخیر دم میں نے اپنے دل و جان
شام کو یاد کیا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ اور ہوش و حواس جاتے رہے۔ لیکن پھر جب مجھ کو ہوش آیا۔ تو میں نے
اپنے تئیں شام کی گود میں پایا ✣

اب معلوم نہیں کہ آیا یہ خواب ہے یا خیال یا واقعی میری مصیبتیں تمام ہو گئی ہیں ✣

مہاراجہ صاحب:۔ "چھوٹی لڑکی مت خوف کھاؤ۔ اب سب مصیبتیں دور ہوئیں۔ اب میں تمہاری شادی کرونگا۔ تم میری وظیفہ خوار ہونگی"۔

صاحب ڈپٹی کمشنر:۔ "اوہو! ان لوگوں کا قصہ کیسا دردناک ہے۔ ہم نے انگریزی ناول بہت سے پڑھے ہیں۔ مگر یہ بات کسی میں نہیں"۔

مہاراجہ:۔ "ہاں وہ مصنوعی قصے ہوتے ہیں اور یہ اصلی داستان ہے"۔

صاحب:۔ "اوہو! کیسا عمدہ ناول تیار ہو سکتا ہے"؟

مہاراجہ:۔ "ہاں میں پہلے ہی سوچ رہا ہوں کہ اس کا ناول بنواؤں (اپنے ایک اہلکار کی طرف اشارہ کرکے) کیوں کوئی ناول نویس تم جانتے ہو؟"

اہلکار:۔ "ہاں حضور۔ محمد کامل مصنف "سوانح عمری ملا دوپیازہ" اور "ناول دلفریب" بہت عمدہ لکھنے والا ہے۔ وہ بہت عمدہ ناول تیار کریگا"۔

مہاراجہ:۔ "اگر ان دونو کی شادی کردیجائے تو کچھ مضائقہ تو نہ ہوگا"؟

صاحب:۔ "نہیں کچھ خوف نہیں دونو بالغ ہیں۔ اور ایک دوسرے پر عاشق بھی۔ اس کا کچھ مضائقہ نہیں"۔

مہاراجہ:۔ "کیا آپ بھی شریک ہونگے"؟

صاحب:۔ "بڑی خوشی سے"۔

مہاراجہ:۔ "اچھا تو اب باقی لوگوں کے اظہار لینے چاہئیں"۔

اب ڈاکو کو بلایا گیا۔ اُس نے کہا میں تو جانتا بھی نہیں کہ یہ لڑکی کون ہے میں تو صبح صبح ٹھمنڈے کی طرف گائیں خریدنے جاتا تھا۔ کہ اس بابو (شام) نے مجھ کو پکڑ لیا۔ اور بس اور میں کچھ نہیں جانتا۔

پھر اُس نے دُولھا جاٹ کو بلایا گیا اور اُس نے اپنے اظہار اس طرح دینے شروع کئے:۔

رات کو حضور میں اور میری عورت چھت پر سو رہے تھے کہ کسی چور نے میری عورت کا سب زیور اتارا اور جب اُسکی چھاتی کا اتارنے لگا۔ تو اُس نے اس کو پکڑ لیا۔ اور گھنٹہ بھر تک دونو کی کشتی ہوتی رہی۔ میں ایسا بیخبر سو رہا تھا کہ مجھے مطلق ہوش نہ آیا۔ آخر میری عورت نے چور کو مجھ پر دھکا دیا۔ اور اس وقت جو میں ہڑبڑا کر اُٹھا۔ تو عورت نے شرما کر چور کو چھوڑ دیا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو چور نیچے کود کر جنگل کی طرف چلدیا۔ میں اُسکے پیچھے بھاگا اور میرے پیچھے میری مدد کو یہ بہادر (شام)

آدمی تھا۔ یکایک اندھیرا ہوگیا۔ اور چور نظروں سے غائب ہُوا۔ ہم دونو اس لیئے کہ پاس آئے شام نے ایک آواز سُنی وہ اُدھر دوڑا اور میں اُسکے پیچھے دوڑا۔ اس ڈاکو نے اس غریب لڑکی کو دبا رکھا تھا۔ اُس کا گلا گھونٹ رہا تھا وہ مردونکی طرح لڑ رہی تھی۔ کہ شام شیر کیطرح جھپٹا۔ اور اس بوڑاد آدمی کو ہرن کی طرح دبوچ لیا۔ اور پھر ہم دونو نے اس کو مضبوط باندھ لیا۔ اتنے میں ٹاؤن کے اور آدمی ہماری مدد کو آگئے ہاں یہ عورت بالکل مردہ تھی۔ مگر اس شخص (شام) کو شائد جادو آتا ہے۔ اُس نے جلدی سے اُسے اچھا کر لیا۔ اور ہم کو تعجب ہوا۔ کہ جب وہ دونو آپس میں گلے ملکر رونے لگے"

مہاراجہ:"وہ آہا۔ میری عملداری میں ایسی بہادر اور زبردست عورتیں بھی ہیں جو کہ مردونکا مقابلہ کرتی ہیں؟"

اہلکار:"ایسی بہت سی ہیں۔ اور مرد بھی بہت بہادر ہیں"

مہاراجہ:"جس دن شام اور پاربتی کی شادی ہو۔ اس عورت کو بھی ضرور بلواؤ"

اہلکار:"حضور۔ بہت خوب"

صاحب ڈپٹی کمشنر نے باقی حالات مہاراجہ کو سُنائے۔ اور مہاراجہ صاحب رخصت ہو کر پٹیالہ تشریف لے گئے۔ اور فرمایا:۔

مہاراجہ:"جس وقت صاحب بہادر فارغ ہو جائیں اُسی وقت اُنکو بڑی عزت سے اور شام پاربتی کو بڑے آرام سے ہمارے پاس پٹیالہ پہنچاؤ"

ایک دن گواہیوں وغیرہ میں اور گذرا۔ تیسرے دن صاحب ڈپٹی کمشنر نے اُس چمار (ولیم) ڈپٹی انسپکٹر کو ہتھکڑیاں ڈالکر موگا روانہ کیا۔ اور چوہڑے (ہنری) صاحب کی بھی گرفتاری کا حکم دیا۔

ڈاکو کے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈالی گئیں اور باقی ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لئے اُسکو پولیس کے حوالہ کیا گیا۔

سب کام سے فارغ ہو کر صاحب ڈپٹی کمشنر شام اور پاربتی کو لیکر پٹیالہ پہنچے۔ اور رانا صد گڑھ کے جاٹ بھی اُن کے ساتھ ساتھ چلے آئے۔

اختتام

پٹیالہ میں ایک تعطیل کا دن تھا موسم کسی قدر خنک تھا۔ ہوا خوش گوار چل رہی تھی شام اور سندر باری کے جلسہ شادی کے واسطے پٹیالہ کالج کی عمارت خالی کرا دی گئی تھی۔ صبح ناچ رنگ کے جلسے ہو رہے تھے لعبتانِ گلبدن اور معشوقانِ سیمتن اپنے کرشمہ و ناز سے عاشق مزاجوں اور تماشہ بینوں کے دلوں کو بیقرار کر رہی تھیں ریاست کی طرف سے دعوتِ عام جا رہی تھی اور عوام کی زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

مہاراجہ سلامت رہیں ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن ہزار ہزار

یہ جلسے ساری دن ہوتے رہے۔ بلبل و گل کے عقد کا وقت شام کے پانچ بجے قرار دیا گیا تھا۔ چار بجے سے تمام معززین شہر اہلکاران ریاست موقع پر تشریف لے آئے تھے۔ مہاراجہ ہیرو شام خلعت فاخرہ پہنے ایک کرسی پر ڈٹ کر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خوش بیانی اور گل افشانی سے حاضرین کو محو کر رہا تھا ادھر ناصر گڑھ اور ٹھنڈا کی جانبوں اور شہر کی بہت سی عورتوں کے جلسہ میں پاربتی لباس عروسانہ زیب بدن کئے بیٹھی ہوئی تھی۔ سرخ عروسانہ لباس اور سونے کے بیش بہا زیور جو ریاست کی طرف سے اس کو دئے گئے تھے اُس کے حسن کو دوبالا کر رہے تھے۔ پاربتی پیاری۔ سُندر پاربتی! آج کے دن تو پرستان کی پریاں اور بہشت کی حوریں تم پر صدقے تھیں۔ اس جلسہ میں حسین عورتیں تو بہت سی تھیں مگر پاربتی پر جو جوبن تھا وہ پھٹا پڑتا تھا۔ وہ شمع کی مانند اُس محفل میں چمک رہی تھی اُسکا دل باغ باغ ہو رہا تھا کہ جس شخص کی محبت میں اُس نے اس قدر تکلیفیں اٹھائی ہیں اب کے ساتھ اُسکی بغل میں جائیگی وہ کہتی تھی کہ یہ سب کچھ میری اور میرے پیارے شام کی نیک نیتی اور پاک محبت کا سبب ہے وہ اس خیال میں غرق بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک جوان اور گوری چٹی عورت پاس آنکر اُس کو تعجب سے دیکھنے لگی۔ پاربتی نے جب آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اُسے معلوم ہوا کہ اس عورت کو اُس نے کبھی دیکھا ہے +

اوہو! یہ وہی کشمیرن لڑکی ہے۔ جو للّو چوہڑے کی نذر ہوئی تھی! اور اس مکار چمار کے مکان میں بند تھی۔ جب للّو کو خبر ہوئی کہ کلو پکڑا گیا تو اس نے ایک شخص کے ہمراہ اُسے پٹیالہ بھیج دیا تھا پاربتی نے جب پہچانا کہ یہ وہی کشمیرن لڑکی ہے۔ تو اُس نے اُس کو نہایت محبت سے اپنے پاس بٹھا لیا گو وہ اس سے کچھ حالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ مگر موقع نہ سمجھ کر چپ ہو گئی +

پاربتی کے دل میں جو خیالات اس کشمیرن لڑکی کے دیکھنے سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ بہت

خوفناک تھی وہ رات کا خوفناک سین اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ مگر وہ کن آنکھوں سے شام کی طرف دیکھکر اپنے دل کو تسلی دیتی تھی۔ کہ بس غم کی کہانی اب ختم ہو گئی ہے +

لوگوں کا ہجوم لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا جب کہ پاربتی اپنے عاشق صادق کی طرف نظر شوق سے دیکھ رہی تھی تو اُس کے گرد آدمیوں کا ایک ہجوم کثیر جمع ہو گیا تھا۔ اس ہجوم میں پاربتی نے ایک شخص کو پہچانا۔ اور کشمیرن سے کہکر اُس بڈھے آدمی کو اپنے پاس بُلا لیا +

بڈھا: "کیوں بی بی مجھے کیوں بُلایا ہے ؟"

پاربتی: "بابا تو کہاں کا رہنے والا ہے ؟"

بڈھا: "لاہور کا"

پاربتی: "تم کون ہوتے ہو ؟ اور تمہارا کیا نام ہے ؟"

بڈھا: "میں برہمن ہوں اور میرا نام مصر جے رام ہے"

پاربتی: "یہاں کیسے آئے ہو ؟"

بڈھا: "میرا ججمان ساہو کار ہے۔ وہ کچھ زیور راجہ کو دکھانے آیا تھا۔ اور میں بھی اُسکے ساتھ آیا ہوں"

پاربتی: "اس ساہوکار کا کیا نام ہے اور وہ کہاں ہے ؟ میں بھی کچھ زیور دیکھنا چاہتی ہوں"

مصر: "اُس کا نام ہر بھگوان ہے اور وہ یہیں ہے۔ میں ابھی اُسے بلا لاتا ہوں"

مصر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں ایک شخص ایک صندوقچہ بغل میں دبائے ہوئے دلہن (پاربتی) کے پاس آیا۔ اس وقت پاربتی کے خون محبت نے جوش مارا۔ اور وہ قریب تھی کہ اپنے باپ کے گلے لگ جائے۔ مگر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا۔ اور کہا:۔

پاربتی: "لالہ جی کوئی عمدہ سا زیور تو دکھاؤ"

لالہ: "بی بی جی! ایک چندن ہار میرے پاس بہت ہی نفیس ہے"

پاربتی: "لالہ جی پھر دکھاؤ نا ؟"

ہر بھگوان نے وہ چندن ہار پاربتی کو دکھایا اور اُس نے پسند کر کے کہا کہ یہ مجھے دیدو:۔

ہر بھگوان: "بی بی جی! اسکی قیمت دو ہزار روپیہ ہے"

پاربتی: "میری شادی ابھی ہونیوالی ہے۔ کیا تم کو مجھ پر رحم نہیں آتا دیکھو میرا باپ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ تم بھی جاننا کہ اپنی بیٹی کو دیا"

ہر بھگوان: "بی بی جی کہیں اوسوں سے پیاس بجھتی ہے۔ میری بیٹی کہاں! اگر میری بیٹی ہوتی

تو سارا صندوقچہ اُس پر سے صدقے کر دیتا۔"

پاربتی: "کیوں لالہ جی۔ تمہاری بیٹی کہاں گئی؟"

ہر بھگوان: "بی بی جی! یہ ایک طول طویل غم کی کہانی ہے۔ کیوں پوچھتی ہو۔ تم خوشی کی گدی پر بیٹھی ہو۔ میری مصیبت سُنکر کیوں اپنے کنول جیسے دل کو پژمردہ کرنا چاہتی ہو۔ میری بیٹی افسوس میری بیٹی مر گئی۔ ہائے اُس کی لاش بھی تو نہیں ملی۔"

اس وقت ہر بھگوان بے اختیار رو پڑا۔ اور پاربتی جو بہت دیر سے اپنے تئیں سنبھالے ہوئی تھی اور آواز بدلا کر اپنے باپ سے بات چیت کر رہی تھی۔ بے اختیار پھوٹ پڑی اور دوڑ کر اپنے باپ کے گلے لگ گئی۔ اِن کا رونا دیکھ کر محفل کی تمام عورتیں حیران و پریشان رہ گئیں ✣

اتنے میں مردوں کے گروہ میں سے کسی شخص کے رونے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اوہو! یہ کون مرد ہے جو اِس خوشی کے موقع پر رو رہا ہے! اوہو! ایک پکی عمر کا آدمی جسکے چہرہ پر شرافت و اعزاز برس رہے ہیں۔ ہمارے ہیر شام کے گلے لگ کر رو رہا ہے۔ پہچانو تو یہ کون ہے؟ آہا! یہ تو منشی رام نرائن تحصیلدار میرٹھ ہیں۔ جو گنگا کی رو میں گئے تھے اور بہت دور جنگل میں جا کر پانی سے نکلے تھے اور مرتے دُکھ بھرتے کل نیپال پہنچے تھے۔ ہمارا ہیر شام انہیں کا تو لخت جگر اور نور بصر ہے ✣

اول اول تو لوگوں کو بڑا تعجب معلوم ہوا کہ دولہا اور دُلہن دونو کیوں رونے لگے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ دونو کے والد اتفاق ہی سے موقع پر پہنچ گئے ہیں تو ریاست کے اہلکاروں نے انہیں سمجھایا کہ یہ خوشی کا موقع ہے بھلا ایسی قسمت کس کی ہے کہ مہاراج جیسا عالیشان بادشاہ خود والدین بنکر شادی کرادے۔ آپکو تو خوش ہونا چاہئے کیونکہ اب مہاراج خود تشریف لاتے ہونگے ✣

دونو نے یوں کہا کہ قدرتی امر ہے کہ جب بچھڑے ہوئے ملتے ہیں تو طرفین اپنی مصیبتیں یاد کر کرکے روتے ہیں ورنہ ہم کو ایک اپنے لخت جگروں سے ملنے اور دوسرے ان کے حسب مراد شادی دیکھنے اور تیسرے مہاراج صاحب کی اُن پر اس قدر مہربانی اور شفقت خوشی ہوئی ہے ✣

اِدھر پانچ بجے۔ اور اُدھر مہاراجہ صاحب صاحب ڈپٹی کمشنر فیروزپور کو لیکر گاڑی سے اُترے اہلکاروں نے عرض کی کہ دولہا اور دُلہن کے والد بھی اتفاق سے یہاں آ موجود ہوئے ہیں ✣

مہاراجہ: "آہا! کیسا عمدہ اتفاق ہوا ہے۔"

صاحب ڈپٹی کمشنر: "یہ تو عجب ہی بات ہوئی ہے۔"

مہاراج: "اچھا ان دونو کو بلاؤ۔"

منشی رام نرائن اور لالہ بھگوان مہاراج کے سامنے آئے ✣

مہاراج (نہایت مہربانی سے) "تمہارے بچوں کی دردناک داستانیں بڑی دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں ہم کو اُن سے کمال ہمدردی ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ اُس پاک محبت کے سبب سے جو ان دونوں کے درمیان ہے انکی شادی کردیجاوے۔ کیوں تم لوگوں کی کیا مرضی ہے"

دونوں کے باپ: "مہاراج حضور عالی کی مہربانیوں کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں ہم بہت خوش اور بالکل راضی ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ حضور انور کو خدا ہزار برس سلامت رکھے"

مہاراجہ نے حکم صادر فرمایا۔ اور برہمن نے حسب رواج گل کا عقد بلبل سے باندھ دیا۔ اور پھیرن وغیرہ کی رسم ادا ہوئی ساری محفل نے ملکہ مہاراجہ کی درازیٔ عمر کیلئے دعائیں مانگیں اور ہمارا بہادر شام اپنی معشوقہ پاربتی کو لیکر اپنے مکان پر روانہ ہوا۔ یہ مکان مہاراجہ نے اُسے عطا فرمایا تھا ✣

اہلکاروں نے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ باقی نہیں اُٹھا رکھا تھا ساری رات رقص و سرود کی محفل گرم رہی دوسرے دن صاحب ڈپٹی کمشنر مہاراج سے رخصت ہو کر فیروزپور روانہ ہوئے روانگی کے وقت شام موجود تھا انہوں نے شام کو نہایت خوشی سے مبارکباد دی اور فرمایا کہ جب فرصت ہو مجھ سے ملا کریں ✣

تین دن کے بعد شام نرائن مہاراجہ صاحب کی اجازت سے خلعت فاخرہ لیکر دہلی روانہ ہوئے اُسکی والدہ نے اُسے اور اُسکی بیوی کو دیکھ کر بڑی خوشی کی اور پندرہ روز وہاں رہکر پھر اپنی پیاری نئی دولہا (پاربتی) کو اُسکی والدہ سے ملانے لاہور گیا اُسکی ساس اپنی بیٹی اور اپنے داماد کو دیکھکر ہزار جان سے قربان ہو کر کمال خوش ہوئی ✣

اب شام نے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور وہ ریاست پٹیالہ کے تمام شفاخانجات کا انسپکٹر جنرل ہے پاربتی نے تعلیم نسواں کے پھیلانے میں وہ نام پایا کہ بڑے بڑے تجربہ کار رشتہ تعلیم کے افسر اُسکی تجاویز کو مان گئے اور اب وہ ریاست کے تمام مدارس زنانہ کی ڈائرکٹرس ہے ✣

اناحد گر سنگھ کی جاگیر جس نے چور کو پکڑا تھا دو سو روپیہ سال کی جاگیر سے سرفراز ہوئی ✣

کلّو چمار اور بلّو حلال خور کو سات سات برس قید کی سزائیں ملیں اور ڈاکو جس نے پاربتی کا گلا گھونٹا تھا پھانسی چڑھایا گیا۔ اور اُن کا سرگروہ میر خان پشاوری ہندوستان کے مشہور تجربہ کار محنتی پولیس افسر مسٹر وار برٹن کے حوالہ کیا گیا۔ کہ خون اور ڈاکہ جن کا پتہ نہیں لگا تھا اُنکی تفتیش فرماویں ✣

ناول شام نرائن اور پاربتی باختتام رسید

عرضِ حالِ مصنّف

مصنف کتابِ ہٰذا لاہور میں تھا کہ ایک اہلکار صاحب

ہز ہائی نس راجۂ راجگان مہاراجہ صاحب بہادر پٹیالہ

دام اللہ ملکہٗ وحشمتہٗ

کا والانامہ لیکر پہنچا۔ کہ مہاراج نے تم کو یاد فرمایا ہے۔ اِس فرمانِ واجب الاذعان کی تعمیل کے لئے راقم فی الفور پٹیالہ پہنچا۔ اور حکم ہوا کہ اِن واقعات کو بطور ناول لکھ کر پیش کرے۔

راقم کی خوش قسمتی سے شام نراین اُس کا والد۔ پاربتی اُس کا باپ اُس کا منصر اور سجا نیوُو کی کشمیرن یہ سب وہاں موجود تھے۔ راقم نے ان لوگوں سے جداگانہ سب حالات دریافت کر کے نوٹ کر لئے۔ اور ایک ہفتہ کے بعد اس ناچیز ناول کو لکھ کر مادائے علوم ملجائے فنون۔ حاتمِ دوران۔ نوشیروانِ زمان۔ رعایا پرور معدلت گستر

حضور پُرنور

راجۂ راجگان مہاراجہ صاحب بہادر پٹیالہ

دام اللہ ملکہٗ

کی

نذر

کیا اور اُس کے صلہ میں ایک بیش بہا خلعت حاصل کیا۔

خدا ایسے عظیم الشان علم پرور بادشاہ کو ہزاروں برس سلامت رکھے کہ جس کے عہد میں صاحبِ علم کی ایسی قدر افزائی فرمائی جاتی ہے

آمین

مصنف

ضروری اطلاع

یہ کتاب شام نرائن اُدپرتی" حسب ضابطہ رجسٹری ہوگئی ہے اور اس کے
تمام حقوق بذریعہ رجسٹری کے بنام مشتہر محفوظ ہیں لہٰذا کوئی صاحب
اس کے کسی جز کو تغیر و تبدل کر کے طبع نہ فرمائیں اور نہ کسی
زبان میں بغیر اجازت مشتہر کے ترجمہ کریں ورنہ مواخذہ ہوگا
اور جو شخص اس کو چھاپے گا مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا دعوےٰ اس پر ہوگا
دیکھو گورنمنٹ گزٹ پنجاب ضمیمہ صفحہ ۴۹ مورخہ ۱۶ فروری سنہ ۱۸۹۹ء

المشتہران

ملک فضل الدین و ملک چنن الدین و ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی
کوچہ ککی زئیاں منزل نقشبندیہ بازار کشمیری
لاہور

ناول دلفریب مکمل



یعنی ہر چہار حصہ

حصہ اول

۱۸۵۷ء کے غدر کے حالات۔ ایک شریف خاندان کی تباہی۔ بے بسی و بیکسی کی تصویریں ظالموں کا ظلم مظلوموں کا صبر یتیمی اور مصیبت۔ شریفوں کی تباہی۔ رذیلوں کی حماقت۔ نیک اور بد استاد کا حال جھوٹے کیمیاگروں کے چکمے قمار بازی کی قباحتیں حسن و عشق بچھڑوں کا ملاپ عیسائی مشنری لیڈیوں کی عیاری اور شریف دلیسیوں کی خواری۔ غرضیکہ آب زر سے لکھنے والی نصیحتیں ۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶/

حصہ دوم

یعنی مس کبری کی عیاری صغرا اور بھگواندئی کی چڑیا گھر دکھانے کے بہانہ سے فراری غریب صغرا اور بھگواندئی کی آہ و زاری۔ گھر پہنچانے کے بہانے سے بیل گاڑی کی اسواری جان عالم کا دیوانہ پن مرض عشق تشخیص دوسری شادی کی تیاری برات کے وقت دولہا غائب جان عالم کا عیسائی ہونا۔ لونگ بیرڈ کی لاپرواہی شنبومشن کا استقبال بلیک ڈوگ کا حسب مس بیوٹی کی شرافت۔ دہلی ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات۔ گویا آب زر سے لکھے جانے کے قابل کتاب۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸/

حصہ سوم و چہارم

۱۸۵۷ء کے غدر کے متعلق مس صغرا پر ظلم جان عالم کے والدین کی چارہ جوئی عدالت عیسائی حکام کا پاس جانا جانعالم کا دہلی مشن سے غائب ہو کر شنبومشن میں پہنچنا۔ صغرا سے ملاقات بند صغرا پر آفت صغرا و جانعالم کا ایک دوسرے سے رو دل کہنا جانعالم کے والدین کا مقدمہ خارج ہونا جانعالم اور صغرا کا فرار ہونا انبالہ میں گرفتاری دہلی والے مقدمہ کا انبالہ میں دائر کرنا صغرا و جانعالم کے والدین کا آنا۔ جانعالم کی ضمانت ہونا صغرا کو پھر عیسائیوں کے ہاتھ میں جانا۔ ایک پادری مزاج حکام کی زبردستی مقدمہ کا فیصلہ جان عالم کی بریت۔ صغرا کا والدین کو واپس ملنا صغرا کی موت کا درد انگیز واقع جانعالم کی دوسری شادی مصنف کتاب کی ضروری گذارش غرضیکہ عیسائیوں کی بد افعالی اور حیلہ سازی کی ہو بہو تصویر اور ناول کا خاتمہ۔ پڑھ کر رد پڑھ و تو حلف پر کتاب واپس

قیمت عہ

المشتہران

ملک فضل الدین ملک چنن الدین تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ کوچہ ککے زئیاں

بازار کشمیری لاہور